تتلیاں پھول اور خوشبو

راحت جبیں

شیلا جو دل اور شو

راحت جبیں

خواتین ڈائجسٹ
37 - اردو بازار، کراچی

بار اول 2010ء

ناشرین خواتین ڈائجسٹ

پریس پرنٹ لائن

سول ایجنٹ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

انتساب

شوکت منزل کے

اس آنگن کے نام

جس میں پھیلے سکھ چین کے پیڑ تلے ہم چھ بہنوں کا بچپن کھیلا

خواب بننے کی عمر آئی تو اپنے اپنے حصے کا باجرا اور چونچ بھر پانی لیے

سر پر والدین کی دعاؤں کی چھایا اور ہاتھ میں ان کے فیصلوں کا عصا تھامے عزت و آبرو کے ساتھ

اپنی اپنی منزلوں کی اور چل دیے۔

راحت جبیں

تتلیاں، پھول اور خوشبو

صاف ستھرے، تازہ لپے لپائے وسیع و عریض صحن میں دھوپ تیزی سے پھیلی۔ اگرچہ ابھی صبح کا ہی وقت تھا... مگر سورج سر پر آ کھڑا ہوا۔

مسرت نہا کر نکلی اور لمبے بالوں کو تولیے میں لپیٹے کمرے میں گھس گئی۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا اور جنت بی بی باہر نکلیں۔ دبلی پتلی، دھان پان سا وجود، صاف رنگت، ہر حرکت میں تیزی و پھرتیلا پن نمایاں تھا۔ انہوں نے دھوپ میں پڑی چارپائی گھسیٹ کر دیوار کے ساتھ کی۔ اس پر پرانی دھلی ہوئی چادر بچھائی، پھر کمرے کی طرف منہ کر کے آواز دی۔

"ستی او... ستی... ذرا مجھے ... اور پرات تو پکڑا دے۔"

انہوں نے کونے میں پڑا ساگ کا گٹھڑ کھول کر چارپائی پر پھیلایا۔ بہت آوازیں دینے پر بھی مسرت ٹس سے مس نہ ہوئی تو ان کو تاؤ آ گیا۔

"لگی ہوگی سولہ سنگھار کرنے۔ ماں تو بکواس کرتی ہے۔" وہ غصے سے بڑبڑاتی اٹھیں اور خود ہی کچن سے مطلوبہ اشیاء لے آئیں۔

"چاند سا مکھڑا... اترا ہے دل میں..."

گنگناتے ہوئے مسرت نے آخری بار آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور باہر نکل آئی۔

PAKISTANIPOINT

"کیا بات ہے اماں۔ آواز دے رہی تھیں۔"

"نہیں میں تو بھونک رہی تھی۔"

"ہیں! وہ ٹھٹکی۔ اماں! خود کو کوس رہی ہو!"

"جس کی تیرے جیسی اولاد ہو۔ وہ خود ہی کو کوسے گی۔ ایک سکہ وہ بھی کھوٹا۔" اماں غصے سے ساگ کاٹنے لگیں۔

"کوئی اپنی اکلوتی بیٹی کو ایسے بھی کہتا ہے۔" وہ بسوری۔

"کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔۔۔ ساگ کاٹنے کی توفیق نہیں۔ کم از کم سامان ہی پکڑا دے۔۔۔ پر کہاں۔۔۔ ماں تو نوکر لگی ہے۔ ساگ کاٹ کر بھی لائے' کاٹے' چڑھائے اور تم جیسی نکمی اولاد کو ٹھنسائے بھی۔" جنت بی بی جلی بھنی بیٹھی تھیں۔

"سوری اماں۔" اس نے عقب سے دونوں بازو جنت بی بی کے گلے میں ڈالے۔

"دفع دور۔۔۔ ہر وقت جو مت بن کر لپٹ جاتی ہے۔ بے شرم۔" جنت بی بی نے اس کے بازو پرے کیے۔

"ماں سے لاڈ کرنے میں کیسی شرم۔۔۔ جس دن سے میں بڑی ہوئی ہوں۔ تم نے مجھے کبھی قریب نہیں بیٹھنے دیا۔ کبھی بچپن میں ہی گود میں لیا ہو تو لیا ہو۔" اسے اپنا دکھ یاد آیا۔

"اب گود میں لے کر بیٹھ جاؤں گھوڑی کو۔۔۔" جنت بی بی پھاڑ کھانے کو دوڑیں۔ "تیرے جتنی سارا سارا گھر سنبھال کر بیٹھی ہیں۔۔۔ اور تو۔۔۔ تیرے کرتوت تو سارے گاؤں کو پتا ہیں۔ کریمیں منہ پر مل لیں اور شیشے میں تھوبڑا دیکھ لیا۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ ان حرکتوں کے ساتھ کون تیرا ہاتھ مانگنے آئے گا۔ کوئی آجائے' تجھے تو یہ بھی مت نہیں کہ اس سے چائے پانی کا ہی پوچھ لے۔۔۔ کل تیری ماسی ڈوڈ گھنٹہ (ڈیڑھ گھنٹہ) بیٹھی رہی۔ آخر میں نے ہی اٹھ کر لسی پانی دیا۔ تو اس مسٹنڈی دیبا کے پاس بیٹھی نئی کریم منہ پر لگانے کا طریقہ سیکھتی رہی۔"

"تو ماسی کون سا دور سے آئی تھی۔ یہیں دو قدم کے فاصلے پر تو گھر ہے۔ صبح' شام چکر لگا لیتی ہے۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"دور فٹے منہ! تیرے گھر تو جو بھی آئے گا۔۔۔ بھوکا ہی اٹھے گا۔"

"ہاں تو اپنے گھر سے کھا کر آیا کرے۔ ہم نے کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ اتنی مہنگی چینی' پتی۔۔۔ خوامخواہ روز' روز آنے والوں پر ضائع کریں۔"

"چلی جا یہاں سے۔۔۔ ورنہ اسی ساگ کے ساتھ چیر دوں گی۔" اماں کے خوف ناک تیوروں نے اسے کھسکنے پر مجبور کر دیا۔

"ایک تو اس ساگ نے پیچھا نہیں چھوڑنا۔۔۔ گرمیاں شروع ہو گئیں۔ یہ نہ ختم ہوا۔"

"آخری واری کا ہے۔۔۔ کیا پکانا ہے تجھے جو مروڑا اٹھ رہے ہیں۔ اوئی اماں۔"

جنت بی بی کی چیخ اتنی ہولناک تھی کہ مسرت ہول کر پلٹی۔ پہلا خیال یہی آیا کہ اماں کا ہاتھ کٹ گیا۔

"کیا ہوا اماں۔۔۔ ہاتھ کٹ گیا؟ مجھے ڈانٹنے میں تو نے دھیان ہی نہ دیا۔ اب لا کوئی دوائی لگا دوں۔ کیا ہوا؟" اس کی زبان کو بریک اماں کی باہر کو ابلی ہوئی آنکھوں نے لگائی۔ اماں کی یہ حالت اسی وقت ہوتی تھی۔ جب مسرت کی شامت آنی ہو۔

"کم بخت! یہ کیا پہنا ہے۔" جنت بی بی کی نگاہ اس کے سراپے پر تھی۔

"اُفوہ۔" مسرت بھنا کر رہ گئی۔ "میں سمجھی قیامت آگئی۔"

"قیامت کی کچھ لگتی۔ تجھے شرم نہ آئی۔۔۔ بے حیا۔۔۔ یہ کیا سلوا کر پہن لیا ہے۔۔۔ ٹانگیں کاٹ کر رکھ دوں گی۔۔۔ شتر مرغ لگ رہی ہے۔"

اماں کا بس نہ چلتا تھا کہ اسے کچا چبا جائیں۔ ابھی چند دن قبل اسے لان کے چار سوٹ لے کر دیے تھے۔ شادو درزن کو بلا کر اس نے اپنی مرضی کے ڈیزائن بتائے۔ اماں نے غور نہ کیا کہ پہلے بھی وہ اپنی مرضی کے کپڑے سلواتی تھی۔ آج صبح ہی شادو کپڑے دے کر سلائی لے گئی۔ مسرت نے ان ہی میں سے اک جوڑا نکال کر پہنا تھا۔ آف وائٹ چوڑی دار پائجامہ' سرخ مناسب فٹنگ والی قمیص' اس کا سانچے میں ڈھلا وجود غضب ڈھا رہا تھا۔ آدھی آستینوں میں بھرے بھرے سڈول گورے بازو بے حد نمایاں تھے۔ بالوں کو شیمپو کیے وہ آنگن میں چل پھر کر اپنا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ اور اماں کا بس نہ چلتا تھا کہ ساگ کی جگہ اسی کو کتر کر رکھ دیں۔

"کیوں اماں! اتنے اچھے تو لگ رہے ہیں یہ کپڑے۔۔۔ سچ سچ بتا۔۔۔ میں خوبصورت نہیں لگ رہی۔۔۔ بالکل شہری کڑی۔" اس نے اپنا سرخ آنچل لہرایا۔

اماں اسے نظر بھر کر دیکھ لیتیں تو ضرور ماشاءاللہ' چشم بد دور کہتیں۔ مگر اماں کو اتنی فرصت کہاں۔ ان کا جی چاہتا تھا جو تا تھا میں۔۔۔ یہیں صحن میں اس کی رج کر مرمت کریں۔ بھلے یہ تماشا ہمسائے ملاحظہ کریں۔

"مسرت بانو! تو شہر کی کڑی نہیں۔ اس پنڈ کی دھی ہے' جہاں کنواریاں سرخ قمیص پہن کر باپ' بھائی کے سامنے جانے سے بھی گھبراتی ہیں۔"

"کیوں اماں! ہمیں فیشن کرنے کا کوئی حق نہیں۔" وہ تنک کر بولی۔

"میں بتاتی ہوں' تجھے تیرے حق حقوق۔ کیسی بے غیرت ہو گئی۔۔۔ یہ پہن کر باپ کے سامنے جائے گی' گویا بانسری پر غلاف چڑھایا ہو۔۔۔ پوری کی پوری ٹانگ دیکھ لو۔۔۔ سارا قصور اس شیطان کے ڈبے کا ہے۔ جس دن سے گھر میں یہ ٹی وی آیا۔۔۔ تیری ہوا ہی بدلی ہے۔ دیدوں کا پانی مر گیا ہے۔ سارا دن چمٹی رہتی تھی۔ کوئی اثر تو ہونا ہی تھا۔ یہی بے حیائی سکھاتا ہے نا۔"

"اس میں بے حیائی کی کیا بات ہے؟" وہ تنک کر بولی۔

"آ تجھے میں بتاتی ہوں۔" اماں نے سچ مچ جوتی اٹھالی۔ تو وہ غصے میں پاؤں پٹختی اندر بھاگ گئی۔ اماں ساگ کترتی بہت دیر تک بڑبڑاتی رہیں۔ سب سے زیادہ غصہ انہیں ٹی وی پر تھا۔ جس نے ان کی بھولی بھالی مسرت بانو کو سرتاپا بدل کر رکھ دیا تھا۔

"خالہ! یہ آپ ہواؤں سے لڑ رہی ہیں۔"

انہیں فاطمہ کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ گھور کر اسے دیکھا اور زیر لب بڑبڑائیں۔

"لو آگئی ایک اور۔۔۔ ان دونوں نے مل کر ہی مسرت کا ستیاناس کیا ہے۔۔۔ ورنہ وہ کہاں ایسی تھی۔ ایسی تو خیر یہ بھی نہ تھی۔ پر جب سے شہر کے کالج گئی ہے۔ بدلی بدلی سی لگتی ہے۔"

"خالہ۔۔۔!" فاطمہ کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ منہ ہی منہ میں کیا بڑبڑا رہی ہیں۔

"میں بولی (بہری) نہیں ہوں۔"

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"نا میری طبیعت کو کیا ہونا ہے؟" اماں نے تنک کر کہا اور زور' زور سے ساگ چیرنے لگیں۔

"مسرت کہاں ہے؟" خالہ کا موڈ خراب تھا۔ فاطمہ نے یہاں سے کھسک جانا مناسب سمجھا۔

"اندر مری پڑی ہے۔"

(گویا غصہ مسرت بی بی پر ہے۔) فاطمہ نے اندازہ لگایا۔ اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"سن فاطمہ! اس سے کہہ دینا۔ وہ منحوس پائجامہ اتار کر میرے سامنے آئے' ورنہ لنگڑا کر دوں گی۔"

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اندر چلی آئی۔ جہاں مسرت پلنگ پر اوندھی پڑی تھی۔

"کیا ہوا مسرت بی بی؟" فاطمہ نے اسے دونوں کندھوں سے ہلایا۔

"ارے۔۔۔ فاطمہ۔۔۔" وہ تیزی سے اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔ "تم کب آئیں؟"

"کل شام۔"

"مجھ سے ملنے اب آئی ہو؟"

فاطمہ کو دیکھ کر مسرت کا مزاج خوشگوار ہو گیا۔ وہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی۔ میٹرک دونوں نے اکٹھے کیا۔ پھر فاطمہ نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا تو شہر ہاسٹل چلی گئی۔ جبکہ مسرت کو مزید پڑھنے کی اجازت ہی نہ ملی۔

"خالہ کا مزاج کیوں برہم ہے؟"

"عادتاً؟"

"ہونہہ بری بات۔۔۔" فاطمہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سرزنش کی۔

"یہ۔۔۔" اس نے اپنی ٹانگ سامنے کی۔ "یہ چوڑی دار پائجامہ سلوا لیا۔ بس اتنی سی بات پر سو' سو باتیں سنائی ہیں۔"

"ہوں۔۔۔ نیا سوٹ۔"

"ابھی پہنا تھا۔" مسرت نے افسردگی سے کہا۔

"خوب صورت ہے اور تم پر جچ بھی رہا ہے۔" فاطمہ نے ناقدانہ نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ "لیکن مسرت۔۔۔! یہ تو امی نے مجھے بھی کبھی نہیں پہننے دیا۔"

"لیکن میں تو پہنوں گی۔ ٹھیک ہے۔ جس دن ابا گھر پر نہیں ہوں گے اس دن پہن لیا کروں گی۔"

"اور اماں۔۔۔! ان کی کوئی ویلیو ہی نہیں۔" فاطمہ نے کہا۔

"اماں کو تو عادت ہے۔ ہر وقت گوڈے گوڈے غصے میں ڈوبی رہتی ہے۔" مسرت نے لاپروائی سے کہا۔

"بہت بری بات ہے۔ ان کا احترام تم پر واجب ہے۔"

"نصیحتیں چھوڑو۔ مجھے شہر کی باتیں بتاؤ۔"

"واہ۔۔۔! نہ شربت نہ پانی۔۔۔ مہمان داری بھی بھول گئیں۔" فاطمہ نے سرزنش کی۔

"بیٹھو۔ ابھی لاتی ہوں۔" وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"ابھی نہیں۔۔۔ کل آنا پھر سناؤں گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔۔۔؟" مسرت نے احتجاجاً کہا۔

"ابھی گھر میں کام ہے مسرت! امی اکیلی لگی ہوں گی۔ میں تو صرف تم سے ملنے آئی تھی۔ باتیں ساری کل ہوں گی۔" وہ نرمی سے سمجھا کر چلی گئی۔

مسرت نے کپڑے نہیں بدلے' بلکہ ڈھٹائی سے پہن کر پھرتی اور اماں کا کلیجہ جلاتی رہی مگر شام کو جب زبیر کی نظر پڑی اور اس نے ہاں۔۔۔ ہا کر کے آدھے گاؤں کے بچے اکٹھے کر لیے۔

"اوئے۔۔۔ اوئے دیکھ۔ ستی نے کی پایا۔"

بچوں نے جو اس کے ساتھ مل کر نعرے بازی کی تو وہ کپڑے بدلنے بھاگی۔

□□□□

آم کا درخت بے حد گھنا تھا' شدید آندھی میں جھکتے جھکتے یوں سجدے میں پڑا کہ پانی کے نالے پر پل بن گیا۔۔۔ مگر اس شدید جھکاؤ کے باوجود درخت نے اپنی جڑیں نہیں چھوڑیں۔ ہرا بھرا تھا۔ موسم کی مناسبت سے پھل بھی خوب لگتا۔ کچی پکی کیریاں گرتیں۔ تو پانی میں بہت دور تک جاتیں پانی میں کپڑے دھوتی عورتیں' ڈبکیاں لگاتے چھپا چھپ کھیلتے بچے یہ کیریاں پکڑتے اور کھاتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے۔۔۔

وہ دونوں اسی درخت کے ٹہنے پر بیٹھی تھیں۔ دونوں کے پاؤں پانی میں تھے۔ کھیتوں میں تیز دھوپ لشکتی تھی۔ مگر اس جگہ درختوں کی گھنی شاخوں نے ایک دوسرے کے گلے ملتے ہوئے پرسکون ٹھنڈی اور نیم تاریک سی گھپا بنا دی تھی۔

یہ دونوں کا فیورٹ پکنک اسپاٹ تھا۔

فاطمہ جب بھی گاؤں آتی۔ دونوں پکنک یہیں مناتی تھیں۔ پکنک کے سامان میں فقط نمک مرچ کی پڑیا اور ایک عدد چھری ہوتی۔ باقی سب یہیں سے دستیاب ہو جاتا اگر چھ سالہ زبیر مائل بہ کرم ہوتا۔۔۔ بلا کا تیز اور ذہین زبیر فاطمہ کا چھوٹا بھائی تھا۔ ایک کھیت سے خربوزے' دوسرے سے کھیرے۔ کیریاں تو ذاتی ملکیت تھیں ہی۔ اگرچہ وہ کچھ زیادہ قابل اعتبار راز داں نہ تھا کہ ذرا غصے میں ہوتا تو چھوٹی سے چھوٹی بات گھر والوں کے گوش گزار کر دیتا' مگر اس کے بنا گزارہ ہی نہ تھا۔

"لو آگیا۔۔۔" وہ دونوں بازوؤں میں تین خربوزے سنبھالے بگٹٹ بھاگا چلا آرہا تھا۔ اس کے پیچھے بابے لال دین کو لاٹھی سنبھالے اور اوئے۔ اوئے کی آوازیں نکالتے سن کر مسرت ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گئی۔

"زوبی! تو نے کبھی کوئی کام ڈھنگ کا نہ کیا۔ تین خربوزے توڑنے میں بابے کو ساتھ لگا لایا۔ اب وہ گوڈے۔۔۔ گوڈے بے عزتی کرے گا۔"

"خوامخواہ کرے گا۔ خود توڑنے جاؤ تو پتا چلے۔ خود کو تو بس ٹھونسنا آتا ہے۔"

اس نے تڑپ کر کہا۔ اور خربوزے نالے میں پھینک دیے۔ وہ پانی میں ڈوبے، پھر ابھرے اور گھنی گھاس میں اٹک گئے۔

تب ہی بابا لال دین بھی پہنچ گیا۔

پھولی ہوئی سانس، چہرہ سرخ، گھنی سرمئی ڈاڑھی میں اٹکے پسینے کے قطرے۔

"سلام بابا جی۔۔۔" دونوں نے باجماعت سلام کیا۔ بابا نے لاٹھی زور سے زمین پر مار کر جواب دیا۔

"کدر ہے وہ شیطان۔" شیطان اچک کر چڑھا اور درخت کی چوٹی پر جا پہنچا۔

"بابا جی! وہ تو صرف ہمارے کہنے پر۔۔۔" فاطمہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"ٹھیک ہے تیری۔ ٹھیک ہے۔۔۔" بابا نے جھک کر ٹھنڈے پانی کا چلو بھرا اور چھپاک سے منہ پر مار لیا۔ پھر سیدھا ہوا۔

"پر یہ آج کی بات تھوڑی ہے۔ کھانے کو بھلے توڑے۔ پر یہ تو توڑ توڑ کر ڈھیر لگا کر وہیں چھوڑ جاتا ہے۔ آدھا کھیت اس باندر نے ویران کر دیا ہے۔"

"باندر کس کو کہا ہے۔" وہ درخت پر تڑپ اٹھا۔

"جو درخت پر چڑھا ہے۔ نیچے آ اور ذرا حساب دے۔ جرمانہ پڑ گیا ہے۔ اک اک پائی تیرے باپ سے وصولوں گا۔" بابا نے چہرہ اٹھا کر اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

"بابا! اتنے روپے کیا کرنے ہیں۔ قبر میں تمہارے پاؤں ہیں۔"

چھ سالہ زبیر کے منہ سے یہ جملہ سن کر فاطمہ کا منہ کھل گیا۔

"ہاں۔ زردے کی دیگیں چڑھاؤں گا۔"

"زبیر۔۔۔" فاطمہ نے تنبیہی انداز میں پکارا۔

"سچی بابا۔ تمہارے قل شان دار کراؤں گا۔"

"زبیر! میں تمہیں مار بیٹھوں گی۔" فاطمہ نے دھمکی دی، مگر اس کی سنتا کون؟ گاؤں میں بچوں اور بوڑھوں کی نوک جھوک عام سی روٹین تھی۔ بلکہ اس سے حظ اٹھایا جاتا۔ بابا لال دین بھی چند منٹ کی جملے بازی کے بعد دھمکیاں دیتا چلا گیا۔ مسرت نے خربوزہ اٹھا کر کاٹنا شروع کر دیا۔

زبیر اپنا حصہ لے کر دوبارہ اوپر غائب ہو گیا۔

"تم میرے لیے رسالے نہیں لائیں؟" مسرت نے پوچھا۔

"لائی ہوں۔۔۔ لیکن یاد ہے پچھلی دفعہ خالہ نے میری کیسی پذیرائی کی تھی۔"

"میں شام کو آکر خود ہی لے جاؤں گی۔"

"تم نے سوٹ کا کیا کیا۔۔۔" فاطمہ نے پوچھا۔

"کرنا کیا تھا، سنبھال کر رکھ لیا ہے۔" وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"دوپٹے کے ساتھ میچ کر کے شلوار کا کپڑا لے لینا۔" فاطمہ نے مشورہ دیا۔

"آگ نہ لگا دوں اس سوٹ کو۔۔۔" اس کا دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔

"فاطمہ۔۔۔!" اس نے تھوڑی دیر کے بعد پکارا۔ "شہر ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے ڈراموں اور رسالوں میں۔۔۔"

"کم و بیش۔۔۔" فاطمہ نے جھک کر دوسرا خربوزہ اٹھا لیا۔

"حق ہا۔۔۔ ہماری بھی کوئی زندگی ہے۔"

"کیوں، ہماری زندگی کو کیا ہوا؟" فاطمہ نے اس کے ہاتھ سے چھری لی۔

"شہر کی لڑکیوں کی کتنی موج ہے۔ اپنی پسند سے رہتی ہیں۔ پسند کا پہنتی، پسند کا کھاتی ہیں، ہمارے ہاں کیا ہے پابندیاں ہی پابندیاں۔۔۔"

"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ہر جگہ کی اپنی ویلیوز ہوتی ہیں۔ اب شہر کی لڑکیاں ہماری طرح ٹھنڈے پانی میں پاؤں لٹکا کر کھیتوں سے خربوزے چرا کر تو نہیں کھا سکتیں۔" فاطمہ ہر چیز کا مثبت پہلو دیکھنے کی عادی تھی۔ شاید اس لیے کہ اسے ساری معقول اور فطری آزادیاں حاصل تھیں۔

"ایویں بس، سرخ کپڑے پہن کر باپ کے سامنے مت جاؤ۔ چوڑی دار پائجامہ پہننا جرم ہے۔ کنواری لڑکی چوڑیاں پہن لے تو قیامت، ٹی وی دیکھو تو فتوے جاری، میں تو گوڈے گوڈے اکتا گئی ہوں۔"

مسرت اپنے دکھڑے رونے کے ساتھ ساتھ آدھا خربوزہ کھا گئی۔

"رہنا تو ادھر ہی ہے بی بی۔"

"خاک۔۔۔"

"مطلب۔" اس کے پاؤں سے کیری آ ٹکرائی۔

"تم گاؤں میں شادی کروا لوگی؟" مسرت نے اچانک ہی سوال کیا تھا۔

"ایں۔۔۔ شادی کہاں سے آگئی؟" اس نے کیری واپس چھوڑ دی۔ اور سیدھی ہو کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"بتاؤ نا۔۔۔"

"مجھے کیا معلوم، اللہ تعالیٰ نے میرا نصیب کہاں لکھا ہے۔ گاؤں میں ہوا تو گاؤں میں کروا لیں گے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"میں نے نہیں کروانی۔ میں تو شادی شہر میں ہی کرواؤں گی، گاؤں کے بکھیڑوں سے جان چھوٹے گی۔"

"ایں۔۔۔ تو تمہارے لیے شہر سے رشتہ کہاں سے آئے گا؟" فاطمہ حیران ہوئی۔
"جہاں سے مرضی آئے۔ پر شادی میں نے شہر میں ہی کروانی ہے۔" وہ مصمم ارادہ سے بولی۔
"وہ تو ٹھیک ہے پر تمہیں کیا لگتا ہے۔ شہر جا کر تمہیں خربوزے کھانے کو نہیں ملیں گے۔" فاطمہ نے جل کر کہا کہ وہ سارا خربوزہ اکیلے ہی کھا گئی تھی۔
"بابا لال دین کے کھیت کے تو نہیں ہوں گے۔" مسرت ڈھٹائی سے بولی۔
"اچھا اگر۔۔۔"
"دھڑام سے کوئی چیز پانی میں کودی۔ پانی یوں اچھلا کہ وہ دونوں شرابور ہو گئیں۔ مسرت کے ہاتھ سے خربوزہ چھوٹا فاطمہ کی چیخ نکلی۔
پانی میں پڑا زبیر ہکا بکا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید درخت پر ہی سو گیا تھا۔

□□□□

وہ بڑے انہماک سے ڈرامہ دیکھنے میں مصروف تھی۔
ڈرامے کی ہیروئن دونوں کلائیوں میں بھر بھر سوٹ کے ہم رنگ چوڑیاں پہنتی۔ مسرت کلس کر رہ جاتی۔
"حق۔۔۔ ہا۔۔۔ کیا موج ہے شہر کی کڑیوں کی۔"
"مسرت۔۔۔ مسرت بانو۔۔۔" اماں کی کڑک دار آواز بھی سنائی نہ دی۔
رات کو ٹی وی بیٹھک میں ہوتا' ابا اور دادا کی محفل دیر تک چلتی۔ مسرت ڈرامہ صبح کو دیکھا کرتی۔ جب وہ ری ٹیلی کاسٹ ہوتا۔ جتنی دیر وہ ڈرامہ دیکھتی' اماں کو رہ رہ کر کوئی نہ کوئی کام یاد آتا رہتا' وہ بھی ایک ڈھیٹ تھی۔ مجال ہے کہ ڈرامہ ختم ہونے سے قبل وہاں سے اٹھ جائے۔ جس پر اماں کا پارہ اور چڑھتا۔
"وہ صبح اس بھینس کو کہا تھا مرغیاں کھول' اب بھوکی پیاسی دھوپ میں مری پڑی ہیں۔ اگر میں نہ دیکھتی تو۔۔۔ میں کہتی ہوں۔ اس ٹی وی کو اپنے ساتھ قبر میں رکھوا لے۔ وہاں گزارہ کیسے ہو گا۔ ماں جتنی مرضی بکواس کرتی رہے۔ بیگم صاحبہ نے اٹھ کر باہر نہیں آنا۔ باپ سے کہنا۔۔۔ جہیز میں اور کچھ دے چاہے نہ دے۔ نوکرانی اور ٹی وی ضرور دے دے۔"
مسرت بانو تن فن کرتی کمرے سے برآمد ہوئی۔
"اماں! کیا ہے سارا کام تو کر چکی۔ تم تو ایک ڈرامہ بھی نہیں دیکھنے دیتیں۔ ایسی ہوتی ہیں مائیں۔۔۔!"
"نہیں۔۔۔ ٹی وی سے نکال لے' جو ماں تجھے پسند ہے۔" مرغیوں کا ڈربہ صاف کرتی اماں نے تلملا کر جواب دیا۔ گرمی سے بوکھلائی مرغیاں پورے صحن میں پھیلی کٹکٹا رہی تھیں۔
"اماں! میرے بھی کچھ خواب' کچھ خواہشیں ہیں۔ میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں اپنی مرضی سے۔"
نجانے کون سے ڈرامے کے ڈائیلاگ تھے جو وہ بولنے جا رہی تھی۔ اماں کو تو آگ ہی لگ گئی۔ وہ تیورا کر پلٹیں' ٹھٹکیں' پھر ان کے منہ سے چیخ نما آواز نکلی۔

"اللہ کی مار تجھ پر منحوس' یہ چڑیلوں کی طرح بال کیوں کھولے ہیں۔"
"توبہ اماں! تم تو دہلا دیتی ہو۔ بال ہی کھولے ہیں۔ کوئی تمہاری بھوری بھینس تو نہیں کھول دی۔"
"اوئے اوئے۔ دیکھو باجی مسرت نے چڑیلوں کی طرح بال کھولے ہیں۔"
زبیر جو اس وقت ڈرامہ دیکھنے آیا تھا۔ اماں کا جملہ سن چکا تھا۔
"ٹھہر جا تو۔۔۔ تیرے گوڈے گٹے ابھی توڑتی ہوں۔" مسرت اسی پر الٹ پڑی۔
وہ بھاگ کر دروازے میں جا رکا۔
"ہیروئن بنتی ہے اپنے آپ میں۔۔۔ بتاؤں اماں کو۔۔۔ تم اور باجی فاطمہ کیا باتیں کرتی ہو؟"
مسرت نے پاؤں سے جوتی اتار' اسے کھینچ ماری۔ وہ دروازے سے ٹکرا کر نیچے گر گئی کہ وہ تو دروازہ عبور کر ہی چکا تھا۔ وہ پلٹی تو اماں ابھی تک غیظ و غضب کے عالم میں اسے گھور رہی تھیں۔
مسرت نے شرافت سے اپنے بال سمیٹے' دل ہی دل میں آہ بھری۔
"ہائے شہر دیاں کڑیاں۔"

□□□□

دھلے دھلائے چمچماتے برتنوں پر اس نے باریک جالی ڈالی' گھڑوں میں تازہ پانی بھرا۔ آٹا گوندھ کر رکھا کہ دس بجے کے قریب تنور پر روٹی ڈالنی تھی۔ سب کاموں سے مطمئن ہو کر اس نے نہا کر فیروزی سوٹ پہنا جس کی آستینیں بھی پوری تھیں اور شلوار بھی مناسب' اماں کے آنے تک وہ خوب اپنا جائزہ لے کر بالوں میں جی بھر کر کنگھی کر چکی تھی۔
باہر جنت بی بی کی آواز آئی تو وہ تیزی سے باہر نکلی۔ وہ تندور کے پاس بالن رکھ رہی تھیں۔
"اماں! میں روٹی لگاؤں؟" مسرت نے شرافت سے پوچھا۔
"میں لگاتی ہوں۔ تو بالن پکڑا۔" انہوں نے کہا تو مسرت نے شکر کیا کہ تندور پر روٹی لگانے سے اس کی جان جاتی تھی۔ جنت بی بی تندور گرم کرنے لگیں۔ وہ پاس کھڑی انہیں لکڑیاں تھما رہی تھی جب دروازے سے کسی کی آواز آئی۔
"ساجد علی!"
"کون ہے؟" جنت بی بی نے وہیں سے آواز لگائی۔
"اماں! چاچا بشیر ہے۔" مسرت نے آہستگی سے بتایا۔
"یہ لسوڑا کدھر سے آ گیا۔" جنت بی بی بدبدائیں۔ بشیر' ساجد علی کا چاچا تھا۔ انتہائی لیچڑ انسان۔ جس جگہ ڈیرا ڈال لیتا' وہاں سے ہلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اس کے اپنے بہو بیٹے اس کی اس عادت سے نالاں تھے کہ اس طرح ان کی خدمت گزاری پر حرف آتا تھا کہ شاید وہ لوگ خیال نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے گھر سے بھاگ آتا ہے حالانکہ اسے صرف مہمان نوازی کا چسکہ تھا۔

"لنگ آچاچا۔" جنت بی بی کے انداز میں بے زاری تھی۔ چاچا لاٹھی ٹیکتا۔ تہمد سنبھالتا اندر چلا آیا۔

"کی حال اے کڑیے؟"

"شکر ہے چاچا۔ ساجد علی تو گھر پر نہیں ہے۔" اماں اسے ٹرخانے کے چکروں میں تھیں۔

"اچھا میں دوبارہ آجاؤں گا۔"

"نہیں، نہیں چاچا! ابا آتے ہی ہوں گے۔" مسرت نے بھاگ کر چارپائی بچھائی۔ تکیہ نکال کر رکھا۔ شربت بنا کر لے آئی۔ جنت بی بی جز بز ہوتی رہیں۔ بڈھا ایک بار بیٹھ گیا تو سمجھو ہفتے بھر کے لیے یہیں جم گیا۔ ادھر مسرت تھی کہ اماں کے اگلے پچھلے شکوے دور کرنے کے لیے بابا کے آگے پیچھے پھر رہی تھی۔ وہ شربت پی کر اٹھنے لگا تو پھر سے پکڑ کر بٹھا لیا۔

"چاچا! اماں بینی روٹی لگا رہی ہے۔ کھا کر جانا۔"

"تندور والی بینی روٹی اور ٹماٹر کی چٹنی۔" بابا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اب کے اس نے لاٹھی ایک طرف رکھی اور تہمد سمیٹ کر چارپائی پر چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔

"میں ابھی ٹماٹر کی چٹنی بنا کر لاتی ہوں۔" وہ جلدی سے باورچی خانہ میں گھس گئی۔

"اور میں تیری چٹنی بناؤں گی شام ویلے۔" جنتے بی بی نے دانت پیس پیس کر کہا۔ انہیں ساجد علی سے بھی ڈر لگ رہا تھا۔ جو تمام تر مروت کے باوجود اس بابے کو زیادہ دیر گھر میں برداشت نہ کرتا تھا جس نے ساری جوانی بداعتدالیوں میں گزاری اور بڑھاپے میں بھی خوار ہو رہا تھا۔ جس کو فحش لطیفے گاؤں کے نوجوان لڑکے مزے لے لے کر سنتے۔ باہر اماں کلس رہی تھیں۔ اندر وہ بڑی محنت سے ٹماٹر اور ہری مرچوں کی چٹنی بنا رہی تھی پھر پورے پروٹوکول کے ساتھ بابے کو کھانا بھی کھلایا گیا۔ ایک دو بار سوچا بھی۔

"پتا نہیں اماں! اتنا کیوں گھور رہی ہے۔ شاید مہمان نوازی میں کمی رہ گئی۔" سو بابے کو چائے بھی بنا کر پلا دی۔

"تو اللہ بھلا کرے کہ بابے کا لڑکا ڈھونڈتا ہوا آگیا کہ فوتگی ہو گئی ہے۔ بابے کو لے کر بورے والا جانا ہے۔ بابے کے جاتے ہی اماں نے روٹی سینکنے والا چمٹا اٹھا لیا۔ وہ پورے صحن میں بریک ڈانس کرتی اپنا قصور بھی نہ پوچھ سکی۔

□□□□

مغرب سے ذرا پہلے جب نیلے آسمان پر پرندوں کی واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ جنت بی بی اپنے معمول کے کام سمیٹنے میں مصروف تھیں۔ جب زینب ہاتھ میں پلیٹ پکڑے چلی آئیں۔ جو کروشیے کے بنے سفید رومال سے ڈھکی ہوئی تھی۔

"آؤ۔ آپا۔" جنت نے ہاتھ میں پکڑا بالن ایک طرف پھینک دیا۔

"کھیر بنائی تھی۔ میں نے کہا۔ ستی کے لیے لے جاؤں۔ شوق سے کھاتی ہے۔" زینب کے لہجے میں

اکلوتی بھانجی کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ دونوں صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ جنت نے ان کے ہاتھ سے پلیٹ تھام لی تھی۔

"ہاں۔۔۔! اس کے نخرے اٹھا اٹھا کر اور بگاڑ۔۔۔" جنت بیٹی کی حرکتوں سے بے زار تھیں۔

"بگڑی کہاں ہے۔ ایسی تو سعادت مند دھی ہے۔ خوامخواہ نہ اس کے خلاف بولا کر۔۔۔ ہے کہاں؟"

"بالکل ماسی! ذرا پوچھو نا اماں سے۔ کیوں ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ میں جتنا اس کی باتوں پر عمل کرتی ہوں۔ یہ اتنا ہی مجھے ڈانٹتی رہتی ہے۔" مسرت تیزی سے باہر نکلی۔ اس تیزی میں سلام کرنا بھی بھول گئی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں تو۔۔۔ تو میری ہر بات پر عمل کرتی ہے۔ ایسی میری کہنے کار ہے ناں۔" اماں نے چمک کر کہا۔

"ماسی! انصاف کرو۔ اماں کہتی تھی میں مہمان داری نہیں کر سکتی کل جب۔۔۔"

"ہاں اور اسے مہمان داری کے لیے ملا وہ بڈھا بد معاش۔ جسے کوئی گھر گھسانا پسند نہ کرے۔ بینی روٹی کھلا رہی ہے۔ چائے بنا رہی ہے۔ ٹماٹروں کی چٹنی گھوٹ رہی ہے۔ کبھی باپ کے لیے تو نہ گھوٹی۔" جنت نے چمک کر اس کی بات کاٹی اور نقل اتار اتار کر قصہ سنایا۔ مسرت روہانسی ہو گئی۔ جب کہ زینب ہنس ہنس کر دہری ہو رہی تھیں۔ پھر کھینچ کر اسے پاس بٹھا لیا۔

"رہنے دے جنت! بڑی معصوم دھی ہے۔"

"تیری ہی سر چڑھائی ہوئی ہے۔ کل کو اگلے گھر جائے گی تو۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"ستی لے۔ تیرے لیے کھیر لائی ہوں۔ چل اندر جا کے کھا لے۔" زینب نے اسے ٹالا۔ وہ پلیٹ پکڑ کر اندر چلی گئی۔ تب زینب نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہر کسی کے سامنے بیٹی کی بد خوئی نہ کیا کر۔ لوگ کہتے ہیں جب ماں کہہ رہی ہے تو بیٹی میں یہ سارے عیب ہوں گے۔ لوگ تو اپنی پھوہڑ دھی کو بھی سجاک (سلیقہ شعار) بنا کر بتاتے ہیں کہ رشتے اچھے آئیں اور تو جہاں بیٹھی ہو، وہیں شروع ہو جاتی ہے۔"

"اسی کے لیے پریشان ہوتی ہوں۔ گھر داری کا ذرا شوق نہیں۔ بس فیشن اور ٹی وی، سارا بگاڑ اس ڈبے کا ہے۔ اسی نے مت مار دی ہے۔" وہ فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

"سارے کام جانتی ہے۔ سر پر پڑے گی تو ذمہ داری بھی آجائے گی۔ مت فکر کر۔" زینب نے لاپروائی سے کہا۔

"تو نے بھی بیٹیاں بیاہی ہیں آپا! کبھی کبھی سر پر بڑی ماڑی پڑتی ہے۔ اس کے نصیب سے ڈرتی ہوں۔ پتا نہیں کیسے لوگوں کے ساتھ نصیبا جڑے۔ اگلے تو اچھے اچھوں کو پاگل بنا دیتے ہیں۔ فریدہ کا حال نہیں دیکھا تیری کیسی عقلوں والی دھی تھی۔"

جنت کے آہ بھر کر کہنے سے زینب کے چہرے پر یاس کے سائے بکھر گئے۔ ان کی سب سے بڑی بیٹی سسرال میں کیسے تنگی کے دن کاٹ رہی تھی۔

"اللہ وارث ہے۔" انہوں نے سر جھٹک کر خود کو تلخ سوچوں سے آزاد کیا۔

"اسی لیے تو دعا کرتی ہوں اللہ میری بیٹی کے نصیب کہیں اچھے لوگوں میں کھول دے۔"

یہ کہتے ہوئے جنت نے چور نظروں سے بڑی بہن کو دیکھا۔ خیالوں میں اپنا بھانجا شفیق آگیا۔ کیسی عجیب بات تھی۔ اس ماں جائی سے دل کی ساری باتیں کہہ لیتی تھیں۔ یہ ایک خواہش بیان کرتے ہوئے زبان پر تالے پڑ جاتے تھے۔ کیسے اپنے منہ سے کہہ دیتیں کہ وہ اپنی بیٹی دینا چاہتی ہیں۔ زینب بھی چپ سی ہو گئیں۔

"اللہ بھلا کرے گا۔ اب چلتی ہوں۔ ابھی روٹی بھی ڈالنی ہے۔"

"کب تک ہڈیاں گھسائے گی۔ اب نوں لے آ۔۔۔ آپا۔" جنت نے ہلکے پھلکے لہجے میں اک سرسری سی کوشش کی۔

"جب نوں آئے گی۔ تب دیکھا جائے گا۔" وہ ایک بار پھر ٹال گئیں۔

جنت ہلکی سی سانس بھر کر رہ گئیں۔

□□□□

اج میلہ ویکھن آئیاں کڑیاں لوریاں۔

وہ ہولے ہولے گنگناتے ہوئے اباجی کے کپڑے دھو رہی تھی۔ یہ ساجد علی کے کام والے کپڑے تھے۔ جو وہ کھیتوں میں کام کرتے ہوئے پہنتے تھے۔ اس لیے خوب ہی میلے تھے۔ وہ برش سے رگڑ رگڑ کر کف 'کالر' اور پائینچے دھو رہی تھی۔ ساتھ ساتھ لبوں پر نت نئے گیت مچل رہے تھے۔ جنت کئی بار اسے گھور چکی تھیں۔ مگر تو کا یوں نہیں کہ وہ گانوں کے ساتھ ساتھ کام میں مگن تھی۔ تب ہی باہر سے کسی نے اونچی آواز میں پکارا۔

"خالہ۔۔۔!"

بسم اللہ۔۔۔ بسم اللہ۔ میرا بھانجا آیا۔ لنگ آ پتر۔" جنت تڑپ اٹھیں۔ وہ اندر آیا تو مسرت نے لاپروائی سے اوڑھا دوپٹہ اچھی طرح پھیلا لیا۔ ورنہ جنت نے اس کے ٹوٹے کر دینے تھے۔ شفیق اندر آکر خالہ سے ملنے لگا۔ سانولی رنگت' درمیانی قامت' بڑی اور بے حد روشن آنکھیں' سلیقے سے جمے بال' کاٹن کا کریم کلر کا کلف لگا کرتا شلوار' ہاتھ میں سیاہ گلاسز اور بائیک کی چابی۔

"آج خالہ کی یاد کیسے آگئی؟ مسرت! بھاگ کر چارپائی بچھا۔ لسی ٹھنڈی کر۔ تیرا بھائی نصیبوں کے ساتھ خالہ کے گھر کا چکر لگاتا ہے۔"

"خالہ! جلدی ہے۔ تربوز لے کر ساہیوال پہنچنا ہے۔ بس کھڑے کھڑے حال پوچھنے چلا آیا۔"

اس نے اک سرسری نگاہ اٹھتی ہوئی مسرت پر ڈالی۔ یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ اماں نے کل اس سے بات کی تھی۔ تو اس نے الجھ کر جواب دیا۔

"میں نے تو کبھی ستی کے بارے میں ایسا کچھ نہیں سوچا۔"

"نہیں سوچا تو اب سوچ لے۔ باہر کہاں ڈھونڈتی پھروں گی۔ جب گھر میں اتنی خوب صورت لڑکی موجود ہے۔ باہر والی نجانے مجھے سہارے نہ سہارے۔۔۔ تو جا آج خالہ کے گھر' ستی کو ایک بار اس نظر سے دیکھ تو سہی۔۔۔" زینب اکلوتے بیٹے کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ خواہ مسرت ان کی بہن کی بیٹی تھی اور انہیں پسند بھی بہت تھی۔ بس وہ ماں کی خواہش میں چلا آیا۔

مسرت نے چارپائی بچھائی تو وہ بیٹھ گیا۔

"بوتل نکال فریج سے۔۔۔ اگر تو نے نہیں پی۔۔۔" جنت کا اشارہ لیٹر پیک کی طرف تھا۔

مسرت تلملا گئی۔

"اماں بھی ہر کسی کے سامنے بے عزت کرتی ہے۔"

"نہیں' لسی پیوں گا۔" شفیق کی نگاہیں ایک بار پھر مسرت کے آس پاس بھٹکیں۔ وہ ذرا سی جھکی چاٹی سے لسی نکال رہی تھی۔ لسی نکالنے' برف توڑنے' پانی ملانے تک اسے عجیب سا احساس ہوا۔ اٹھتے بیٹھتے کھڑے ہوتے اس نے اپنا دوپٹا کئی بار ٹھیک کیا۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ مسرت کے دیکھنے پر مسکرا دیا۔

مسرت سٹپٹا گئی۔ لسی کا جگ لے کر ذرا سا فاصلہ پاٹنا مشکل ہو گیا۔

"کیا ہو گیا بھائی شفیق کو۔۔۔ پہلے تو ایسے نہ دیکھتا تھا۔"

ٹھیک ہے وہ کم کم آتا تھا۔ زیادہ تر اماں کے ساتھ سلام دعا کر کے چلا جاتا۔ مگر آج۔۔۔ آج تو لگتا تھا۔ اس کی نگاہیں مسرت کے ساتھ ہی چپک گئی ہیں۔ مجال ہے جو ذرا بھی نظروں کا زاویہ بدلا ہو۔ اس نے جلدی سے جگ گلاس پاس رکھا تو پلٹنے سے پہلے ہی شفیق نے آہستگی سے پوچھا۔

"کیسی ہو۔۔۔؟"

"ٹھ۔۔۔ ٹھیک ہوں۔" مختصر جواب دے کر وہ تیزی سے اندر ہو لی۔

"لو۔۔۔ پہلے تو کبھی میرا حال نہیں پوچھا۔" ہتھیلیوں سے پسینہ صاف کرتے ہوئے مسرت نے کئی بار سوچا۔ پھر وہ باہر نہیں نکلی۔ شفیق کچھ دیر بیٹھا۔ پھر چلا گیا۔ وہ بہت دیر تک اک انجانے سے احساس میں گھری رہی۔

✡ ✡ ✡

اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے' بال بنائے۔ دوپٹہ اوڑھتی باہر نکل آئی۔ جہاں ابھی ابھی اماں کے پاس ماسی زینب آکر بیٹھی تھیں۔

"اماں! میں ذرا ویبا کے ہاں ہو آؤں۔"

"کیوں؟" سوال حسب توقع تھا۔

"یونہی۔ تھوڑی دیر میں آجاتی ہوں۔ کام تو سارا ختم ہو گیا۔" مسرت موقع سے فائدہ اٹھانا چاہ رہی

تھی۔ اماں اور ماسی نے تقریباً گھنٹہ بھر باتیں کرنا تھیں۔ وہ سہیلی سے مل آتی۔ اس نے مدد طلب نگاہوں سے ماسی کو دیکھا۔

"جانے دو۔ گھر پر سارا دن کیا کرے۔ اکو اک سہیلی تھی فاطمہ وہ چلی گئی۔ لڑکیوں کی آپس کی باتیں ہوتی ہیں۔" زینب نے فوراً ساتھ دیا۔ دراصل وہ مسرت کو وہاں سے ٹالنا چاہتی تھیں۔

"اکیلی...؟" اماں متذبذب تھیں۔

"یہ سامنے تو گھر ہے۔ جا بچی..." زینب کے کہنے کی دیر تھی۔ وہ بگٹٹ بھاگ لی۔ دیبا کے گھر سی۔ ڈی پر وہ کبھی کبھار فلم دیکھ لیتی تھی۔ وہ بھی اماں سے چوری چوری۔ یہ سلسلہ بھی نیا نیا شروع ہوا تھا۔ ورنہ پہلے تو اس کی دیبا سے ذرا نہ بنتی تھی۔ اب بھی تین گھنٹے کی فلم ڈیڑھ گھنٹے میں دیکھ کر واپس آئی تو ماسی جا چکی تھی۔ اماں چارپائی پر بیٹھی کسی سوچ میں گم تھیں۔

"ماسی چلی گئی؟"

"تو کیا تمہارے انتظار میں بیٹھی رہتی۔" اماں کے الفاظ طنزیہ مگر لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔

"خیر ہو۔ آج ماسی اماں کو کون سی گیدڑ سنگی سنگھا گئی ہے۔"

وہ کچھ حیران سی اندر کی طرف بڑھی۔ تب ہی اماں نے پکار لیا۔

"جی اماں..." وہ مڑی۔

"ادھر پاس تو آ..."

وہ کچھ متعجب سی پاس آئی۔ اماں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ اماں کا رویہ ناقابل فہم سا تھا۔ وہ کچھ لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر پیشانی چوم لی۔

"میں جانتی تھی تو بڑی بخت آور ہے۔"

"خیر ہے اماں... آج مجھ پر اتنے لاڈ۔"

"جا تیل لا کر میرے سر میں لگا۔" انہوں نے کہا تو وہ الجھتی ہوئی تیل کی بوتل اٹھا لائی۔ اچھی طرح مالش کر کے کنگھی کی۔ خیال تو وہ اماں کا رکھتی ہی تھی۔ بس کبھی کبھار اس کے اور اماں کے نظریات آپس میں ٹکرا جاتے۔

"پتا ہے آج تمہاری ماسی کیوں آئی تھی؟" اماں کی آنکھیں بند ہونے لگیں تب انہوں نے چپکے سے پوچھا۔

"ماسی تو روز ہی آتی ہے۔ آج کسی خاص مقصد سے آئی تھی؟"

"ہاں تیرے اور شفیق کے رشتے کی بات کرنے۔"

"کیا کہتی ہو اماں..." مسرت کے حلق میں کچھ پھنس گیا۔ "یہ کس نے کہا ہے؟"

"کہنا کس نے ہے؟ تیری ماسی نے مجھ سے خود کہا ہے کہ مسرت کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو میری ہے۔" اماں بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔ پھر سرگوشی میں گویا ہوئیں۔

"خود شفیق کی بھی خواہش ہے۔" (اچھا تو کل اسی لیے مجھے تاڑ رہا تھا)

"کس سوچ میں گم ہو۔" اماں سمجھیں وہ شرما گئی ہے۔ جبکہ مسرت گم صم سی تھی۔ یہ بہت اچانک تھا۔

"تمہاری ماسی بہت خوش تھی۔ کہنے لگی۔ میری تو دلی خواہش پوری ہوئی ہے۔ بعد میں طریقے سے رشتہ ڈالنے آئے گی۔"

"خواہ مخواہ ہی۔" وہ تنک کر بولی۔ "میں نے اس سے شادی نہیں کرنی۔"

"دماغ ٹھیک ہے تیرا۔" جنت تو بھڑک اٹھیں۔

"بس اماں میں نے کہہ دیا۔"

"تو پھر کس سے کرنی ہے؟"

"اماں! تو اچھی طرح جانتی ہے۔" وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔

"نہیں میں نہیں جانتی۔" وہ نجانے کس سوچ میں ڈوبیں۔

"اماں! مجھے گاؤں میں شادی نہیں کروانی۔"

"کیوں...؟"

"کیونکہ مجھے گاؤں میں نہیں رہنا۔ میں نے اپنی آدھی زندگی اپنی ہر خواہش کو دبا کر گزار دی۔ یہ پہننا' یہ نہیں پہننا' بال ایسے نہیں بنانے' اس کے سامنے نہیں پہننا۔ اس سے بات نہیں کرنی۔ میں ایسے نہیں رہ سکتی۔ میرا بھی دل کرتا ہے۔ میں فیشن کروں۔ اچھے اچھے ڈیزائنوں کے کپڑے پہنوں۔ یہاں دوسرے دن کپڑے بدلو تو کوئی نہ کوئی پوچھ لیتا ہے۔ "خیر ہے مسرت ہر روز جوڑا بدلتی ہے۔" وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔

"مسرت! تجھے یہاں کوئی خوشی نہیں ملی؟"

اماں کو دکھ ہوا۔ وہ بہت لاڈلی تھی۔ انہوں نے جائز حدود کے اندر اس کی ہر خواہش پوری کی تھی۔ اچھے سے اچھا کھانا' اچھے سے اچھا کپڑا' لیکن شاید کوئی کمی رہ گئی تھی۔ یا اس کی خواہشات بڑھ گئی تھیں۔

"کیا کمی ہے شفیق میں؟"

"کوئی بھی نہیں۔ بس میں نے گاؤں میں نہیں رہنا۔"

"ستی...! وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزیں بدل جاتی ہیں۔ آج جو پابندیاں تجھ پر لگی ہیں۔ کل نہیں ہوں گی۔ شوہر کی اجازت سے جو مرضی کرنا۔ شفیق عام مردوں جیسا نہیں ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ مجھے یقین ہے تجھے خوش رکھے گا۔"

"وہ یہاں کا ماحول تو نہیں بدل سکتا۔"

"بیاہی عورت کو بڑی مراعات حاصل ہوتی ہیں۔ کنواری لڑکی کی حیا کچھ اور تقاضا کرتی ہے۔ شادی کے بعد تیری بہت سی خواہشیں پوری ہو جائیں گی۔" خلاف معمول اماں کو غصہ نہیں آ رہا تھا۔ وہ اسے نرمی سے سمجھانا چاہتی تھیں۔ اور یہ نرمی مسرت کو مزید حوصلہ دے رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں نے شادی شہر میں کروانی ہے۔" وہ ڈھٹائی سے گویا ہوئی۔
"شہر سے تیرے لیے رشتہ کہاں سے آئے گا۔" جنت چڑ گئیں۔ نرالی ہی منطق تھی۔
"کہیں سے بھی آئے۔" مسرت پھر ٹھنکی۔
"شہر میں کیا وکھرے لوگ بستے ہیں۔ میرے تیرے جیسے ہی ہیں۔ ضد نہ کر اچھے رشتے یونہی نہیں ملتے۔ بیٹھی رہ جائے گی۔ بوڑھی ہو جائے گی۔" جنت نے ڈرانا چاہا۔
"نیت ہو تو رستہ نکل ہی آتا ہے۔ اماں! تو نیت تو کر۔ شہر میں بے جی ہیں۔ تایا اور چاچا۔۔۔ اتنے سارے لوگ ہیں' ایک رشتہ بھی نہ ملے گا۔" وہ منتوں پر اتر آئی۔ اور جنت کی نرمی یہیں تک تھی۔ جھٹک کر پیچھے ہٹایا۔
"بے شرم' بے حیا' تیری زبان کھینچ لوں گی۔ لو۔ کوئی سنے تو کیا کہے۔ کنواری منہ سے برما نگتی ہے۔"
جنت برسیں تو خوب برسیں۔ مسرت سر جھکا کر سنتی رہی۔
"کہیں دیکھا یا سنا ہے کہ لڑکی یوں منہ پھاڑ کر شادی بیاہ کی باتیں کرے۔ باپ سنے تو وہیں کچھ کھا کر مر جائے۔ ہم بھی تو تھے۔ ماں پیو نے جس کھونٹے سے باندھا' بندھ گئے اور تیری ماسی کی لڑکیاں۔۔۔ کیسی بے زبان گائے جیسی۔ چپ چاپ۔"
"اماں! ہمیں گائے بھینسیں تو نہ سمجھ۔۔۔ اسی لیے تو۔"
"ستی! کان کھول کر میری اک بات سن لے۔ اب تیرے منہ سے اک لفظ نکلا تو زبان کھینچ لوں۔ زینب آئی تو میں نے ہاں کر دینی ہے۔"
"خوامخواہ ہاں کر دینی ہے۔" وہ پاؤں پٹخ کھڑی ہو گئی۔
"اپنے باپ کے سامنے کہنا۔"
"کہہ دوں گی۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اندر بھاگ گئی۔ جنت غصے سے کافی دیر تک بولتی رہیں۔ تب ہی ہمسائی نے اوپر سے جھانکا۔
"خیر تو ہے جنتے۔ دیواروں سے لڑ رہی ہے۔"
جنتے نے ایک دم چپ سادھ لی۔ خوامخواہ دوسروں کو تماشا کیوں دکھاتیں۔
"کچھ نہیں۔ یہ ستی سے کہا تھا کہ مرغیوں کو دانہ پانی ڈال دے۔ بس بھول گئی۔ اتنا دن چڑھ آیا۔ بھوکی پیاسی ہیں۔" اس نے جلدی سے بات بنائی۔
"بس یہ آج کل کی لڑکیاں ہوتی ہی نکمی ہیں۔ اب میری ساجدہ کو دیکھو۔"
بات پلٹ جانے پر جنت نے شکر کا سانس لیا۔

● ● ●

پوری رفتار سے پنکھا چل رہا تھا۔ صحن میں بچھی رنگین چارپائیوں پر سفید کڑھائی والے تکیے رکھے

تھے۔ سرخ اینٹوں پر پانی کے چھڑکاؤ کی وجہ سے مٹی کی خوشبو پکتی ہوئی گندم کی سوندھی مہک میں مدغم ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک چارپائی پر ساجد علی براجمان تھے۔ وہ اپنے چہرے مہرے سے محنتی اور متحمل مزاج شخص دکھائی دیتے تھے۔
تپا ہوا تندور اور اس سے زیادہ تپی' انگارے چباتی جنت بی بی۔
سرعت سے روٹیاں بناتے' لگاتے' مسلسل دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔
"یہ سب تمہاری ڈھیل ہے ستی کے ابا۔۔۔ تمہارا لاڈ ہے۔ جواب سامنے آ رہا ہے۔ کہا بھی تھا' لڑکی ذات ہے۔ مت اتنا سر پر چڑھاؤ۔ پر میری سنتا کون ہے۔ میں پاگل سودائن۔ بس یونہی بولتی رہتی ہوں۔ جہان کی لڑکیاں ہیں۔ میں نے کوئی انوکھی جنی ہے۔ باپ کا رعب ہو تو اس کی مجال ہے۔ یوں سامنے بول جائے۔ اور دکھاؤ گوڈے کے ساتھ لگا کر رنگ برنگے ڈرامے۔ توبہ کوئی سنے تو کیا کہے۔"
"کوئی سنے نہ سنے' تم ضرور سناؤ گی۔" ساجد علی مسکرائے۔ حالانکہ پلے اک لفظ نہ پڑا تھا کہ وہ اتنا بول کیوں رہی ہیں۔ دونوں کا گزارہ اسی لیے ہو گیا کہ وہ خود انتہائی متحمل مزاج اور روشن خیال انسان تھے۔ جنت کی عمر اس آنگن میں جھاڑو دیتے' روٹیاں لگاتے گزری تھی۔ باپ بیٹی کے لاڈ ان کی سمجھ میں نہ آتے۔
"انوکھے باپ ہو' لڑکیوں کے لاڈ کون اٹھاتا ہے۔" وہ اکثر اعتراض کرتیں۔ ساجد علی سمجھانے بیٹھ جاتے۔
"بھلی لوک' ذرا آس پاس نظر دوڑا۔ دنیا بدل رہی ہے۔ میرے تمہارے والا زمانہ کہاں؟ جب لڑکے' لڑکیوں میں فرق کیا جاتا تھا۔ اپنی فاطمہ کو دیکھ' کالج پہنچ گئی۔ شہر پڑھانے لگی ہے۔ کوئی سال جاتے نہیں کہ اپنے گاؤں کی لڑکیاں یونیورسٹی جائیں گی۔"
"تو تم بھی بھیج دو۔" وہ چڑ جاتیں۔
ساجد علی سرد آہ بھر کر رہ جاتے۔ مسرت ان کی اکلوتی اولاد تھی' ذہین تھی' پڑھائی میں بھی اچھی تھی۔ ان کا ارادہ تھا کہ کم از کم اسے گریجویشن ضرور کرائیں گے۔ مگر ان دنوں مسرت کے دادا حیات تھے۔ میٹرک کے بعد جب کالج میں ایڈمیشن کی بات چلی تو انہوں نے اسے زندگی موت کا مسئلہ بنا لیا۔ مجبوراً" ساجد علی کو چپ ہونا پڑا۔ انہوں نے کتنا چاہا کہ مسرت پرائیویٹ ہی پڑھ لے' مگر اسے بھی ضد ہو گئی تھی کہ اگر کالج میں ایڈمیشن نہیں دلانا تو پڑھنا ہی نہیں ہے۔
"ہاں میں ہی دشمن ہوں۔ پر اب جو گل تمہاری دھی رانی کھلانے جا رہی ہے' اسے سن کر ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔" ساری روٹیاں پک گئی تھیں۔ وہ خالی پرات اور روٹیوں سے بھری چنگیر اٹھا کر آئیں اور وہیں قریب ہی پیڑھی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔
"کیوں؟ اب کیا ہوا؟" انہوں نے سکون سے سوال کیا۔ بیوی کی عادت تھی کہ معمولی بات کو بھی خاص بنا کر پیش کرتی۔

"زینب آپا آئی تھی۔ شفیق کے لیے مسرت کا ہاتھ مانگنے۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے۔" ساجد علی کو بہرحال اس بات کی توقع نہ تھی کہ معاملے کا تعلق مسرت کے رشتے سے ہے۔

"تمہاری بیٹی کو یہ خوشی ہضم نہیں ہو رہی۔"

"کیا ہوا؟"

"اسے اعتراض ہے اس رشتے پر۔"

"کیوں؟" انہیں اگر تشویش ہوئی بھی تو اظہار نہیں کیا۔

"تمہاری لاڈلی کہتی ہے گاؤں میں شادی نہیں کروانی۔" جنت نے دھیرے دھیرے ساری بات بتائی۔ بات کے اختتام تک ساجد علی کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ہنسو مت، فکر کرو ساجد علی! آخر شفیق میں برائی کیا ہے۔ چودہ جماعتیں پاس، ساری زمینوں کا اکلوتا وارث، زمینیں بھی وہ جو سونا اگلتی ہیں۔ بس یہی کمی کہ گاؤں میں رہتا ہے تو یہ کیا کمی ہے؟ گاؤں میں انسان نہیں رہتے ہم امریکہ سے آئے ہیں؟" وہ خوب تپ کر بولیں۔

ساجد علی ہنس دیے۔

"اور ہنس ہنس کر شہہ دو۔ شفیق میں کیا کمی ہے؟"

"کوئی نہیں۔ مجھے وہ پسند ہے۔ بہت محنتی اور فرماں بردار لڑکا ہے، باپ کو چارپائی پر بٹھا کر سارا کام سنبھال رکھا ہے۔"

ساجد علی کی بات نے جنت کو سہارا دیا۔

"میری تو شروع سے ہی خواہش تھی، پھر بیٹی نظروں کے سامنے تو رہے گی۔"

"ہاں۔ ہاں! اچھی بات ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر مناسب رشتہ ملے گا بھی نہیں۔ یہ دو قدم کے فاصلے پر تو گھر ہے۔ بس تم پہلے ذرا مسرت کا ذہن تو ماننے دو۔"

"قیامت کو آواز نہ دو۔ دو بول پڑھوانے کی تیاری کرو۔ اینٹھ گئی تو کیا ہوگا۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ شوق کو جتنا دباؤ، اتنا ہی بڑھتا ہے۔ اسے شہر دیکھنے کا شوق ہے۔ یہ شوق پورا کردوں گا۔" انہوں نے آرام سے کہا تو وہ حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگیں۔ پھر جھنجلا کر بولیں۔

"اسے شہر دیکھنے کا شوق نہیں۔ شہر میں بسنے کی ہڑک ہے۔"

"جو ملنا ہے نصیبوں کا ملنا۔ اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا نصیب جہاں ہے وہیں جائے گی۔"

جنت، میاں کی بات سن کر چپ سی ہو گئیں۔

"مسرت۔ مسرت بیٹی!" وہ جو دونوں کی بحث سن کر اندر کمرے میں گھسی بیٹھی تھی، جھجکتے ہوئے باہر آئی۔

"آج کھانا نہیں ملے گا؟" باپ کے چہرے کی شفیق مسکراہٹ دیکھ کر اس کا حوصلہ بندھا تو جلدی جلدی کھانا نکالنے لگی۔

"آج سالن کیا ہے؟"

"بھنڈیاں ہیں ابا جی! چاچے لال دین نے خربوزے بھی بھجوائے ہیں۔ میں نے کاٹ کر ٹھنڈے ہونے کو بھی رکھ دیے۔" اس نے جلدی سے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ بعد میں کھائیں گے۔ اپنی ماں کو بھی روٹی کا پوچھ لے۔"

انہوں نے کن انکھیوں سے بیوی کو دیکھا۔ جو جہاں تھیں وہیں ساکت نجانے کیا سوچنے لگی تھیں۔

"اماں! کھانا دوں؟" مسرت نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"جب پکایا ہے تو کھا بھی خود ہی لوں گی۔" وہ رکھائی سے بولیں۔

ساجد علی نے سنجیدگی سے بیٹی کو دیکھا۔

"گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ نہیں بٹاتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔ سالن بھی میں نے بنایا۔ آٹا گوندھا۔ ابھی دودھ ابالنا، بستر بچھانے۔۔۔"

"ہاں، بس تندور پر روٹیاں نہیں لگتیں مہارانی سے۔" جنت چڑ کر بولیں۔

"اماں! وہ بھی سیکھ لوں گی۔" مسرت نے باپ کے سامنے چاپلوسی دکھانا چاہی۔ ماں نے پرے دھکیل دیا۔

"دفع ہو۔"

وہ خجل سی ہو کر اٹھ گئی۔ غصے اور ناراضی کے اظہار کے لیے کھانا ہی نہیں کھایا۔ ساجد علی خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ کھانا کھا کر باہر چوپال میں چلے گئے۔ جنت بی بی نے سامان سمیٹا۔ مسرت نے خاموشی سے بستر لگا دیے۔ ساجد علی کافی رات گئے لوٹے۔ آج وہ ان کے بستر کے پاس پانی کی بوتل رکھنا بھی بھول گئی تھی۔

"مسرت بیٹی!" وہ ان کی پہلی آواز پر ہی اٹھ گئی۔

"پانی تو پلاؤ۔" وہ کچھ شرمندہ سی ہو کر فریج سے پانی کی بوتل نکال لائی۔ آج سے پہلے باپ کو کبھی پانی مانگنا نہیں پڑا تھا۔ اس نے بہت چھوٹی سی عمر میں جب بوتل اٹھائی بھی نہ جاتی تھی۔ یہ ذمہ داری اپنے سر لے رکھی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" ساجد علی نے کہا تو وہ ان کی پائنتی پر ٹک گئی۔ دل ہی دل میں تھوڑا گھبرائی۔ شاید اب باپ سرزنش کرے۔ جیسی ماں کے سامنے منہ ماری کر لیتی تھی۔ ویسی باپ کے سامنے تو کھل کر بات نہ ہو سکتی تھی۔

"شہر چلو گی؟"

"جی۔" اک غیر متوقع بات پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ وہ مبہم سا مسکرائے۔

"تمہاری ماں بتا رہی تھی، تمہیں شہر دیکھنے کا شوق ہے۔"

"جی۔ جی ابو جی!" وہ حیرت سے نکل کر جوش سے بولی۔ ساتھ ہی چور نظروں سے ماں کی چارپائی کو دیکھا۔ وہ سو رہی تھیں۔ یا سوتی بن گئی تھیں۔ مسرت جان نہ سکی۔

"ہفتے کو میرے ساتھ چلنا۔ بے جی بھی تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھیں کہ مسرت اب کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ ان کی پوتیاں بھی تمہارے جتنی ہوں گی۔ کچھ دن رہ بھی لینا۔"

آخری جملے سے مسرت پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ نہ صرف شہر جائے گی۔ بلکہ کچھ دن رہ بھی سکے گی۔ اس کا تو دیرینہ خواب پورا ہونے جا رہا تھا۔ اس کے نزدیک تو شہر والی کزنز کسی فیری لینڈ میں رہتی تھیں۔ بے جی ساجد علی کی تائی تھیں۔ تایا کی وفات تو عرصہ پہلے ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دو بیٹوں اور ان کی فیملی کے ساتھ رہتی تھیں۔ ساجد علی کا اکثر آنا جانا ہوتا۔ جنت بھی موسمی سوغاتیں بھجواتی رہتی تھیں۔

"تو چلو گی۔" اسے خاموش دیکھ کر ساجد علی نے دوبارہ پوچھا۔

"جی ابو جی۔ ضرور۔ تھینک یو۔" مسرت نے نہال ہو کر ان کا بازو دبایا۔

"ساجد علی بے اختیار ہنس دیے تو خجل سی ہو گئی۔

"لو ڈرامے میں تو ہیروئن باپ سے لپٹ لپٹ کر تھینک یو۔ تھینک یو کہتی ہے، میں نے کہا تو ابو جی کو ہنسی آ گئی۔" حالانکہ ساجد علی کو ہنسی اس کے تھینک یو کہنے پر نہیں بلکہ انداز پر آئی تھی۔

"جاؤ اب سو جاؤ۔" انہوں نے آہستگی سے اس کا سر تھپتھپایا۔ تو وہ اڑتی ہوئی اپنی چارپائی پر چلی گئی۔ نیند کسے آنی تھی اسے تو صبح کا انتظار تھا، تاکہ یہ خوشخبری فاطمہ اور دیبا کو سنا سکے۔

"ساجد علی۔" اس کے جانے کے بعد جنت نے سر اٹھا کر شوہر کو دیکھا۔

"تو فکر نہ کر جنت بی بی! ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مطمئن لہجے میں کہہ کر دوبارہ لیٹ گئے۔ جبکہ جنت کی آنکھوں سے نیند اچاٹ ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح جہاں وہ اڑی پھر رہی تھی۔ وہیں جنت بی بی کا مزاج بے حد برہم تھا۔ مگر وہ چپ تھیں۔ ناشتہ سارا خود ہی بنایا۔ اسے کسی کام کے لیے آواز نہ دی۔ مسرت نے دھونے کے لیے برتن اکٹھے کیے، تو انہوں نے خود ہی دھو ڈالے، جھاڑو اٹھائی تو ہاتھ سے چھین لی اور سارا صحن خود ہی صاف کر دیا۔ مگر منہ سے اک لفظ نہ نکالا۔

"یا اللہ! بول لیں تو دل کی بھڑاس ہی نکل جائے۔" وہ کھسیانی سی ہو کر یونہی ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ مسرت کے ساتھ ساتھ وہ ساجد علی سے بھی ناراض تھیں۔ مگر وہ اطمینان سے ناشتہ کر کے کھیتوں پر چلے گئے۔ مسرت چپکے سے بکس سے وہ کپڑے نکال کر دیکھتی رہی، جو اس نے بڑے چاؤ سے سلوائے تھے۔ مگر

اماں نے پہننے نہیں دیے۔ ان اشیاء کی لسٹ بنائی۔ جو ساتھ لے کر جانا تھیں۔ اسے مشورے کے لیے فاطمہ کے پاس جانا تھا۔ مگر اماں سے اجازت لیتے ہی ڈر لگ رہا تھا۔ جو نل کے پاس میلے کپڑے لے کر دھونے بیٹھ گئی تھیں۔ جنت نے کبھی واشنگ مشین نہیں لگائی تھی۔ جب بھی کپڑے دھونے ہوئے ہاتھ سے دھوتیں۔ اور یہ موقع اسی وقت آتا تھا۔ جب وہ مسرت سے ناراض ہوتیں۔

"اماں! میں فاطمہ کی طرف چلی جاؤں؟" اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی ڈالا۔ اماں کی ناراضی سے زیادہ اسے اس بات کی فکر تھی کہ کہیں وہ اسے شہر جانے سے نہ روک دیں۔ اگرچہ ابو جی کا فیصلہ حرف آخر تھا۔ مگر اماں کسی بھی وقت کچھ بھی کروا سکتی تھیں۔ اس کا مسرت کو یقین تھا۔ اماں خاموشی سے کپڑے سرف میں بھگوتی رہیں۔

"اماں! میں۔۔۔" اس نے ہمت کر کے دوبارہ پوچھا۔

"میری طرف سے جہنم میں جا۔" ان کی چپ ٹوٹی۔ ساتھ ہی کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"اماں! تم تو گوڈے گوڈے ناراض ہو۔"

"تو کیا تجھے ہار پھول پہناؤں۔"

"اچھا اماں! ناراض نہ ہو۔ یہ کپڑے رکھ دو میں آ کر دھو دوں گی۔"

اماں کو منانے کے لیے یہ وقت قطعی نامناسب تھا۔ مگر اس سے یہ غلطی ہو گئی۔ جواباً جنت بی بی نے اسے بے بھاؤ کی سنائیں۔ وہ جو سوچ رہی تھی کہ اماں کے دل کی بھڑاس نکل جائے، بھڑاس کے ساتھ خود ہی رونے لگی۔

"اماں! شہر جانا میرا خواب ہے۔ تم سے میری اتنی سی خوشی برداشت نہیں ہوتی۔"

"ہاں نہیں ہوتی۔ اب جا مر کہیں۔ میری جان چھوڑ۔" جنت بی بی نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ کچھ لمحے سوچتی رہی۔ اس کے آنسوؤں کا اماں پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ سو یہ جذباتی بلیک میلنگ ترک کر کے اس نے چہرہ صاف کیا۔ اور نروٹھے پن سے بولی۔

"ٹھیک ہے اماں! زندگی میں تو نے کبھی میری خوشی کا خیال نہیں کیا۔ میں کسی غیر کے گھر تو نہیں جا رہی۔ وہ میری دادی کا گھر ہے، سگی نہ سہی دور کی سہی۔ آخر ابو جی مجھے خود لے کر جا رہے ہیں۔ کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔ کچھ دن رک کر آ جاؤں گی۔ اور اگر تم بھائی شفیق والی بات سے ناراض ہو تو۔"

"دیکھ ستی! میرا دماغ خراب نہ کر اور جا جہاں جانا ہے۔" جنت بی بی نے ہاتھ روک کر بے حد اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ تو وہ چپ ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ناراضی سے بولی۔

"فاطمہ کی طرف جا رہی ہوں۔"

اماں پیچھے کلستی رہیں۔

گلی میں زبیر اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

"مسرت باجی! گواچی گاں کی طرح کدھر جا رہی ہو؟"

"تمہارے گھر جا رہی ہوں۔"

"اچھا۔" اس نے آستین سے اپنا منہ صاف کیا۔ پھر تو باجی فاطمہ تمہارے لیے بوتل بھی منگوائے گی۔

اس نے کنچے سمیٹ کر جیب میں ڈالے اور ساتھ ہو لیا۔ صحن میں نیم کا خوب پھیلا ہوا درخت تھا۔ جس کے اوپر کوے اور نیچے چارپائی پر فاطمہ کا بڑا بھائی بڑا اداس اداس لیٹا تھا۔

"السلام علیکم بھاجی!"

بھاجی نے سنا نہیں' اپنے خیالوں میں گم رہا۔ فاطمہ کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔

"شکر ہے' تمہیں بھی خیال آیا۔"

"تم خیال آنے ہی نہیں دیتیں۔" وہ مزے سے کہہ کر قریب بیٹھی۔

"مطلب۔" فاطمہ نے اپنی کتابیں سمیٹیں۔ "خیال سے پہلے خود جو موجود ہوتی ہو۔"

"بدتمیز۔" فاطمہ نے کتاب اس کے کندھے پر دے ماری۔

"باجی! ٹھنڈی بوتل لے آؤں۔" کل ہی گھر میں پیپسی کا لیٹر پیک آیا تھا۔ جو کھلنا کسی مہمان کی آمد پر تھا اور زبیر کو اسی مرحلے کا انتظار تھا۔

"یا اللہ۔" فاطمہ نے سر پر ہاتھ مارا۔ "یہ لڑکا کتنا ندیدہ ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے پیپسی کبھی دیکھی ہی نہیں۔ حالانکہ صبح ہی لیٹر پیک نہ کھولنے کے لیے میں نے اسے دس روپے دیے تھے کہ ویسے ہی پی آؤ۔"

"وہ تو صبح پی تھی۔ اب اکیلی اکیلی پیوں گی۔" وہ چمک کر بولا۔

"اچھا بابا' لے آؤ۔" فاطمہ نے اجازت دی۔

"یہ بھائی عباس بڑے اداس بیٹھے ہیں۔"

"بھائی کی فیملی گوانچ گئی ہے۔" زبیر نے جاتے جاتے بتایا تو وہ سوالیہ نظروں سے فاطمہ کو دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا دی۔

"بھابھی میکے گئی ہیں۔"

اس کے بھائی' بھرجائی کی محبت خاصی مثالی تھی۔ حالانکہ شادی کے چار سال بعد بھی ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی۔ مسرت ہنستے ہوئے اس کی کتابیں دیکھنے لگی۔ کتنی خواہش تھی اسے فاطمہ کے ساتھ کالج میں داخلہ لینے کی' مگر۔

"کیا بات ہے' آج بہت خوش نظر آ رہی ہو۔"

"خوش۔ ابھی ابھی اماں کے ساتھ جنگ ہوئی ہے۔" وہ اس کے پاس آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"جس میں جیت یقیناً" تمہاری ہوئی ہوگی۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" مسرت نے چونکنے کی اداکاری کی۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے اپنی منوائی ہے۔"

"بڑی چہرہ شناس ہو۔"

"تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔" فاطمہ ہنس دی۔

"سنو! میں شہر جا رہی ہوں۔ اباجی نے مجھ سے خود کہا ہے۔ بلکہ میں کچھ دن وہاں رہوں گی بھی۔" اس نے بے حد جوش سے فاطمہ کے ہاتھ تھامے۔

"واقعی۔ تایا جی کی طرف رہو گی۔" فاطمہ کو واقعی بہت خوشی ہوئی تھی۔ کچھ دن کے لیے سہی مگر اس کی خواہش تو پوری ہو رہی تھی۔

"اور کہاں رہنا ہے۔ بے جی نے خود اصرار کر کے بلایا ہے۔" اس نے مبالغہ آرائی کی۔

"پہلے تو کبھی خیال نہیں آیا۔"

"اب تو آ گیا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"دل لگ جائے گا؟"

"گوڈے۔۔۔ گوڈے۔۔۔ شہر میں دل لگانے کے لیے تھوڑا کچھ ہے۔"

فاطمہ اس کی جذباتیت پر مسکرا دی' پھر چھیڑنے لگی۔

"کہیں واقعی دل نہ لگا آنا۔"

"لگ جائے تو کیا حرج ہے۔" مسرت فاطمہ کے معنی خیز انداز پر ہنس دی۔

"بتاؤں چاچا جی کو۔ ارادے خطرناک ہیں۔"

"اتنے بھی نہیں ہیں۔ اچھا میرے ساتھ گھر چلو۔ مجھے بتاؤ' میں کیسے کپڑے لے کر جاؤں۔"

"بھئی جیسے مرضی لے جاؤ۔ وہاں کوئی پابندی تھوڑی ہے کہ بس ایسے کپڑے ہی پہننے ہیں۔" اسے ابھی بہت سا پڑھنا تھا۔

"پھر بھی۔" مسرت نے اصرار کیا۔

"اچھا بابا۔۔۔ شام کو آؤں گی۔"

"یہ نہ ہو' میں وہاں پینڈو پینڈو سی لگوں۔" وہ تشویش سے بولی۔

"مسرت! تمہارے اندر یہ کس قسم کا کمپلیکس ہے۔ یہاں اور وہاں کی زندگی میں کچھ زیادہ فرق نہیں رہا۔ ہم بھی وہ ساری سہولیات برت رہے ہیں' جو پہلے صرف شہر والوں تک محدود تھیں۔ ٹی وی' فون' سلنڈر گیس' وہ کوئی علیحدہ زندگی نہیں گزار رہے۔ وہاں بھی لڑکیاں شتر بے مہار نہیں پھرتیں۔ اگر کچھ آزادیاں ہیں تو بہت پابندیاں بھی ہیں۔ اس طرح مت سوچا کرو۔"

فاطمہ نے سمجھانا چاہا تو اس کا منہ بن گیا۔

"ٹی وی' فون آ جانے سے کیا سوچ بھی بدل گئی ہے۔"

"تبدیلی آہستہ آہستہ ہوتی ہے' ایک دم سے کچھ بھی نہیں بدلتا۔ پہلے ہمارے گاؤں میں لوگ لڑکیوں کو تعلیم دلانے کے خیال سے کانوں کو ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ اب لڑکیاں شہر جا کر پڑھ رہی ہیں۔ وسعت خیالی کا مطلب بے مہار آزادی نہیں۔ شعور کا مطلب اپنی اقدار سے منہ موڑنا نہیں۔ ہر جگہ' ہر علاقے

ی اپنی ویلیوز ہوتی ہیں۔ ہمیں انہی کے اندر رہ کر اپنے لیے گنجائش نکالنی ہے۔ اپنی مثبت روایات کے
خلاف جانا تو اپنی ہی تعلیم کی توہین ہے۔"
"ہو گئی تقریر ختم تو بتا دو۔ میں وہاں کیسے کپڑے لے کر جاؤں۔"
"تم کبھی نہیں سدھرو گی۔" فاطمہ اک طویل سانس لے کر رہ گئی۔
"اس کو خود ہی بھائی شفیق سدھارے گا۔" زبیر پیپسی کے دو گلاس لے کر آیا تھا فوراً بولا۔
"شفیق۔ شفیق کا یہاں کیا ذکر؟" فاطمہ چونکی' ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔ خود مسرت
ہکا بکا رہ گئی۔
"تجھے اپنی کتابوں سے فرصت ملے تو دنیا کی خبر ہو۔ باجی مسرت کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ بھائی شفیق کے
ساتھ۔"
مسرت کو تاؤ ہی آ گیا۔ ساتھ ہی اماں پر غصہ بھی کہ اتنی جلدی خبر نشر کر دی۔
"تجھے میں بتاتی ہوں بوچولا کہیں کا۔" مسرت نے جوتے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
"ہاں تو نہیں ہوا۔" وہ چمک کر بولا۔ "شکر ہے تیرا بوجھ تو سر سے اترا۔ اب رہ گئی باجی فاطمہ۔۔۔ اس کا
سبب بھی اللہ بنا دے گا۔"
"ہاں سارے بوجھ تیرے سر ہی تو ہیں۔" مسرت جل کر بولی۔
"میں فکر نیں کرنی تے ہور کنے کرنی آں۔" وہ سینہ تان کر بولا۔
"کولڈ ڈرنک لے لی ہے۔ اب جاؤ۔۔۔ فاطمہ نے قدرے سنجیدگی سے کہا تو وہ بھی شرافت سے کھڑا
ہو گیا۔
"باجی! میں نے تیری شادی پر سو روپیہ لینا ہے۔"
"شفیق کا سٹر والا (شہ بالا) بن جانا۔" مسرت نے جل کر کہا۔ زبیر کو یہ آئیڈیا خاصا پسند آیا۔ اسی لیے
خوش خوش سر ہلاتا چلا گیا۔
"یہ کیا قصہ ہے؟" فاطمہ نے تجسس سے پوچھا۔
"خالہ آئی تھی اپنے لاڈلے کا رشتہ لے کر۔" وہ جل بھن کر بولی۔
"سچ۔"
"اس میں اتنا خوش ہونے والی کون سی بات ہے۔" مسرت کو اس کی خوشی ایک آنکھ نہیں بھائی۔
"پاگل ہو' شفیق بہت اچھا ہے۔"
فاطمہ کی سمجھ میں اس کی بے زاری نہیں آئی۔ شفیق واقعی اتنا اچھا تھا کہ اس کی ماں جس گھر بھی رشتہ
لے کر جاتی' فوراً "ہاں" ہو جاتی۔
"بھلے ہو' پر رہتا تو گاؤں میں ہے اور میں نے گاؤں میں شادی نہیں کروانی۔" مسرت نے آرام سے
کہا۔ فاطمہ نے بے حد افسوس سے اسے دیکھا۔

"تمہارا دماغ بالکل ہی خراب ہے۔ اتنا بچکانہ سوچ کا انداز' میرے لیے تو باعث حیرت ہے۔"
"بیٹھی کرتی رہ اپنی حیرت کا اظہار۔ مگر شام کو ضرور آنا' بہت سے مشورے لینے ہیں۔"
"فائدہ۔ جب کرنی تم نے اپنی ہے۔"
فاطمہ نے طنز کیا۔ جسے وہ پیپسی کے ساتھ ہی پی گئی۔

● ● ●

کھٹ پٹ کی آواز سے اندازہ ہوا کہ اماں اٹھ گئی ہیں۔ ملگجے اندھیرے میں مدھانی کی ہلکی سی گھر گھر
سنائی دے رہی تھی۔ مسرت نے کروٹ بدل کر دیکھا۔ اماں وہیں تھیں۔ وہ کچھ لمحے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ
ابھی تک مسرت سے ناراض تھیں۔ مسرت نے کبھی بھی ان کی ناراضی کی زیادہ پروا نہ کی تھی۔ لیکن آج
اسے جانا تھا تو دل کی عجیب سی حالت تھی۔ وہ انہیں یوں خفا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ اٹھ کر ان کے
قریب چلی آئی۔
"اماں! یونہی ناراض رہو گی۔" جنت بی بی نے بیٹی کی سوئی جاگی صورت دیکھی۔ پھر برف کوٹ کر چائے
میں ڈالی اور دوبارہ سے بٹن دبا دیا۔
"اماں! تم میری بات کیوں نہیں سمجھتی ہو۔"
"سمجھنے کی ضرورت تجھے ہے۔ ستی! جتنا جلدی سمجھ لے اتنا ہی اچھا ہے۔" اماں ٹھنڈے لہجے میں
بولیں۔
"اماں! تو نہیں چاہتی' میں خوش رہوں۔"
"ستی! میں نے دنیا نہیں دیکھی' پر زندگی کو برتا ہے۔ خوشی' محبت اور بھروسہ کرنے والے مرد کا ساتھ
ہے۔ خوشی شہر اور گاؤں میں بٹی ہوئی نہیں۔ خوشی وہ سانجھ ہے۔ جب بیوی اور شوہر زندگی کے سرد و گرم
میں ایک دوسرے کی چھپر چھاؤں بن جاتے ہیں۔ تو بیاہ کر شہر میں چلی جائے۔ تجھے وہ ملے' جو نہ تجھے محبت
دے سکے' نہ اعتبار کر سکے۔ تجھے دل کی رانی کی جگہ گھر کی باندی بنا کر رکھے تو فائدہ ایسے شہر کا۔"
"شہر میں سب برے تو نہیں ہوتے اماں۔" وہ آہستگی سے بولی۔
اماں نے اک سرد آہ بھری۔ مدھانی بند کر کے نکالی' لسی بن چکی تھی۔ مکھن بن چکا تھا۔

"اچھے برے۔۔۔ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ میں ان پڑھ' گھر کی چار دیواری میں رہنے والی عورت کسی کے
بارے میں کیا رائے دوں۔ پر اللہ پاک کی قسم کھاتی ہوں۔ دل کو یقین ہے۔ دنیا کا کوئی مرد تجھے وہ خوشی نہ
دے گا۔ جو تجھے شفیق کے گھر' اس کے ساتھ میں ملے گی۔ تو' تو ناشکری ہے۔ کیسا سچا رشتہ گھر بیٹھے مل
گیا۔ لوگ تو منتیں مانگتے ہیں۔ ایڑیاں رگڑتے ہیں تو بھی ڈھنگ کے بر نہیں ملتے۔ تو' تو نصیبوں والی تھی'
پر ناقدری نکلی۔ اب جا وہاں کے رنگ بھی دیکھ لے۔۔۔ چھ۔۔۔ چھ لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ رشتوں کی آس میں۔۔۔

ٹھیک ہے جا۔ میری باتیں تجھے کہاں اچھی لگتی ہیں۔ پر پچھتائے گی ستی۔۔۔ اسی لیے میرا دل روتا ہے۔"

"اماں! میرے لیے بددعا مت کر۔"

اماں نے سست روی سے مکھن نکالنا شروع کیا اور زیر لب بڑبڑائیں۔

"تو سمجھتی ہی نہیں دعا کیا ہے اور بددعا کیا؟"

مسرت سر جھٹکتے ہوئے اٹھ گئی۔ اسے افسوس تھا کہ وہ اماں کو منا نہ سکی۔ مگر اس افسوس کے لیے اس کے پاس زیادہ وقت نہ تھا کہ اسے تیار ہونا تھا۔

● ● ●

"اباجی! تایا جی کی بیٹیاں کیسی ہیں؟"

ویگن میں بیٹھتے ہی مسرت نے پہلا سوال کیا۔ اس کا بھاری بھرکم بیگ کنڈیکٹر عقب میں رکھ چکا تھا۔ جس میں اس کے آٹھ' دس جوڑے' میچنگ جوتے اور جیولری کے ساتھ نجانے کیا کچھ تھا۔ حسرت تو تھی کہ کچھ جوڑے نئے بھی بنوالے۔ مگر اماں کی وجہ سے دبا گئی۔

"بہت پیاری بچیاں ہیں۔" ساجد علی نے مختصر جواب دیا۔

"بچیاں تو نہیں۔ میرے جتنی ہوں گی۔" اس نے اعتراض کیا۔

"تم سے تو خیر بڑی ہی ہیں۔"

"اور چھوٹے تایا؟"

"ہاں ان کی چھوٹی لڑکیاں تمہاری عمر کی ہوں گی۔"

ویگن جب تک شہر پہنچی' گرمی' پسینے اور حبس نے مل کر ساری تیاری کا ناس مار دیا تھا۔ حواس الگ اڑے اڑے سے تھے' مگر نظروں کے سامنے' نازک نازک' سجی سجائی' پائجامہ اور شارٹ شرٹس میں ملبوس گوری گوری سی لڑکیاں آرہی تھیں' خوشبوؤں سے مہکی مہکی سی۔

"ہائے اللہ! اب ان سے اس طرح ملوں گی۔ گوڈے گوڈے پسینے میں ڈوبی' کوئی ایسی جگہ بھی نہ ہوگی کہ ہاتھ منہ دھو کر دوبارہ سے میک اپ ہی کرلوں۔"

وہ ویگن سے اتر کر ٹیکسی میں جا بیٹھے' اباجی ساتھ تھے۔ ورنہ ذرا سا نقاب کھسکا کر تھوڑی بہت درستگی تو ہو ہی سکتی تھی۔ پرس میں تمام مطلوبہ اشیاء موجود تھیں۔ گنجان آبادی کا علاقہ تھا۔ ایک دوسرے سے گلے ملتے۔ دو' دو' تین' تین منزلہ گھر' پرانا طرز تعمیر' مکانوں کی خستہ حالی' سڑک رو کتی' دودھ' دہی' نان چھولوں کی دکانیں' پھر ٹیکسی اک دو منزلہ گھر کے سامنے جا رکی۔ یہاں قدرے سکون تھا۔ ارد گرد دکانیں بھی نہ تھیں۔ گھر کے سامنے شہتوت کا بڑا سا خوب پھیلا ہوا درخت تھا۔ جس نے گھر کے سامنے کے حصے کو گھنی چھایا بخشی تھی۔ درخت کے نیچے پلاسٹک کی کرسی پر چند خشک پتے گرے ہوئے تھے۔ اباجی نے بیل پر انگلی رکھ دی۔

وہ دھڑ دھڑاتے دل کے ساتھ دروازہ کھلنے کی منتظر تھی۔

☼ ☼ ☼

صحن عبور کر کے برآمدے میں قدم رکھتی صغری بی ٹھٹک کر رکیں۔

عجیب و غریب آوازیں تھیں۔

انہوں نے ہمہ تن گوش ہو کر سننے کی کوشش کی۔

"جیسے کوئی غرانے کی کوشش کر رہا ہو۔۔۔ یا۔۔۔" انہوں نے دوبارہ غور کیا۔ "جیسے کوئی زکام زدہ بلی چھینکیں مار رہی ہو۔"

"نہیں۔۔۔ بلی کے گلے میں چھچھڑا پھنس گیا ہے۔" صغری بی نے خود ہی اپنے خیال کی نفی کی۔ تب ہی نظر کچن کے کھلے دروازے پر پڑی۔

"لو کھلا کچن' بلیاں پھریں یا کتے لوٹیں۔ اس گھر کی لڑکیاں بھی نکمی ہی ہیں' آواز برآمدے میں بچھے پلنگ کے آس پاس سے آرہی تھی۔ اور بہت زور و شور سے۔ متجسس صغری نے جھک کر پلنگ کے نیچے جھانکنا چاہا۔ تب ہی ایک استخوانی ہاتھ نے گردن دبوچ لی۔

"پکڑ لیا۔ تم ہی ہو جو ہر روز۔۔۔ ایں۔۔۔ صغری۔۔۔ تم۔۔۔" اب کے ہاتھ یوں جھٹکا گویا مردہ چھپکلی کو چھو لیا ہو۔ پلنگ پر لیٹا وجود اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"حق ہا بھلا یوں چوروں کی طرح پلنگ کے نیچے کیا جھانک رہی تھیں۔ میں سمجھی' وہ چور ہے' جو ہر روز میرے سرہانے تلے سے پیسے نکال لیتا ہے۔" وہ اک دھان پان سی ستر سالہ خاتون تھیں۔ سر پر برف اور چہرے پر جھریوں کا جال تھا۔ رنگت بے حد سفید' جوان کے پہنے کپڑوں کے ساتھ میچ کر رہی تھی۔

"توبہ بے جی! ویسے تو تم کہتی ہو کہ میں کچھ کھاتی ہی نہیں اور زور ایسا کہ کیا ہی گاما پہلوان میں ہوگا۔"

صغری کی منحنی سی گردن میں بل آگیا تھا۔ جسے وہ دائیں بائیں ہلا ہلا کر نکالنے کی سعی کر رہی تھی۔

"یہ گاما کون ہے؟"

بے جی اب سرہانے کے نیچے سے بٹوا نکال کر ریزگاری گننے میں مصروف تھیں' پہلوان کا لفظ نہ سن سکیں۔

"میرا پھپھڑ۔۔۔" صغری نے جل بھن کر کہا۔

"تو اس میں اتنا غصہ کرنے والی کون سی بات ہے۔" بے جی نے حیرت سے اس کا منہ دیکھا۔ پھر ہمدردی سے پوچھا۔

"کیا تمہاری ان کے ساتھ بنتی نہیں۔ اے ہے۔ یہ وہی تو نہیں جن کے گھر تمہاری بیٹی کا رشتہ۔۔۔"

"جہنم میں گیا میرا پھپھڑ' یعنی کہ گاما۔ میں تو خالہ تمہارے زور اور طاقت کی بات کر رہی تھی۔ تم نجانے کدھر کی کدھر نکل گئی ہو۔"

"ہاں تو کیوں نہ ہو۔" بے جی نے فخر سے اپنا جھریوں زدہ ہاتھ دیکھا۔ "مکھن میں گندھے پراٹھے کھائے ہیں۔ ساری جوانی' نور پیر کے ویلے دودھ بلوتے' کرر ڑ پی ہے۔ (ادھ بلوئی لسی جس میں مکھن شامل ہوتا ہے۔) یہ آج کل کی لڑکیوں کی طرح تھوڑی کہ 'کالی بھجنگ چائے کے ساتھ سوکھا توس نگل لیا۔ سینک نکالی۔ ہوا چلے تو آگے پیچھے جھول جائیں۔ چہرہ جیسے چوسی ہوئی امبیاں' دو کلو چینی کا لفافہ اٹھالیں تو آگے پیچھے جھول جائیں۔ کمر میں چک پڑ جائے۔"

ایسے زریں خیالات کا اظہار وہ بغیر لحاظ کیے اپنی پوتیوں کے سامنے بھی کرتی رہتی تھیں۔ جنہیں سن کر وہ سر پیٹنے کے سوا اور کیا کر سکتی تھیں۔

"نازک جثہاں ہیں جی۔" صغری نے اپنے خیال کا اظہار کیا' تو بے جی نے اسے ٹوکتے ہوئے انتہائی غضب سے دیکھا۔

"جثہاں اور نازک۔۔۔؟ یہ تو بڑھاپے نے رول دیا۔ ورنہ ہم وہ تھے کہ چوکھٹ میں بیٹھتے تو چوکھٹ بھر جاتی۔ پتا چلتا کہ جٹی چلی آرہی ہے۔ دو' دو من کے ٹوکرے اٹھا کر یوں چلتی تھی کہ راہی دو مربے پہلے ہی راستہ چھوڑ جاتے۔"

"کس چیز کے ٹوکرے؟"

"خربوزے اور تربوز کی فصل ہوتی تھی۔ پورے ساہیوال' چیچہ وطنی اور عارف والا تک مشہور تھے۔ خربوزوں میں ایسی مٹھاس' گویا شکر منہ میں گھلی ہو اور تربوز' یہ تمہارے سر کی طرح بڑے بڑے۔"

وہ اپنی ہی جھونک میں کہہ گئیں۔ صغری نے پہلو بدل کر منہ بنالیا۔ اس کا سر دھڑ کی نسبت بڑا تھا۔ منحنی سے وجود پر یہ بڑا سا سر خاصا عجیب لگتا۔

"میں خود اپنی نگرانی میں فصل اتروایا کرتی۔ حق ہا۔۔۔ کیسا سنہری دور تھا۔ عورتیں گیت گاتیں' بچے شوخیاں کرتے۔ ڈھیر کے ڈھیر لگ جاتے۔" انہوں نے اک سرد آہ بھری اور بٹوا واپس تکیے کے نیچے گھسا کر تسبیح نکالی۔

"پھر وہ ڈھیر کیا ہوئے؟" صغری نے افسوس سے پوچھا۔ فی زمانہ یہ حالات ہوتے تو وہ بھی ڈھیر میں سے بڑے بڑے تربوز چھانٹ رہی ہوتی وہ بھی گھر لے جانے کے لیے۔

"سب کے سب بے نتھے بیلوں کی طرح شہوں کا رخ کر بیٹھے۔ زمین ٹھیکے پر چڑھا دی۔ سب اجڑ پجڑ گیا۔" ان کے لہجے میں اداسی سرائیت کر گئی۔

"لالا جی بھی مڑ کر گاؤں نہ گئے؟"

"پہلے جاتے تھے۔ اولاد نے جب تھوڑی زمین بیچی تو دل ہی ٹوٹ گیا۔ باقی زمین ساجد علی کے حوالے کی۔ پھر مڑ کر نہ دیکھا۔ اللہ بھلا کرے ساجد علی کا' اسی کی وجہ سے گاؤں سے کچھ رشتہ قائم ہے۔"

"ساجد علی کون۔"

"میرے دیور کا لڑکا۔۔۔ دیور۔۔۔ دیورانی تو گزر گئے۔ اب وہی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ ٹھیکہ بھی

دے جاتا ہے اور موسم کی ہر سوغات بھی۔ ورنہ اس مہنگائی کے دور میں ہم سفید پوشوں میں اتنی سکت کہاں کہ ٹوکرے بھر بھر پھل کھائیں۔ اللہ اسے اور ترقی دے۔ زمینیں سونا اگلیں۔ اس دوڑ بھاگ کے دور میں بھی ہمیں یاد رکھے ہوئے ہے۔" کچھ لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر بے جی کو یاد آیا۔

"پر تم میرے پلنگ کے نیچے کیا کر رہی تھیں؟"

"میں تو وہ بلی ڈھونڈ رہی تھی جس کے گلے میں چھیچھڑا پھنس گیا تھا۔"

"ہیں۔۔۔ پر آج تو گھر میں گوشت پکا نہیں۔" انہوں نے تعجب سے کچن کے دروازے کی طرف دیکھا۔

"اب یہ میں کیا جانوں۔ میں نے تو آواز سنی تھی۔"

"اچھا!"

"میں تو اس لیے آئی تھی کہ آپ نے بلوایا تھا۔"

"اے۔۔۔ تو کیا آج شام نہ ہونی تھی۔"

"شام میں میلہ لگ جاتا ہے۔ برا نہ ماننا بے جی! تمہاری بہوؤں کے سامنے بات کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔"

بات سچ تھی' سو بے جی چپ رہیں۔ پھر آہستگی سے پوچھنے لگیں۔

"تم سے کہا تھا کوئی ڈھنگ کا۔۔۔"

"بے جی! دس روپے تو دے دیں۔" مانو نے خاصے غلط وقت میں انٹری دی۔ بے جی نے بدمزا ہو کر مانو کی طرف دیکھا' پھر سر تا پا جائزہ لیا۔ وہ درمیانے قد کی دبلی پتلی سی لڑکی تھی' گول چہرہ' صاف رنگت' بڑی بڑی آنکھیں۔ جس میں نو عمری کا بانکپن اور لاپروائی عیاں تھی۔

"یہ تم کس کلاس میں پڑھتی ہو؟"

سوال بے موقع تھا۔ اس لیے وہ کچھ سٹپٹائی۔

"تھرڈ ایئر میں۔"

"تھرڈ۔۔۔ یعنی۔۔۔ تیرہویں کلاس میں۔" انہوں نے انگلیوں پر حساب لگایا۔ پھر دوبارہ اسے گھورا۔

"تمہاری عمر میں میں نے سارے کے سارے بچے پیدا کر لیے تھے۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟" وہ روہانسی ہو گئی۔ تبھی بیل کی تیز آواز گونجی۔ صغری منہ پر دوپٹہ رکھے' ہنسی روکتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

پاؤں میں جوتا نہیں۔ کندھے پر دوپٹہ نہیں۔

صغری نے دروازہ کھول کر آنے والوں کو رستہ دیا۔

"گھر میں ابا نہیں۔ بھائی بھی نہیں۔" مانو نے وضاحت دینا چاہی۔

ڈھائی انچ کی قمیص' ٹانگوں پر منڈھا پائجامہ' آنے والی نے گھبرا کر اپنی ٹانگیں دیکھیں۔ پھر سامنے۔ جہاں بے جی برس رہی تھیں۔

"ایں۔۔۔ یہ تو گھر ہی کا منظر ہے۔"

مسرت نے صحن عبور کرتے ہوئے ہول کر سوچا۔

"میں پوچھتی ہوں' اب تک بچہ بنی رہو گی۔ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ابھی تک چوسنی منہ میں لیے گھومو۔"

"اُفوہ! کہاں ہے چوسنی۔ آپ تو پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔" وہ بدبدائی۔

"پاگل جو ہوں۔ لڑکی اپنے کرتوت ٹھیک کرو۔"

"کیا ہو گیا ہمارے کرتوتوں کو۔ ایک دس روپے ہی مانگے ہیں۔"

"کیا کرنے ہیں؟"

"گول گپے۔۔۔"

"اپنا یہ گول گپے جیسا منہ لے کر فوراً" غائب ہو جاؤ۔" بے جی کو تاؤ آ گیا۔ سارا دن کالج میں الم غلم کھانے کے باوجود گھر میں بھی اس کی توجہ سڑک سے گزرتے پھیری والے پر ہی رہتی۔ وہ پیر پٹختے ہوئے غائب ہو گئی۔ تبھی بے جی کی نظر آنے والے مہمانوں پر پڑی۔

"بسم اللہ۔۔۔ بسم اللہ۔۔۔ ساجد علی آیا ہے۔" وہ فوراً" پذیرائی کو اٹھیں۔

"بیٹھی رہیں۔" وہ سلام کر کے ان کے سامنے جھکے۔ انہوں نے ڈھیروں دعائیں دیں' پھر اشتیاق سے مسرت کو دیکھا' جس نے نقاب کھسکا دیا تھا۔ اور اب چادر کے کونے سے پسینہ خشک کر رہی تھی۔

"یہ مسرت ہے؟"

"جی بے جی! آپ کی پوتی۔"

"ماشاءاللہ۔۔۔ ماشاءاللہ۔۔۔" انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔۔۔ پھر دونوں کو پاس ہی بٹھا لیا۔

"صغری بی! بھاگ کر شربت ہی بنا لو۔"

بے جی نے کہا تو وہ سر ہلاتی کچن میں جا گھسی۔ بے جی ان سے گاؤں کے بارے میں چھوٹے چھوٹے سوال کرتی رہیں۔ شربت پی کر کچھ حواس بحال ہوئے۔

"ساجد علی! میں اپنی بیٹی کو جلدی نہیں بھیجوں گی۔ اب یہ بہت سارے دن ہمارے پاس رہے گی۔ آخر اس کے دادا کا گھر ہے۔"

"کیوں نہیں بے جی! چھوڑنے ہی تو آیا ہوں۔ جب تک مسرت کا دل لگے۔" انہوں نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

"اس کی فکر نہ کرو۔ اپنی بچیوں کے ساتھ خوش رہے گی۔ نہا دھو لو تو کھانا لگواتی ہوں۔۔۔ صغری ذرا سارا بٹی کو اٹھا دے۔۔۔ باقی سب تو مردوں سے شرط لگا کر سوئے ہیں۔ جگائے نہ جاگیں گے۔۔۔ وہ کچھ مہمانوں کے لیے روٹی ٹکر کا بندوبست کرے۔"

بے جی نے کہا تو ساجد علی اطمینان سے اٹھ کر مہمان خانے کی طرف بڑھ گئے۔

"بیٹی! تم اس کمرے میں چلی جاؤ۔۔۔ اندر باتھ روم بھی ہے۔" انہوں نے کہا تو مسرت کھڑی ہو گئی۔ نگاہ بھاری بیگ پر پڑی جو ساجد علی پلنگ کے پاس رکھ گئے تھے۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہیں لے جاؤ۔۔۔ کپڑے بدلنے ہوں گے۔ ان کا تو پسینے سے ناس ہو گیا ہو گا۔"

وہ بیگ گھسیٹ کر مطلوبہ کمرے میں چلی گئی۔ کمرہ دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ بے جی کا ہے۔

"واہ! اٹیچ باتھ۔۔۔" مسرت کو خوشی تھی کہ کسی سے بھی ملنے سے پہلے نہانے کا موقع مل گیا۔۔۔ سفید ٹائلوں سے مزین باتھ روم چھوٹا' مگر خوبصورت تھا۔ ہر چیز موجود۔

"واہ! بے جی کے تو بڑے مزے ہیں۔" اس نے یونہی چیک کرنے کو ایک دو نل کھولنا چاہے کہ اوپر سے پانی کی پھوار برسی اور اسے سر تا پا بھگو گئی۔ وہ یہ دیکھنا بھول گئی کہ اوپر شاور بھی لگا ہے۔ شاور بند کرنے کی کوشش میں سارے نلکے کھل گئے۔ اور وہ کپڑوں سمیت شرابور ہو گئی۔ بمشکل نل بند ہوئے تو ہنسی آنے لگی۔ خوب نہا کر ہلکی پھلکی ہو گئی۔ سب سے اچھا سوٹ نکال کر پہنا۔ اب مسئلہ تو بھیگے کپڑوں کا تھا۔ سوکھے ہوتے تو بیگ میں گھسا لیتی۔ ان میں سے تو پانی ٹپک رہا تھا۔ اس نے غصے سے شاور کو گھورا' کپڑے خوب نچوڑے۔

اک دروازہ دوسری طرف بھی تھا۔ اس نے بے حد آہستگی سے دروازہ کھولا تو باچھیں پھیل گئیں۔ یہ چھوٹا سا صحن تھا۔ پانی کی موٹر' کپڑے سکھانے کے لیے باندھی گئی تاریں' واشنگ مشین اور نجانے کیا کیا الم غلم۔

اس نے جھٹک جھٹک کر کپڑے پھیلائے۔ اطمینان سے مڑ کر دروازہ کھولنا چاہا تو دروازہ بند تھا۔ یقیناً" اندر سے لاک لگ گیا۔

"ہائے اللہ! میں تو گوڈے گوڈے مصیبت میں پھنس گئی۔" وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گئی۔ "اب کیا کروں؟ دروازہ کھٹکھٹاؤں۔"

اس نے مڑ کر دیکھا۔ صحن میں کئی کمروں کی کھڑکیاں تھیں۔ سب کی سب بند۔ اس نے ناک چپکا چپکا کر اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ مگر بے کار' اندر اندھیرے میں کچھ بھی واضح دکھائی نہ دیتا تھا۔ ان سے آگے دو دروازے تھے۔ یقیناً" انہی میں سے کوئی دروازہ سامنے کے حصے میں نکلتا تھا۔

"نجانے کس کا کمرہ ہو؟" دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے وہ سوچنے لگی۔

"اوئے۔۔۔ کون ہے؟" نجانے کس طرف سے للکار آئی۔ وہ جھٹ سے دروازہ کھول کر اندر کود گئی۔ وسیع کمرہ۔۔۔ جس کے دوسری طرف بھی دروازہ تھا۔ بڑے سے بیڈ پر دو وجود محو خواب تھے۔ یہ سب تو دیکھا۔ بس یہی نہ دیکھا کہ قالین پر اک دروازے سے دوسرے تک آڑھی ترچھی' ٹیڑھی میڑھی مخلوق خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ اس نے تو بس سامنے دروازہ دیکھ کر دوڑ لگا دی۔ کسی کا ہاتھ کچلا' کسی کا پاؤں۔۔۔ کسی کی شہ رگ مسلی' تو کسی کے سینے پر مونگ دلتی' وہ دوسرے دروازے تک پہنچی۔

ہائے۔۔۔ میرا پاؤں۔

میرا ہاتھ۔۔۔

"میں... میں..." جس کی شہ رگ پر ایڑی پڑی تھی۔ وہ میں، میں کرتی رہ گئی۔ اس نے جھٹ سے دروازہ کھولا اور دوسری طرف۔

بے جی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عقب میں آہو بکا... دروازہ بند ہوتے ہی دم توڑ گئی۔

"یہ تم گئی تو ادھر تھیں۔ آ ادھر سے رہی ہو؟" انہوں نے تعجب سے پوچھا۔ "ایسا ہی گھر دیکھنے کا شوق تھا بیٹی! تو تھوڑا انتظار کر لیتیں میں کسی کو ساتھ کر دیتی۔"

وہ شرمندہ سی سر جھکا کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"سارا... سارا بیٹی۔" بے جی نے پکارا تو اس نے دوپٹے کے نیچے سے اپنے الجھے بھیگے بال انگلیوں سے سنوارے۔

"ہیلو۔"

مسرت نے سر اٹھا کر دیکھا۔ میک اپ سے مبرا تپتا ہوا چہرہ، یقیناً" وہ کچن سے نکلی تھی... بالوں کو خوب سمیٹ کر بڑا سا بینڈ چڑھا رکھا تھا۔

"یہ سارا ہے، تمہارے تایا نواز کی لڑکی۔"

"السلام علیکم!" مسرت نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا کفگیر مسرت کو تھما دیا۔ اس نے بے خیالی میں پکڑ بھی لیا۔

"کھانے میں کتنی دیر ہے؟" بے جی نے پوچھا۔

"بس تیار ہی ہے۔ روٹیاں بنانے لگی ہوں۔"

وہ جواب دے کر مڑی، ٹھٹک کر اپنے خالی ہاتھ کو دیکھا۔ پھر خجل سی ہو کر مسرت کے ہاتھ سے کفگیر لے لیا اور معذرت کرتی کچن میں جا گھسی۔ آلو گوشت، اور کھیر تو دوپہر کے کھانے میں بنی تھی، ساتھ میں رائتہ اور سلاد اس نے جھٹ پٹ بنا لیا۔ کھانا باپ بیٹی دونوں نے بی جی کے کمرے میں کھایا۔

کھانے کے بعد ساجد علی تو مہمان خانے میں آرام کے لیے چلے گئے۔ مسرت کو بے جی نے سارا کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے اپنے کمرے میں لے جائے۔

"تھوڑا سو لو... شام کو سب سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"آجاؤ..." سارا نے بے تکلفی سے کہا تو وہ اٹھ کر ساتھ ہو لی۔ کچن اور کمرے کے درمیان جو تھوڑی سی جگہ تھی، وہیں سے سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔

"تم پہلی بار آئی ہو... اس سے پہلے کبھی دل نہیں چاہا ہم سے ملنے کو؟"

"آپ لوگ بھی کہاں آتے ہو۔"

"بس یار... مصروفیت..."

"ہاں ہم تو بالکل ویلے ہوتے ہیں۔" مسرت نے دل میں سوچا۔ پھر مسکرائی۔

"بس... اس سے پہلے کبھی ابو جی نے کہا ہی نہیں۔ ورنہ میرا تو بہت دل چاہتا تھا آپ لوگوں سے ملنے کا۔"

"ہاں پچھلی بار چچا آئے تھے تو بتا رہے تھے۔ تمہیں شہر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔" دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئیں۔

"اف... بھلا یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔" مسرت جز بز ہو گئی۔

"ہمیں بھی گاؤں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ بس اتفاق دیکھو کہ اتنا قریبی تعلق ہونے کے باوجود کبھی آنا ہی نہیں ہوا۔" اوپر چھوٹے لیکن بہت سے کمرے تھے۔ سارا ساتھ ساتھ بتاتی گئی۔

"یہ صدف آپی کا کمرہ ہے۔"

"یہ میرا اور نایاب کا... تمہارا بیڈ کرن کے ساتھ لگا دیا ہے۔ وہ مریم اور رمائہ شیئر کرتی ہیں۔" تبھی اک کمرے کے کھلے دروازے سے اک لمبا ڈنڈا نکلا اور سارا کی ناک چھوتا چلا گیا۔

"نایاب۔" سارا چلائی۔

لمبا ڈنڈا کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ جس سے بچنے کی کوشش میں مسرت دیوار سے جا لگی۔ ڈنڈا بھی گویا اسی کے تعاقب میں تھا۔ وہ جس طرف کھسکتی وہ اسی طرف ہو جاتا۔

"نیا کی بچی، خدا تمہیں سمجھے۔" سارا نے دانت پیسے۔

ڈنڈے کے آخری سرے پر جو لڑکی سامنے آئی۔ اسے دیکھ کر مسرت کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ صاف رنگت، مندی مندی سی آنکھیں، سر پر گھنگھریالے بالوں کا گھونسلہ، وہ بھی اتنا گھنا کہ چیل بھی انڈے دے کر خود ہی تلاش کرے۔

فربہی مائل وجود، درمیانی قامت، اس پر چھوٹی قمیص، تنگ پائجامہ، دوپٹہ غائب، یوں لگتا تھا گدبدے سے تکیے پر کھینچ کھانچ کر غلاف چڑھایا گیا ہے۔

"یا اللہ مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک۔"

"کون سے مہمان؟" اس نے پوری آنکھیں کھولیں۔

"مسرت آئی ہے۔" سارا نے اطلاع دی۔

"ہائے..." اس نے ایک ہاتھ سے گھونسلہ بٹھانے کی کوشش کی۔

"میں نایاب ہوں۔"

"ہا... ہا..." اس وقت تم نایاب ہی لگ رہی ہو۔ اہرام مصر سے بھی ایسی چیز نہ برآمد ہوئی ہو گی۔" سارا نے قہقہہ لگایا تو وہ خجل سی ہو گئی۔

"اپنا حلیہ دیکھا ہے۔ کسی باورچن کی اولاد لگ رہی ہو۔"

"اولاد کیا؟ میں تو ہوں ہی باورچن... بارہ میں سے گیارہ گھنٹے تو میرے کچن میں گزرتے ہیں۔" اس نے لاپروائی سے مسرت کو بتایا۔ جو گنگ سی کھڑی تھی۔

"یہ تم اس شکر دوپہر میں ڈنڈے کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟"

"کنگ فو سیکھ رہی ہوں۔"

"جیکی چن کی نئی فلم دیکھی ہے؟"

"ہمارے ایسے نصیب کہاں۔ اسٹور میں جالے بہت ہو گئے تھے۔ سوچا۔۔۔"

"یوں کہو۔۔۔ کوئی ایسا افسانہ پڑھ لیا ہے۔ جس کی ہیروئن بہت سگھڑ ہے۔"

"تم اتنی حواس باختہ کیوں ہو رہی ہو؟" اپنی خجالت مٹانے کو نایاب مسرت کی طرف متوجہ ہوئی۔

"گرمی اور سفر نے تھکا دیا ہے۔ آرام کرے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔" سارا اسے لیے ایک کمرے میں آئی۔ محدود جگہ پر کمرے ہی کمرے گھٹن اور حبس کا احساس پیدا کرتے تھے' لیکن فی الحال اسی سے خاصا متاثر ہوئی کہ ہر کسی کے پاس اپنا الگ کمرہ تو ہے۔

کمرہ خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ ایک طرف سنگل بیڈ' دوسری دیوار کے ساتھ فرش پر فوم بچھا تھا۔ اس پر خوبصورت چادر اور تکیے وغیرہ پڑے تھے۔ درمیان میں جو جگہ بچی تھی' وہاں دیوار کے ساتھ بک ریک تھا۔ سامنے دیوار گیر الماری جو غالباً" کپڑوں وغیرہ کے لیے تھی۔ ریک کے اوپر کالج کی تصاویر' دیوار پر کڑیا کی شکل کا کلاک' اور قدرتی آبشاروں والی تصاویر ٹنگی تھیں۔

"اب کچھ دن تو رکو گی"

"ہوں۔" وہ جو کمرے کا جائزہ لے رہی تھی' چونک کر پلٹی۔

"تم آرام کرو۔ شام میں سب سے ملاقات ہو جائے گی۔" سارا کے جانے کے بعد وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"کہاں گئیں وہ مہکی مہکی' خوشبوؤں میں بسی فیشن ایبل لڑکیاں' ان سے بہتر حلیے میں تو میں اپنے گھر میں پھرتی تھی۔ عجیب ہی لڑکیاں ہیں۔ بولتی کتنا ہیں' ابا جی تو کہتے تھے' بہت پیاری ہیں' خاک۔۔۔ مجھ سے زیادہ تو نہیں' ایک کا قد چھوٹا ہے اور دوسری۔۔۔ بس ٹھیک ہی ہے۔"

سامنے دیوار گیر بڑا سا آئینہ لگا تھا۔ ساتھ میں چھوٹے سے ریک پر ضرورت کی چیزیں۔۔۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا۔ کھلا کھلا شاداب چہرہ' وہ کچھ مطمئن سی ہو کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ جانے سے قبل سارا پنکھا فل رفتار میں چلا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہلکے پھلکے میک اپ میں فریش چہرے کے ساتھ وہ نیچے چلی آئی۔ دو گھنٹے کی نیند نے طبیعت پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ برآمدے میں بے جی بیٹھی تسبیح کر رہی تھیں۔ مسرت کو سمجھ میں نہیں آیا کہ اتنی گرمی میں وہ یہاں کیوں بیٹھی رہتی ہیں۔ اگرچہ برآمدے میں ایئر کولر چل رہا تھا۔

"کیا ہوا نیند نہیں آئی؟"

"سو لیا بے جی۔۔۔" وہ آہستگی سے کہہ کر بیٹھ گئی۔ گھر میں چھایا سناٹا بتا تا تھا ابھی بھی شام کا آغاز نہیں ہوا۔ بے جی اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔

"مزے ہیں شہر والیوں کے' شام ڈھلے تک سوئیں یا دن چڑھے تک' کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

سب سے پہلے سارا ہی اٹھی' شاید وہ نہا کر آئی تھی' اس کے بے حد گھنے' سیاہ لمبے بال کمر سے نیچے تک

جا رہے تھے۔ سب بہنوں میں سے اسی کو بال بڑھانے کا شوق تھا۔ بے جی اس کے بالوں کے لیے دیسی ٹوٹکے بتانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتیں۔ وہ بھی عملدرآمد کرنے میں ذرا تاخیر نہ کرتی۔ ایم ایس سی میتھس کے بعد وہ اوپن یونیورسٹی سے بی ایڈ کر رہی تھی۔ عملاً" سارا گھر اسی کے بل بوتے پر چل رہا تھا۔ متناسب قد و قامت' صاف رنگت والی بے حد ایکٹو لڑکی تھی۔

"اٹھ گئیں مسرت۔۔۔" اس نے بے حد اپنائیت اور شائستگی سے پوچھا۔

"وہ تو کب کی اٹھ گئی۔ مگر یہ مہارانیاں اب اٹھیں گی یا اے۔ سی کے سامنے خراٹے ہی لیتی رہیں گی۔ غضب خدا کا جوان جہان بچیوں کی مائیں یوں منہ کھولے سوتی ہیں گویا سب ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئیں۔ اب تو چھوٹی بھی تھرڈ ایئر میں آ گئی۔"

"تو کیا کریں؟" عالیہ' ان کی چھوٹی بہو نے انٹری دی۔

"ان کو پھانسی چڑھا دیں' یا خود چڑھ جائیں۔ جوان بیٹیوں کی ماؤں کو سونا حرام ہے۔"

مسرت نے سٹپٹا کر اپنی چھوٹی تائی کو دیکھا۔

"اے بی! تم تو میرے منہ نہ لگو۔ اے۔ سی کے سامنے سے یوں اٹھتی ہو۔ گویا انگیٹھی پر بیٹھی تھیں۔"

بے جی نے چڑ کر پہلو بدلا۔

"ماں' بیٹیاں شرط لگا کر سوتی ہیں۔ کسی کو خبر ہے کہ گھر میں مہمان آئے ہیں۔ پر یہاں تو چائے پانی پوچھنے کا رواج بھی گیا۔ الٹا۔۔۔ صغری سے کہہ کر شربت بنوانا پڑا۔"

تب ہی عالیہ کی نگاہ مسرت پر پڑی تو کھسیانی سی ہو گئیں۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ یہ مسرت ہے۔ ماشاءاللہ رنگ روپ بھی خوب ہے اور قد بھی اچھا نکالا ہے۔" وہ اٹھ کر ملی تو انہوں نے بے ساختہ تعریف کی۔

"اب ہمیں کیا خبر تھی کہ مہمانوں کو آج آنا ہے۔ مانو جاگ رہی تھی' اس سے کہا ہوتا۔"

"وہ۔۔۔ تمہاری مانو بی! دس روپے مانگ کر جن کی طرح غائب ہوئی۔ سارا کو جگانا پڑا۔ تب مہمانوں کو کھانا ملا۔"

بے جی نے نروٹھے پن سے کہا۔ گھر میں شام کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ کرن اٹھی' سلام جھاڑا۔ جھومتی جھامتی باتھ روم میں گھس گئی۔ مریم آئی تو بے جی کے پاس ڈھیر ہو گئی۔ وہ اور مائرہ کلاس فیلو تھیں۔ اسے جب تک چائے کا کپ نہ ملتا وہ یہاں سے اٹھ بھی نہ سکتی تھی۔ مسرت سے بھی اسی سوئے جاگے انداز میں ملی۔

"ناصرہ۔۔۔ بہو رانی! اب اٹھ جاؤ کہ روز حشر اپنے نامہ اعمال کے ساتھ اٹھنے کا ارادہ ہے۔" بے جی نے اپنی بہو نمبر ایک کو پکارنا شروع کیا۔

کمرے کا دروازہ ٹھک سے کھلا' اور اس میں سے چھوٹے قد کی فربہی مائل خاتون لڑھکتی ہوئی بوکھلائی سی برآمد ہوئیں۔

"اماں جی! کیا ہو گیا؟"

"اماں جی کو کچھ نہیں ہوا۔ تم نے کیا رات کو پہرہ دینا ہے۔ جو شام ڈھلے تک سو رہی تھیں۔ سارے فساد کی جڑ تو یہ اے۔ سی ہے' جس دن سے آیا ہے۔۔۔"

"دادی جان! سارا غصہ تو یہ ہے کہ اب آپ کو یہاں شفٹ ہونا پڑا ہے۔ کیونکہ اے۔ سی کی ٹھنڈک میں آپ کے سارے جوڑ جڑ جاتے ہیں۔" اونگھتی ہوئی مریم نے وجہ بیان کی اور ساتھ ہی دہائی دی۔

"کوئی پنکھا ہی تیز کردے۔ اف کیسی گرمی ہے۔"

بات سچ ہی تھی۔ پہلے بے جی بھی سب کے ساتھ ہال کمرے میں ہی موجود ہوتی تھیں۔۔۔

اے۔ سی کی وجہ سے اپنے کمرے میں اور وہاں دل گھبراتا تو برآمدے میں شفٹ ہو جاتیں۔

"میں نے ساری دوپہر جاگ کر آپ کے دوپٹے پر کروشیے کی بیل بنائی ہے۔ ابھی گھنٹہ بھر پہلے تو آنکھ لگی تھی۔" ناصرہ نے وضاحت کی۔

"کوئی اس کو بھی نکالے حجرے سے۔ اگر حفظ ہو گیا ہو تو نیچے تشریف لے آئے۔"

بے جی نے کہا تو کسی نے جواب نہ دیا کہ سب کی توجہ سارا کی طرف تھی۔ بلکہ سارا سے زیادہ اس کے ہاتھوں میں موجود ٹرے پر تھی۔ عدیل اور عمیر کے سوا سب ہی چائے کے رسیا تھے۔ چائے کی خوشبو نایاب کو بھی نیچے کھینچ لائی۔ آنکھوں میں سرخی' طبیعت میں کسلمندی! جو ساری دوپہر اوپر کے کمرے میں جہاں کا پنکھا ہوا سے زیادہ پھونکیں مارنے پر اکتفا کرتا تھا۔ وہاں بیٹھ کر شعاع اور خواتین ڈائجسٹ کے مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ گھر میں صرف نایاب اور کرن ہی تھیں۔ جنہیں ڈائجسٹوں کا جنون تھا۔ بلکہ نایاب تو ہیروئن کے کپڑوں کی تفصیل سن کر فوراً" اپنے کپڑے ڈیزائن کرنے لگتی' جس کے نتیجے میں وہ شاہکار تخلیق ہوتے کہ مقدر میں صرف۔ بے جی کی ڈانٹ پھٹکار ہی رہ جاتی تھی۔ بے جی اس کمرے کو نایاب اور کرن کا حجرہ قرار دیتی تھیں۔

"ہائے ایوری باڈی۔"

عدیل مزے سے مسرت کے برابر میں براجمان ہوا' وہ بوکھلائی تو وہ اجنبی صورت دیکھ کر اچھل کر پیچھے ہوا پھر اشاروں سے عمیر سے پوچھنے لگا۔ وہ بھی لاعلم تھا۔ سو کندھے اچکا کر پوچھنے لگا۔

"سنا ہے چچا ساجد تشریف لائے ہیں۔ کیا خالی ہاتھ ہی آگئے؟"

"تو کیا بتاشے ساتھ لاتے۔" عالیہ نے گھورا۔

"کوئی خربوزے کا ٹوکرا۔ کوئی تربوز کی بوری۔۔۔"

"تمہارا سر۔۔۔" سب نے دانت پیس پیس کر اس بری طرح گھورا کہ وہ سٹپٹا کر پوچھنے لگا۔

"کیا ہوا؟"

"کملا پت۔" (پاگل بیٹا) بے جی ہنس دیں۔ پھر مسرت کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

"یہ تمہارے ساجد چچا کی بیٹی ہے۔"

عمر جی بھر کر شرمندہ ہوا' جبکہ عدیل اچھل پڑا۔

"ایں! یہ کہاں سے پیدا ہوئیں۔" اس کے حد درجہ نامعقول سوال پر سارا نے اسے اک دھپ رسید

کی۔

"پہلے یہ بتاؤ یہ دوپہر میں کون بے نتھے بیل کی طرح ہال کمرے میں آگھسا تھا۔ میرا پیر کچل کر رکھ دیا۔" مریم کی حسیات چائے کے ہر گھونٹ کے ساتھ جاگنے لگیں۔

"ہائے۔۔۔ میرا بازو۔"

"اف۔۔۔ میرا گلا۔۔۔"

"وہ بے نتھا بیل' پچھلے صحن میں گھوم رہا تھا۔ میں نے ذرا للکارا تو کمرے میں جا گھسا۔" عدیل کی شرارت بھری آواز پر مسرت کا دل چاہا۔ پلنگ کے نیچے جا گھسے۔ یوں بھی اتنے سارے لوگوں میں وہ پزل سی ہو گئی تھی۔

"ساجد چچا اکثر تمہارا ذکر کرتے تھے۔ پچھلے دنوں آئے تو کہنے لگے۔ مسرت کو شہر دیکھنے کا شوق ہے۔" نجانے کون بولی تھی۔

"اف' ابو جی نے خوب ہی شہرت کرائی ہے۔" مسرت جز بز ہو گئی۔

"حالانکہ شہر میں دیکھنے کو ہے ہی کیا؟" عقب میں کھڑے عدیل نے لقمہ دیا۔ "گاؤں میں البتہ بہت کچھ ہو گا۔ کھیت کھلیان' سرسوں کے پھول' ٹیوب ویل کا ٹھنڈا پانی۔"

"ہونہہ گائے کا گوبر' مکھیاں' مچھر' کچی پکی ٹوٹی پھوٹی سڑکیں۔" مسرت نے جل کر سوچا۔

"سنا ہے گاؤں میں آسمان بہت نیلا ہوتا ہے اور رات کو بے تحاشا ستارے چمکتے ہیں۔"

(آوارہ کتے دیواریں پھلانگ کر آتے ہیں' اگر بدقسمتی سے کوئی برتن باہر رہ جائے تو منہ میں دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔) اس نے پھر سوچا۔

"یار! کبھی بچپن میں ہی گاؤں گئے ہوں گے۔ ان چھٹیوں میں بنائیں پروگرام؟" عدیل نے جوش سے کہا۔

"پہلے اس کو تو شہر دکھا دو۔ پھر بنا لینا پروگرام۔ عمیر! دیکھو تمہارے چچا اٹھ گئے تو انہیں بھی چائے دے آؤ۔" بے جی نے کہا تو اس نے دہائی دی۔

"خالی چائے۔۔۔ کیا کچن میں قحط آپڑا ہے۔"

"آ رہی ہوں ندیدو۔" سارا دوبارہ چلی آئی۔ کباب کے ساتھ املی کی چٹنی' ساتھ میں پاپڑ تھے۔

"آپا۔۔۔ مہمان کے صدقے ہمارے بھی مزے آگئے۔ ورنہ آپ تو صرف پاپڑ پر ہی ٹرخا دیتی تھیں۔" عمیر نے بھول پن سے کہا۔ سب نے اسے بری طرح گھورا تو ڈھٹائی سے بولا۔

"میں کون سا جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"دو کلو قیمہ ہو تب پورے ٹبر کو کباب پورے آتے ہیں۔ گوشت کیا بھاؤ مل رہا ہے۔ پتا بھی ہے۔ میں نے ہی روک رکھا ہے۔ فضول کا خرچہ۔" بے جی نے کہا۔

"میں نے کہا۔۔۔ عدیل نے کچھ کہنا چاہا۔ پھر سب کی طرف دیکھا۔ "ان کا اسم گرامی۔"

"مسرت۔۔۔" نایاب نے بتایا۔

"سونو۔۔۔" مسرت منمنائی۔ شہر آکر نام بدلنے کا ارادہ خاصا پرانا تھا۔
"ایں۔۔۔" سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر کورس میں پوچھا۔ "سنو؟"
"سونو۔۔۔ سب مجھے گھر میں سونو کہتے ہیں۔" مسرت نے کمال دھٹائی سے جھوٹ بولا۔
"ماشاءاللہ۔۔۔ ماشاءاللہ۔۔۔ کیا خوبصورت اسم گرامی ہے۔" عدیل پھڑک اٹھا۔
"سونو! میرے دل کی صدا۔"
"وہ سنو ہے۔" سارا نے اس کے کندھے پر دھپ رسید کی۔ وہ جو املی کی چٹنی میں کباب ڈبونے جا رہا تھا۔ پورے کا پورا کباب پیالی میں دیکھ کر سرد سی آہ بھر کر رہ گیا۔
"یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال کباب ہوتا۔"
"تمیز سے کھاؤ۔"
"وہ کیسے کھاتے ہیں۔" اس نے معصومیت سے کہا، پھر پکارا۔ "سنو۔"
"جی۔۔۔" مسرت بے خیالی میں بول اٹھی۔
نہیں، یہ دوسرے والا سنو ہے۔" آنکھوں میں بلا کی شرارت تھی۔ "سنو! یہ کچھ کباب ہمیں بھی مرحمت فرمادیں۔"
"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" مسرت کو غصہ آگیا۔
"توبہ۔۔۔ توبہ میری اتنی جرات۔" وہ ناک سے لکیریں کھینچنے پر تیار ہو گیا۔
عالیہ نے جل کر چار کباب ایک پلیٹ میں رکھے۔ پھر عمیر کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولی۔
"تم دونوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"
"کہاں؟"
"اپنے کمرے میں۔"
"بس یہی؟" عمیر نے انگلی سے چار کباب گن کر پوچھا۔
تب ہی ساجد علی وہاں آگئے۔ سب نے انہیں کورس میں سلام کیا۔ انہوں نے فرداً فرداً سب کو پیار دیا۔
"بیٹھ جاؤ ساجد بیٹے۔۔۔ چائے لو گے یا ٹھنڈا۔۔۔؟"
"صرف اجازت لوں گا۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔" انہوں نے معذرت کی تو بے جی نے بھی اصرار نہ کیا کہ زیادہ دیر ہو جاتی تو گاؤں جانے والی ویگن نہیں ملنا تھی۔
"اچھا مسرت بانو۔۔۔" ساجد علی ابھی یہیں تک پہنچے تھے کہ کسی کے ہاتھ سے کباب چھوٹا، تو کسی کی چائے چھلک گئی۔ اور مسرت کا جی چاہا ابا کے منہ پر ہاتھ رکھ دے۔ وہ بغیر سر اٹھائے بھی سب کے لبوں پہ مسکراہٹیں دیکھ سکتی تھی۔
"توبہ ہے ابا جی۔۔۔ جب بھی کرواتا گوڈے گوڈے شرمندہ کرواتا۔" وہ منہ ہی منہ میں بدبدائی۔
"کچھ مجھ سے کہا؟" ساجد علی نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں جی، اماں کو میرا سلام کہئے گا۔"
"اچھا۔۔۔ میں اگلے جمعہ کو آؤں گا۔" وہ سب سے مل کر چلے گئے۔
"یہ صدف کہاں ہے۔۔۔؟" بے جی کو خیال آیا کہ پوتیوں میں ایک کم ہے۔
"سہیلی کی شادی میں گئی ہے۔" عالیہ نے بتایا۔
"ہاں، ہمجولیاں ایک ایک کر کے سب کی سب بیاہی گئیں اور یہ ہیں کہ۔۔۔" بے جی بڑبڑائیں۔
"پتا ہے کیسے بیاہی گئیں اور کن کے ساتھ بیاہی گئیں۔" عالیہ چمک کر بولیں۔
"ایسے للو پنجو بہت، لیکن اپنی نازوں پلی بیٹی یونہی کسی کے حوالے ہم سے تو نہیں کی جاتی۔ کسی کی تنخواہ کم، کسی کی شکل، کوئی میٹرک، ایف اے پاس، ہونہہ، یہ تو بیٹیوں کو پھینکنے والی بات ہوئی۔"
"اتنی گرمی میں شادی۔" کرن نے بات کا رخ پھیرنے کی کوشش کی۔ جبکہ بے جی نے شاید مسرت کی وجہ سے عالیہ کے خیالات پر تبصرہ کرنے سے گریز کیا۔
"ہاں لوگوں کو جون جولائی میں بھی چین نہیں۔" عالیہ کے لہجے میں ہلکا سا حسد در آیا۔
"اتنی گرمی میں چائے پی جا سکتی ہے تو شادی بھی کی جا سکتی ہے۔۔۔ اے سارا بیٹی! مجھے تو ایک گلاس سکنجبین بنا دے۔ ہم سے نہیں اتنی گرمی میں کلیجہ جلایا جاتا۔ اس کام کے لیے تمہاری چچی کی باتیں ہی کافی ہیں۔" بے جی نے جل کر کہا۔
"تو ایک گلاس سے کیا ہو گا پورا جگ بنوائیں۔" مائرہ کھلکھلائی تو عالیہ نے بیٹی کو بری طرح گھورا۔ پھر نایاب کو گھر کا جو چپکے چپکے چوتھا کباب اٹھانے جا رہی تھی۔
"ٹھونسے جاؤ گی۔ اٹھ کر اپنے ابو کے کپڑے استری کرو۔"
"چائے تو پینے دیں۔" اس نے بدمزا ہو کر کپ اٹھا لیا۔
"اے بچی! تم کیوں نہیں چائے لے رہیں۔"
"توبہ! چائے پی کر میں نے رنگ کالا کرنا ہے۔"
اس نے دل میں سوچا مگر بولی کچھ نہیں۔
"اچھا، اچھا۔ سارا سکنجبین کا جگ ہی بنا لو۔" بے جی نے آواز دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اف اللہ! یہ لڑکا ہے؟"
اسٹیج پر آتے دولہا کو دیکھ کر صدف چار فٹ اوپر اچھلتی، جو اس کے کندھے پر صبیحہ کا بھاری بھرکم بازو نہ پڑا ہوتا۔
"یہی لڑکا ہے۔" صبیحہ نے کہا اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر زور و شور سے ہنسنے لگی۔ صدف نے اپنی کرسی سمیت ہل کر رہ گئی۔
"ایکسکیوزمی۔" صدف نے بمشکل اسے خود سے دور کیا۔

"فروا کو شادی کے لیے یہی چیز دستیاب ہوئی۔"

"آخر اس کو سوجھی کیا۔"

"وہ بھی کیا کرتی..... شادی کے لیے آج کل یہی دستیاب ہے۔"

"آخر....." لپ اسٹک ٹھیک کرتی فروزاں تنک کر کہنے لگی "وہ اچھے اچھے لڑکے کیا ہوئے۔"

"طاق نسیاں ہو گئے۔" انجم نے آہ بھری۔

"مطلب؟" ساری گردنیں اس کی طرف مڑیں۔

"مطلب۔" وہ ایک پل کر گڑبڑائی۔ "خاندان والے لے اڑے۔"

"اور ہمارے خاندان کے اچھے لڑکے!" مارے غصے کے فروزاں نے اپنی ہیل سے اس کا پاؤں کچل ڈالا۔

"باہر والے لے اڑے۔" مارے تکلیف کے انجم نے چیخ کر جواب دیا۔ نجانے کس کس نے مڑ کر دیکھا۔

"تف ہے ایسے خاندان پر۔"

"تف ہے ایسے لڑکوں پر۔"

"ہاں..... ہاں ایسے لڑکوں پر..... جنہیں ہم جیسی خوبصورت، طرحدار اور اسمارٹ لڑکیاں نظر نہیں آتیں۔" صبیحہ نے آہ بھری۔

سب کے منہ باجماعت کھلے تو وہ گڑبڑا گئی۔ ظاہر ہے اپنے اسی کلو وجود کے ساتھ اگر وہ اسمارٹ تھی تو پھر ڈکشنری میں اسمارٹنس کے معنی بدل دینے چاہیے تھے۔

"یہ خود پر سے تھوڑا گوشت گھٹا لو تو شاید کسی کی نظر کرم ہو ہی جائے..... ورنہ بارہ من کی دھوبن لے جا کر کسی نے مرنا ہے۔" انجم نے ناک چڑھا کر چوٹ کی۔ صبیحہ تڑپ کر سیدھی ہوئی۔

"تم نے تو جم بھی جوائن کیا تھا..... تم پر نظر کرم ہو گئی؟"

"ہاں تو اور کیا!" انجم نے ڈینگ مارنا چاہی۔ صبیحہ نے درمیان ہی سے جملہ اچک لیا۔

"ہاں پھپھو کے دیور کی..... جو پچاس کی دہائی چھو رہے تھے..... ایک بیوی بھی بھگتا چکے تھے۔"

"اچھے خاصے ڈیسنٹ تھے..... بیوی ہی بدمزاج تھی۔" انجم کھسیا کر بولی۔

"تو بینڈ کیوں نہ بجوایا؟"

"بس..... مجھے ہی کچھ پسند نہ آئے۔"

"ہا..... ہا۔"

"زلزلہ آگیا تو بچاری فروا کی شادی رہ جائے گی..... خدا کے لیے ہنسنا بند کرو۔" فروزاں نے منت کی..... تو ادھر ادھر جھولتی صبیحہ سنبھل گئی۔ جبکہ انجم دانت پیستے ہوئے سوچ رہی تھی۔ محلے داری کا یہی نقصان ہے..... ہر بات ہر کسی کے سامنے آجاتی ہے۔

"خیر..... ہمارے خاندان میں تو کوئی ڈھنگ کا پرپوزل ہے ہی نہیں۔" صدف نے ایک ادا سے اپنے

بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"ہونہہ..... ایلیڈی ڈیانا۔" سب صدف کی اس ادا پر جل بھن گئیں۔ کچھ اپنی فریش کٹنگ اور دلکش نقوش کے ساتھ وہ سب میں ینگ اور اسمارٹ لگ رہی تھی۔ وہ سہیلیاں تھیں۔ کولیگز تھیں۔ لیکن اس ایک مقام پر آکر سب میں جلاپا شروع ہو جاتا۔ حالانکہ سب کا ماحول، مسائل، حالات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ مشترک تھا تو یہی کہ شادی کے لیے رائٹ مین دستیاب نہ تھا۔ وہی پڑھی لکھی، برسرروزگار لڑکیوں کا عام سا مسئلہ جس نے اس معاشرے کی بیشتر لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

وہ سب اسٹیج کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ہال میں رنگ و روشنی، خوشبوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ وہ سب اپنے اندر کی ہلکی سی جلن، جو فروا کو اسٹیج پر دلہن بنے دیکھ کر پیدا ہوئی تھی، اس پر قابو پائے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ ابھی چند ماہ قبل فروا بھی ان کے ساتھ بیٹھی انہی کی طرح آہیں بھرتی تھی۔ پھر نجانے یہ کاٹھ کا الو (ان کے خیال میں) کہاں سے دستیاب ہو گیا کہ آج وہ ان کی کیٹگری سے نکل کر سب سے الگ اسٹیج پر ہر کسی کی توجہ کا مرکز بنی بیٹھی تھی۔

"تمہارے رائٹ مین کی کوالیٹیز کیا ہیں؟" انجم نے سب کی طرف دیکھا۔

"اسمارٹ۔"

"بزنس مین۔"

"ہارٹ اسپیشلسٹ۔"

"ہا..... ہا..... ہارٹ پیشنٹ مل سکتا ہے۔"

"شٹ اپ..... تم۔" انجم نے صدف کی طرف اشارہ کیا۔

"ہائیلی ایجوکیٹڈ، گڈ لکنگ، اتنا کماتا ہو کہ میری ہر خواہش پوری ہو سکے۔"

"گاڑی، بنگلہ....."

"سکھیو! کچھ نیچے آؤ..... ایسے آرڈر پر بنے بنائے بندے کہاں سے ملیں گے۔" ناجیہ کی آواز پر سب نے پلٹ کر دیکھا۔

"میٹ مائی بسبنڈ عدیل۔"

اس نے اپنے ساتھ کھڑے معقول سے انسان کی طرف اشارہ کیا..... جو گڈ لکنگ بھی تھا اور شائستہ اطوار بھی رکھتا تھا اور ان سے مل کر حضرات کی طرف بڑھ گیا۔ ان میں سے کوئی بھی ناجیہ کی شادی میں شریک نہ ہو سکا تھا..... لیکن سب ہی نے اسے پسند کیا۔

"ایسا ماسٹر پیس کہاں سے ملا؟" فروزاں نے حسرت سے پوچھا۔

"اپنے خاندان میں موجود تھا۔" وہ ہنستے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"کرتے کیا ہیں.....؟"

"فی الحال ڈھنگ کی جاب نہیں ملی..... میڈیکل ریپ۔" ناجیہ نے مختصر جواب دیا اور اسٹیج کی طرف دیکھنے لگی..... سب نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کوئی بات نہیں۔ کماؤ بیوی ہو تو گزارا ہو ہی جاتا ہے۔"

ناجیہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ اپنی سہیلیوں کے خیالات اچھی طرح جانتی تھی۔ چند ماہ پہلے تک خود اس کے بھی یہی خیالات تھے۔ پھر اپنی شادی شدہ بہنوں کو دیکھتے ہوئے اسے ایک بات تو ضرور ہی سمجھ میں آگئی کہ کم از کم اس معاشرے میں بغیر شادی زندگی گزارنا خاصا دشوار امر ہے..... پھر شادی نہ کرنے کی کوئی خاص وجہ بھی نہ تھی۔ اس نے اپنی زندگی نام نہاد آئیڈیلزم میں پڑ کر ضائع کرنے کے بجائے اک معقول انسان کا ساتھ قبول کر لیا..... چھوٹی چھوٹی الجھنیں اپنی جگہ..... لیکن اب وہ اک خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی۔

"آؤ فروا سے مل لیں۔" اسٹیج پر رش کم ہوتا دیکھ کر ناجیہ کھڑی ہو گئی۔

فروا نے انہیں ولیمہ پر آنے کی تاکید کی..... اس کے میاں نے بھی فروا کا ساتھ دیا۔

"ابھی سے مٹھی میں کر لیا ہے۔" انجم اس کے کان میں گھسی۔ اس نے مسکرا کر ہاتھ دبا دیا۔

☼ ☼ ☼

رات دیر تک بے جی اسے اپنے پاس بٹھائے گاؤں کے ایک ایک فرد کے بارے میں دریافت کرتی رہیں۔ ساتھ ساتھ انہیں اپنا وقت بھی یاد آجاتا۔ اسی میں اس کے پسندیدہ ڈرامے کی قسط بھی نکل گئی۔ جبکہ سب ہی ٹی وی لاؤنج میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"السلام علیکم!" تب ہی خوشبو کے جھونکے کی طرح صدف چلی آئی۔

"آگئیں سہیلی کو رخصت کر کے۔" بے جی کے لہجے میں جو طنز تھا۔ اسے صرف صدف محسوس کر سکتی تھی۔ جبکہ مسرت مرعوب سی صدف کو دیکھ رہی تھی۔ اسٹائلش ڈریس 'نازک جیولری' ہاتھ میں موبائل 'ہاتھ میں نازک پرس' خوشبو میں بسی۔

"یہی تو ہے شہر دی کڑی۔" مسرت اسے یک ٹک دیکھے گئی۔ وہ بے جی کے طنز کو پی کر مسرت کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ساجد علی کی لڑکی ہے۔"

"اوہ' ہیلو' کیسی ہو....." اس کی آواز اس کی شخصیت کی طرح نازک اور کھنکتی ہوئی تھی۔

"جی اچھی ہوں۔"

"اتنی دیر کیسے ہو گئی....." بے جی نے پوچھا۔

"فنکشنز میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ پھر انجم کی گاڑی خراب ہو گئی۔"

"تم کیا دھکا لگا رہی تھیں۔"

"ہم اسی کی گاڑی میں آرہے تھے۔"

"سہیلی تمہاری تھی۔ شادی کیسے کر لی؟" بے جی نے اک اور وار کیا۔

"کبھی کبھی عقل پر پردہ پڑ ہی جاتا ہے۔" صدف نے متانت سے جواب دیا۔

"تمہاری عقل پر کب پڑے گا؟" بے جی کہاں چوکتی تھیں۔

"آپ دعا کریں۔" اس نے بردباری سے کہا۔

"ارے میری دعاؤں میں اثر ہوتا تو کب کی اپنے گھر بار کی ہو جاتیں۔"

"تب پھر سکون سے سو جائیں۔ میں بھی تھکی ہوئی ہوں۔" وہ آرام سے کہہ کر مسرت کو اپنی شخصیت اور اعتماد کا اسیر کرتی چلی گئی۔

"کتنی خوب صورت ہیں۔" مسرت زیر لب بڑبڑائی۔

"ہونہہ..... ماں کی طرح بے عقل' سہیلیاں بیاہ بیاہ کر تھکی نہیں..... بیسیوں رشتے آئے..... مگر ان کی ناک کے نیچے کوئی نہیں آتا۔ اللہ جانے کس خلائی مخلوق کا انتظار ہے۔"

"ان کے لیے تو کوئی شہزادہ آنا چاہیے۔" مسرت نے دل میں سوچا۔

"اچھا بچی! اللہ..... کہیں نہ کہیں تو نصیب کھولے گا ہی..... جا مسرت بچے جا کر سو جا۔ بڑی دیر سے تجھے بٹھائے ہوئے ہوں۔" انہوں نے ایک طویل سانس لے کر کہا تو وہ جلدی سے اٹھ کر لاؤنج میں آگئی۔

"ڈرامہ ختم ہو گیا....." اس نے کرن کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔ ٹی وی پر کوئی ایوارڈ شو چل رہا تھا۔

"کون سا ڈرامہ؟"

"پی ٹی وی کا وہ "شیشے کا....."

"پی ٹی وی..... وہ کون دیکھتا ہے۔" عدیل نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر چینل بدلا۔

"ہمارے ہاں تو یہی چینل آتا ہے..... یا پھر۔"

"کاکی! بھول جاؤ اس اولڈ چینل کو ہم تمہیں کچھ اور دکھاتے ہیں۔"

"کچھ اور کے بچے..... یہ دوا دھر۔" نایاب نے ریموٹ ہتھیایا۔ ساتھ ہی سارا نے اعلان کیا۔

"لڑکے یہاں سے دفع ہو جائیں۔"

"میں تو ابھی بچہ ہوں....." عمیر جلدی سے بہن کو گود میں سوار ہو گیا..... مگر بہن نے اتنے بڑے بچے کو گود لینے سے صاف انکار کر دیا۔ سو وہ چاروں شانے چت قالین پر پڑا تھا۔ اتنی ساری لڑکیوں کے سامنے دو لڑکے کیا ٹھہرتے..... سو وہ اک آؤٹ کر گئے۔

"اچھی سی فلم دکھاؤ۔" مریم نے فرمائش کی..... مشترکہ پسند سے اک فلم سلیکٹ ہوئی۔ مسرت کی دلی مراد بر آئی تھی۔ فلم کے درمیان تک تقریباً" سب ہی اٹھ گئیں۔ ماسوائے اس کے اور کرن کے جو شاید مروتاً" رکی تھی۔

"اب سونے چلیں۔" ہیپی اینڈ کے ساتھ فلم تمام ہوئی تو کرن نے اک لمبی سی جمائی لے کر پوچھا۔ مسرت شرمندہ سی ہو کر اٹھ گئی۔

"جی میں تو آپ کی وجہ سے بیٹھی تھی۔"

"کیا اسکرین سے ایک پل کے لیے آنکھ تم نے نہیں جھپکی اور میری وجہ سے رکی ہو....." کرن چیخی تو وہ کھسیانی سی ہو کر اس کے ساتھ اوپر آگئی۔

صبح اس کی آنکھ مقررہ وقت پر کھل گئی کہ شروع ہی سے اماں تڑکے جگا دیا کرتی تھیں۔

ایک تو ویسے ہی آدھی رات کروٹیں بدلتے گزری۔۔۔ حبس، گرمی، لوڈشیڈنگ اور بند کمرہ، اسے تو یوں ہی کھلے صحن میں تاروں بھرے آسمان کے نیچے سونے کی عادت تھی۔۔۔۔ اس کے ساتھ کرن کا بھی یہی حال تھا۔۔۔ جہاں بجلی بند ہوتی اس کی بڑبڑاہٹیں شروع ہو جاتیں۔ واپڈا والوں کی شان میں قصیدے، مچھروں کو کوسنے میں رات بیت جاتی۔

یہ اس گھر میں بلکہ شہر میں مسرت کی پہلی رات تھی۔

اس نے گردن گھما کر سوئی ہوئی کرن کو دیکھا۔ کمرے میں اس وقت صبح کی مخصوص ٹھنڈک کا راج تھا۔ سو وہ کچھ اچھا ہو کر سو رہی تھی۔

"شہر میں نکلتا سورج کیسا لگتا ہو گا۔"

اسی سوچ اور تجسس میں اس نے بستر چھوڑ دیا۔۔۔ اٹیچ باتھ کی سہولت استعمال کر کے باہر نکل آئی۔۔۔ یہ دوسری منزل کا کمرہ تھا۔۔۔ یہاں صحن تو نہیں۔۔۔ ذرا سی ٹیرس نما جگہ ضرور تھی۔ مگر اسے مایوسی ہوئی۔۔۔ بہت سے کھمبوں، تاروں۔۔۔ اور مکانوں کے بیچ طلوع ہوتا سورج کیسا بچارہ سا لگتا تھا۔۔۔ اسے بے اختیار دور تک پھیلے کھیتوں اور امرود کے باغوں پر سے طلوع ہوتا شاہ خاور یاد آیا۔۔۔ کچھ دیر کھڑی دیکھتی رہی۔ پھر نیچے آ گئی۔ لاؤنج خالی تھا۔ وہ برآمدے میں آ گئی۔ جہاں بے جی تخت پر نماز کے بعد تسبیح میں مصروف تھیں۔۔۔ اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرائیں۔ مگر بولیں کچھ نہیں۔ آنکھیں موند کر پھر سے تسبیح گھمانے لگیں۔۔۔ وہ خاموشی سے کھڑی انہیں دیکھنے لگی۔

تب ہی اس کے کانوں نے اک آواز سنی۔

وہ حیرت زدہ سی غور کرنے لگی۔

نامانوس سے ماحول میں کیسی مانوس سی آواز تھی۔ پھر آواز آنا بند ہو گئی۔

"اٹھ گئی مسرت بیٹی۔" ناصرہ کی آواز پر وہ پلٹی۔۔۔ وہ کچن سے نکلی تھیں ہاتھ میں لسی سے بھرا جگ اور گلاس، جو انہوں نے تخت کے پاس رکھ دیا۔

"جی۔۔۔ میں تو تڑکے ہی اٹھ جاتی ہوں۔"

"نماز پڑھ لی؟"

ان کے غیر متوقع سوال پر وہ گڑبڑائی۔ غنیمت ہوا کہ ناصرہ نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔۔۔ بلکہ باقی پوستی روحوں کو کوسنے لگیں۔۔۔ جو ابھی تک بستر میں اینڈھ رہی تھیں۔ مسرت، ناصرہ کے ساتھ ہی کچن میں چلی آئی۔ جہاں اس نے بجلی کی مدھانی اور چاٹی دیکھی۔۔۔ وہ آواز بجلی کی مدھانی کی تھی۔

"آنٹی۔۔۔ آپ بھی لسی بناتی ہیں۔۔۔؟" وہ حیران سی پوچھنے لگی۔ اس کا تو خیال تھا کہ یہاں صرف ڈبوں میں بند دودھ اور دہی استعمال ہوتا ہو گا۔

"ہاں۔۔۔ سب ہی شوق سے پیتے ہیں۔"

انہوں نے سادگی سے بتا کر فریج سے دہی کا باؤل نکال کر ایک طرف موجود چار کرسیوں والی چھوٹی سی

میز پر رکھا۔ آٹا وہ گوندھ چکی تھیں۔۔۔ آملیٹ کے لیے پیاز وغیرہ بھی کاٹ رکھی تھی۔

"لیجیے مہمان پہلے ہی کچن میں موجود ہیں۔" سارا نے اندر آتے ہوئے کہا تو مسرت مسکرا دی۔

"باجی! میں مہمان تھوڑی ہوں۔"

اس نے آتے ہی ناصرہ کی سیٹ سنبھالی۔۔۔ آملیٹ بنایا۔۔۔ چھوٹے چھوٹے، پتلے اور خستہ پراٹھے تلے۔۔۔ وہیں ناشتے کی میز پر ناشتہ کرتے ہوئے مزا آ گیا۔

"سونو۔۔۔؟" وہ بری طرح اچھلی۔۔۔ گھبرا کر ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب کہ عدیل بے نیازی سے گنگناتا سارا کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"میرے دل کی صدا۔۔۔"

"زبان بند رکھو۔۔۔" سارا نے مسکراتے ہوئے ہلکا سا ڈانٹا۔

"میں نے کیا کہا۔۔۔؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"خوامخواہ۔۔۔ اسے تنگ مت کرو۔" سارا بڑبڑائی۔

"ارے۔۔۔ میں تو گانا گا رہا تھا۔۔۔ کیوں مسرت خاتون۔۔۔ میں نے آپ کو تنگ کیا۔" وہ معصومیت سے مڑ کر براہ راست اس سے پوچھنے لگا تو مسرت خاتون کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے گھبرا کر دوپٹہ سنبھالا اور تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"انہیں کیا ہوا؟"

جواباً سارا نے اس کے ہاتھ پر گرم چمچہ دے مارا۔

"خبردار جو اس بے چاری کے پیچھے پڑے۔"

"اس بے چاری کے لیے اپنے بھائی پر تشدد۔۔۔"

گھر میں صبح کی مخصوص گہما گہمی تھی۔ بالآخر دھیرے دھیرے ماند پڑ گئی۔۔۔ مسرت نے نہا کر بڑے اہتمام سے اپنا پسندیدہ چوڑی دار پائجامہ اور کرتا پہنا۔ کچھ دیر بے جی کے پاس بیٹھی مگر ظاہر ہے عمر کے مطابق اس کا دل بھی لڑکیوں میں زیادہ لگتا تھا۔ وہ اپنی دھن میں اوپر چڑھنے لگی تھی۔ جب پانی کے زبردست ریلے نے اس کا استقبال کیا۔

"آ۔۔۔ آ۔" اس کی لمبی چیخ کے جواب میں اوپر سے نایاب نے جھانکا۔ پھر ہنس دی۔ اس کی ہنسی خوب صورت مگر بے تحاشا تھی۔

"ہو۔۔۔ ہو۔" وہ ہنستے ہوئے ذرا سا آگے آئی۔ "اوہ سونو! بائی گاڈ! میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔"

"یہ کون سا وقت ہے سیڑھیاں دھونے کا۔ جب بھی سوجھے گی، بے وقت کی سوجھے گی۔" عقب سے آ کر سارا نے ڈانٹا۔

"اب مجھے کیا پتا تھا یہ تشریف لا رہی ہیں۔" وہ مسرت کی حالت دیکھ کر اب بھی ہنس رہی تھی۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی۔ ابھی نوراں آ کر صفائی کر دیتی۔"

"مجھے لگا' میں موٹی ہو رہی ہوں۔ اب یہ ایکسرسائز تو میرے بس کا روگ نہیں۔ اس لیے میں نے سوچا ـــــ بے جی بھی راضی ہو جائیں گی اور سیڑھیاں بھی صاف ہو جائیں گی۔ نوراں صاف تھوڑی کرتی ہے۔ بس کاروائی ڈال جاتی ہے ـــــ اتنی دھول مٹی ـــــ فرش کا تو رنگ ہی نظر نہیں آتا ـــــ تم مجھے اتنا گھور کیوں رہی ہو؟"

سارا کے ابلتے دیدے دیکھ کر وہ گڑبڑائی۔

"سونو! ابھی نہا کر آئی تھی۔" سارا نے بتایا۔ جبکہ مسرت بڑی بے چارگی سے اپنا بھیگا دامن نچوڑ رہی تھی۔

"تو کس احمق نے مشورہ دیا تھا کہ اتنی صبح نہاؤ۔" نیا ڈھٹائی سے بولی۔

"باجی! آپ نے تو مجھے گوڈے گوڈے بھگو ڈالا ہے۔"

"باجی ـــــ" نیا لڑھکتی ہوئی نیچے آئی۔

"ان کو کیا ہوا؟" مسرت بوکھلائی۔

"تم کپڑے بدل لو۔" سارا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"یہ سوٹ میرے نصیب میں نہیں ہے۔" وہ بڑبڑاتی' پچتی بچاتی اوپر آئی تب ہی کمرے سے نکلتی صدف کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ سی گرین ساڑھی میں سانچے میں ڈھلا وجود' خوشبو میں بسی' اک ہلکی سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتی وہ نیچے چلی گئی۔ وہ اس کے غائب ہونے تک مبہوت سی اسے دیکھتی رہی۔ پھر اپنے کمرے میں آکر کپڑے بدلنے لگی۔

"باقی تو ایویں سی ہیں۔ لیکن صدف باجی کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔"

کپڑے بدل کر باہر نکلی تو سارا نیا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی اور اندر سے فل والیوم میں چلتے گانے کی آواز آ رہی تھی۔

وہ حسینہ وہ نیلم پری
کر گئی کیسی جادوگری

"یہ کرن ہے۔" سارا نے دروازہ پیٹ ڈالا ـــــ کیونکہ اک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر صرف نیا کے کمرے میں تھا۔ سو جسے میوزک کا شوق پورا کرنا ہوتا۔ اسی کے کمرے میں جاتی۔ صدف کے کمرے میں جانے کی ہمت کس میں تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" حسب توقع پسینے میں شرابور کرن سامنے تھی۔

"یہی تو تم سے پوچھنا ہے۔ کسی ڈانس کمپٹیشن میں حصہ لینا ہے۔"

"یونہی یار ـــــ! تھوڑا ویٹ بڑھ گیا ہے۔ سوچا ایکسرسائز تو مشکل ہے۔ ڈانس آسان ہے ـــــ بندہ بور بھی نہیں ہوتا۔" وہ ہانپتے ہوئے بتانے لگی۔

"یا الٰہی! خیر ہو۔ اس گھر کی لڑکیاں اتنی ویٹ کانشس کیوں ہو گئیں۔" سارا نے گانے کا والیم کم کیا۔

"تمہیں تو کسی بات کی خبر ہی نہیں۔" نیا ان کے پیچھے ہی چلی آئی ـــــ مسرت بھی ساتھ تھی۔

"بے جی نے صغری خالہ کو بلوایا ہے۔ ان کے پاس کچھ اچھے رشتے ہیں۔" نیا ایک آنکھ دبا کر بولی۔ پھر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لینے لگی۔ وہ پانچ فٹ کی گدبدی و رسیلی سی لڑکی تھی ـــــ اپنے سنہری گھنگھریالے بالوں کی دو چوٹیاں باندھے' اس پر بے حد فٹنگ والی قمیص' تنگ پائجامہ' اس نے ہر ہر زاویے سے اپنا جائزہ لیا۔ پھر کچھ مایوس سا ہو کر پوچھنے لگی۔

"سارا! میں اس سوٹ میں تھوڑی بطخ بطخ سی نہیں لگ رہی۔"

سارا نے اسے سرتاپا دیکھا۔ پھر واپس مڑتے ہوئے بولی۔

"تم اس سوٹ میں پوری کی پوری بطخ لگ رہی ہو۔"

● ● ●

"ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں۔" بے جی صغری بی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ان کا بسکٹ غڑاپ سے چائے کے کپ میں غائب ہو گیا۔ جسے نکالنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد اس نے دوسرا اٹھا لیا۔

"ایک رشتہ ہے۔ یہ بڑی ساری کوٹھی۔"

"اے صغری بی! میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا ـــــ یہ بڑی بڑی کوٹھیاں مجھے نہیں چاہئیں۔"

"بر کے ساتھ ساتھ اچھا گھر بھی مل جائے تو کیا حرج ہے۔ لوگوں کو تو برسوں بیت جاتے ہیں' کرائے کے گھروں میں دھکے کھاتے ـــــ ان کی تو اپنی کوٹھی ہے۔ وہ بھی لڑکے کے نام۔"

"بی بی! ہمارے جیسے لوگ دکھاؤ ـــــ یہ کوٹھی والوں سے رشتہ ہمیں نہیں جوڑنا' ساری عمر ہماری لڑکی کو میکے کے طعنے ہی دیتے رہیں گے۔" بے جی نے کہا۔

"اچھا' یہ ایک اور لڑکا ہے ـــــ رج کے سوہنا۔"

"ہم نے کیا اس سے فلموں میں کام کروانا ہے۔" بے جی جل کر بولیں۔ "ہزار بار بولا' ہمیں نہ تو بڑی بڑی کوٹھیوں کا لالچ ہے' نہ لمبی لمبی گاڑیوں کا' نہ ہمیں خوب صورت زنانی قسم کے لڑکے چاہئیں ـــــ ہمارے جیسے شریف خاندانی لوگ ہوں' لڑکا منہ متھے کا لگتا ہو۔ باکردار اور کماؤ ہو ـــــ بس۔"

بے جی نے صاف صاف بات کی' جس دن سے انہوں نے اپنی پوتیوں کے رشتے کروانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ صغری کا اسی دن سے اس گھر میں آنا جانا ہو گیا ـــــ بے جی نے اسے دس رشتے کروانے والیوں میں سے پسند کیا تھا ـــــ وہ چھچھوری و لالچی نہیں لگی تھی۔ جو دے دیا' خوش ہو کر رکھ لیا' نہ دیا تو نہ سہی' ان کی اس عادت کو لوگوں نے استعمال بھی کافی کیا۔ بڑے بڑے سبز باغ دکھا کر رشتے کروا لیے ـــــ بعد میں آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ وہ بچاری صبر و شکر کر کے اگلے گھر سدھار جاتی۔

"اچھا پھر خسرو صاحب کا رشتہ سب سے مناسب ہے ـــــ میرے پاس اس کی تصویر بھی ہے۔" صغری

نے کچھ سوچ کر تایا اور اپنی پٹاری کھولنے لگی۔۔۔ جس میں لڑکے لڑکیوں کی ڈھیروں تصاویر تھیں۔

"خسرو کی۔۔۔"

"اس کے بیٹے کی' زبیر نام ہے۔۔۔ بجلی کے محکمے میں کام کرتا ہے۔ اپنا مرغی خانہ بھی ہے اور اچھی خاصی زمین بھی۔ اپنا گھر' اپنی موٹر سائیکل۔۔۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں' گھر میں اللہ کا دیا اور بندوں کا خریدا سب ہی کچھ ہے۔"

صغری نے تصویر نکالی اور بے جی نے عینک۔

تصویر کا بغور معائنہ کرنے کے بعد لڑکا ٹھیک ہی لگا۔۔۔ مگر وہ اب بھی متفکر تھیں۔ وجہ صرف یہ تھی کہ ان کی اور عالیہ کی رائے کبھی ایک نہ ہوئی۔ بیٹے تو خیر بے جی کے سامنے چوں بھی نہ کر سکتے تھے۔ لیکن بہو اور اس کی تینوں بیٹیاں خاصی تیز تھیں۔

لڑکیاں خوب صورت بھی تھیں اور پڑھی لکھی بھی۔

صدف کالج میں پڑھا رہی تھی۔ نایاب ایم اے کے بعد فارغ تھی۔۔۔ مانو تو خیر تھرڈ ایئر میں جانے کے باوجود ابھی تک بچہ ہی تھی' لڑکیوں کے خواب تو اونچے تھے ہی' جہاں تک عالیہ کا سوال تھا تو انہیں اپنی بیٹیوں کے لیے کسی شہزادے کا انتظار تھا' جو کسی ریاست کا مالک ہو نہ ہو' پڑھا لکھا اور خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ کوٹھیوں کا مالک ضرور ہو۔ ہر رشتے میں مین میخ نکالتے ہوئے نہ تو انہیں صدف کی بڑھتی عمر کا احساس ہوتا' نہ نایاب کا چھوٹا قد نظر آتا۔ سو بے جی اور ان ماں بیٹیوں کی رائے کبھی ایک نہ ہوئی۔

البتہ بے جی کا زور بڑی بہو ناصرہ پر ضرور چلتا' جو پانچ بیٹیوں کی ماں ہونے کی وجہ سے ہمہ وقت ہولائی ہولائی سی رہتیں۔ ان کی پانچوں بیٹیاں سگھڑ' قبول صورت' اور پڑھی لکھی تھیں۔ جیسی جی حضوری کی عادت ناصرہ کو تھی' ویسی ہی باادب اور بات ماننے والی ان کی بیٹیاں نکلیں' یہی وجہ تھی کہ بے جی ان میں سے دو کو رخصت کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ حالانکہ عالیہ نے ان رشتوں میں خاصی مین میخ نکالی' سدرہ بیاہ کر گوجرانوالہ چلی گئی۔ بڑا خاندان' بے تحاشا کام' میاں اپنا بزنس کرتا تھا۔۔۔ سسرال والے ہنس مکھ اور کھلے دل کے تھے۔ اس لیے سدرہ آرام سے ایڈجسٹ کر گئی۔۔۔ اب ماشاءاللہ دو بچوں کی اماں جان تھی۔ شوہر سادہ اور ہنسوڑ طبیعت کے مالک تھے۔

زارا کے لیے جو صاحب ہاتھ لگے' وہ ہائی اسکول کے استاد تھے' شکل و صورت مناسب' چھوٹا سا مگر ذاتی گھر' دو شادی شدہ نندیں' دونوں ہی گوجرانوالہ میں' ایک بیمار سی مرنجان مرنج طبیعت کی مالک ساس' جو صرف اس بات کی منتظر تھی کہ بہو اسے چارپائی پر بٹھا کر دو وقت کی روٹی کھلا دے۔ ان کی گھر کے دھندوں سے جان چھوٹ جائے۔ سو زارا نے انہیں چارپائی پر بٹھا دیا۔ خود اس کا سارا وقت اپنے چھوٹے سے گھر کو سنوارنے اور دو ننھے منے جڑواں بچوں کو سنبھالنے میں گزرنے لگا۔ دونوں میاں بیوی میں بلا کی محبت و یگانگت تھی۔ بے جی چاہتی تھیں کہ اب وہ صدف کی بات طے کر دیں۔ وہ زارا کی ہم عمر تھی۔ مگر ان کے

اونچے خیالات بے جی کے ارادوں پر پانی پھیر دیتے۔ انہیں بالکل امید نہ تھی کہ ماں بیٹی اس رشتے پر آمادہ ہوں گی۔

"ایک رشتہ اور بھی ہے پر لڑکا۔۔۔" صغری بی کچھ متذبذب نظر آئیں۔

"لنگڑا ہے۔" بے جی اس کے سنگین لہجے پر چونکیں۔

"نہ۔۔۔ نہ۔"

"کالا ہے؟"

"نہ بی۔۔۔ وہ تو بس۔۔۔"

"آوارہ ہو گا؟"

"خالہ بی! اب میری بھی سن لو کہ کسوٹی کے دس سوال ضرور ہی پورے کرنے ہیں۔" صغری جھنجلائی۔

"تو بول بھی چکو۔ ایک تو تم سست بہت ہو۔"

"لڑکا مولوی ہے۔" صغری نے ڈرتے ڈرتے بتایا تو بے جی ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گئیں۔

"صغری بی! لاحول ولا۔۔۔ ارے یہ کوئی عیب ہے۔"

"آج کے دور میں تو عیب ہی ہے۔ شرعی داڑھی رکھتا ہے۔ انگریزی میں ایم اے کیا ہے۔" صغری نے افسوس سے بتایا۔ پھر چائے کا آخری گھونٹ بھر کر کپ سائیڈ پر رکھ دیا۔

"لوگ کہتے ہیں۔۔۔ بلکہ سمجھتے ہیں کہ مولوی ہے تو ان کی بیٹی کو گھر میں بند کر کے رکھے گا۔۔۔ پر سچ پوچھو تو لڑکا ہیرا ہے ہیرا۔ باادب' مہربان' تحمل مزاج' صابر و شاکر' سادہ طبیعت کوئی نخرہ نہیں۔۔۔ ہر وقت ہی۔۔۔ ہی۔۔۔ ہاہا تو نہیں پر ہنس مکھ طبیعت ہے۔۔۔ سچ خالہ میرا تو اس پر بڑا دل ہے۔"

"ہے۔۔۔ ہے صغری! اپنی عمر تو دیکھو۔" بے جی نے لتاڑا۔

"اپنی سارا کے لیے۔۔۔" صغری نے بوکھلا کر وضاحت کی۔

"کرتا کیا ہے؟" بے جی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"گونگے بہروں کے اسکول میں پڑھاتا ہے۔"

"آمدنی تو کچھ خاص نہ ہو گی۔" بے جی کو مایوسی ہوئی۔

"ہاں' لیکن پڑھتا جا رہا ہے۔۔۔ کہتا ہے بڑا افسر لگوں گا۔۔۔ میرے تو برسوں کے جاننے والے ہیں۔ ماں بڑی ہی نیک طبیعت عورت ہے۔ باپ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اس لیے باپ سے نہیں ملتا۔ گھر میں دونوں ماں بیٹا ہی ہیں۔۔۔ بہن ایک تھی۔۔۔ بیاہ کر اسلام آباد چلی گئی۔" صغری کی تفصیل سن کر بے جی سوچ میں ڈوب گئیں۔

"تو پھر کروں ان دونوں گھروں میں بات؟"

"جلدی کیا ہے؟ ذرا چھری تلے دم تو لو۔" بے جی نے کہا۔ "میں ذرا چھان بین تو کروا لوں۔"

بے جی کا طریقہ کار ذرا مختلف تھا۔ وہ کبھی بھی ان رشتے کروانے والیوں پر پورا بھروسہ نہ کرتی تھیں۔

کسی کو گھر بلانے سے قبل ہی ساری چھان کروالیتیں۔ اس سے یہ ہوتا کہ بہت سے فضول رشتے بالا بالا ہی ٹل جاتے۔ لڑکیاں بھی بے کار کی پریڈ سے بچ جاتیں۔ بہت ہوا تو لڑکے کی تصویر منگوا کر لڑکی کی بھجوادی۔

"صغری بی آئی بیٹھی ہیں۔" عالیہ نے غلط وقت میں انٹری دی۔ بے جی کا منہ بن گیا۔ وہ صغری کو دوپہر میں صرف اس لیے بلواتی تھیں کہ سکون سے بات ہوجاتی۔ ورنہ عالیہ تو فوراً" مین میخ نکال اسے یوں ریجکٹ کرتیں۔ گویا لائن لگی ہو۔

"کیا ہوا! آج اے سی تلے سکون نہ آیا۔"

"صغری کی آواز آئی تو چلی آئی..... پھر آپ ہی اعتراض کرتی ہیں کہ کسی کو چائے پانی کا نہ پوچھا۔"

"ہونہہ' کن سوئیاں لینے کی عادت نہ گئی۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔" عالیہ چمک کر بولیں..... "جو دودھ کی نہر آپ دونوں نکال رہی ہیں سامنے آہی جاتی۔"

"جاؤ شربت بنالاؤ۔" بے جی نے ٹالنا چاہا۔ مگر عالیہ کی نگاہ چائے کے خالی کپ پر پڑ گئی۔

"چائے تو پی لی..... اب شربت کیا کرنا ہے۔"

"ہاں' ہاں شربت کی ضرورت نہیں۔" صغری نے منع کیا۔ "میں تو صدف کے لیے ایک دو اچھے رشتے....."

"پتا تھا مجھے' کوئی نیا چن ہی چڑھانے آئی ہوگی..... لیکن میں کہے دیتی ہوں۔ میری صدف کے لیے کوئی ڈھنگ کا رشتہ ہوا تو بتانا..... یہ چھوٹے موٹے کلرک' زمیندار مجھے نہیں بھاتے۔"

"ہاں..... امریکہ کے وزیراعظم کا رشتہ بتاؤ ان کو۔" بے جی بڑبڑائیں۔ پھر تیزی سے تسبیح پڑھنے لگیں۔

صغری بی نے فوراً" پٹاری کھولی۔

"یہ افسر' یہ بزنس مین' یہ اعلا ملازمت۔"

"سب کے سب چھچھورے' نودولتیے۔" بے جی کی بڑبڑاہٹ خاصی بلند تھی۔ عالیہ کو ساس کی دخل اندازی ذرا پسند نہ آئی۔ انہیں یہ رشتے خاصے بھائے تھے۔

"آپ کو یہیں بیٹھے الہام ہوگیا۔"

"زمانہ دیکھا ہے..... یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔"

"کون جانے؟..... ہاں تو وہ۔"

وہ دوبارہ سے صغری کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بے جی کو عالیہ کی یہی حرکتیں ناپسند تھیں۔ عالیہ کو جو رشتہ پسند آتا۔ فوراً" کھانے یا چائے پر بلالیتیں۔ ہر ایرا غیرا' چھچھورا منہ اٹھا کر چلا آتا بے جی چڑ جاتیں۔

"یہاں کیا میلہ مویشیاں لگا ہے۔"

لاتعلقی کے اعلان کے باوجود ان سے رہا نہ جاتا کہ آخر معاملہ ان کی پوتیوں کا تھا..... کڑھائی والا سفید دوپٹہ اوڑھ کر مہمان کا شجرہ نسب کھنگالنے پہنچ جاتیں۔ ان کے تابڑ توڑ سوالوں کے سامنے بڑے بڑے

بوکھلا کر میدان چھوڑ جاتے۔

جہاں وہ اپنی معاملہ فہمی' جہاں شناسی کی داد چاہتیں' وہیں عالیہ اسے رشتے بھگانے کی مہم قرار دیتی۔ غرض اس معاملے میں ساس بہو کے درمیان اینٹ کتے کا بیر تھا۔ اب جس کا دل چاہے خود کو اینٹ سمجھے' اور جس کا دل چاہے.....

"مجھے ان رشتوں کی پوری تفصیل لاکر دو۔" عالیہ نے صغری سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر بے جی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تو پھر میں ان لوگوں کو....."

"بتادوں گی۔ دو چار دن کے بعد چکر لگانا۔"

بے جی نے درمیان میں ٹوکا۔ وہ چاہتی تھیں کہ پہلے بیٹے سے بات کرلیں۔ پھر انہوں نے بٹوے سے کرایہ نکال کر صغری کو تھمایا۔

"سیدھی گھر جاؤ گی.....؟"

"نہ..... نہ ایک جگہ اور جانا ہے..... اپنے پنڈ کے نمبردار کے بیٹے کا رشتہ کروانا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کسی ڈھنگ کی لڑکی سے رشتہ کروادو..... مج (بھینس) دوں گا۔" صغری نے خوش ہو کر بتایا۔

"اللہ تمہارے نصیب میں کرے۔"

"رشتہ اچھا تھا..... پر آپ کی ذات برادری کے نہیں ہیں۔"

"جہاں میری پوتیوں کے نصیب....."

"صغری بی! خیال رکھنا۔ لڑکے خوب صورت ہوں۔ تم نے میری صدف کو تو دیکھا ہی ہے۔" عالیہ نے تاکید کی۔

"ہونہہ گنجی ککڑی۔" بے جی کی زبان پھسلی۔ انہیں صدف کے کٹے ہوئے بالوں سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ عالیہ منہ بنا کر رہ گئیں۔

● ● ●

لال بھبھوکا چہرہ' پسینے سے تر' بے زاری کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی تو موڈ اچھا خاصا خراب تھا۔ ایک تو گرمی' پھر وین والے کی چھٹی' اس پر آج مریم بھی کالج نہیں گئی تھی۔ سو اکیلی پبلک وین میں دھکے کھاتی گھر پہنچی۔ بے جی تخت پر موجود نہ تھیں۔ سو شارٹ کٹ استعمال کیا۔ سیدھا ڈرائنگ روم میں جا گھسی۔ جس کا دوسرا دروازہ اندر کھلتا تھا۔

ڈرائنگ روم میں کوئی نہ تھا۔ اس کے خیال میں۔ پھر فل اسپیڈ سے چلتا پنکھا' خاموشی سے نیم تاریکی سے گلے ملتی فرحت بخش ٹھنڈک کا احساس سرسراتے پردے' اس نے فوراً" بیگ ٹیبل پر اچھالا اور خود دھم سے صوفے پر۔

"آ۔۔۔ آ۔" بھرپور مردانہ چیخ نے اسے کئی فٹ اوپر اچھالا۔ میز سے الجھتی 'لیمپ گراتی۔۔۔ دروازے سے گلے ملتی سرپٹ واپس بھاگی۔ برآمدے میں تخت کے پاس رک کر سانس اور حواس بحال کرتے' ہاتھوں کے اڑے چڑیاں 'طوطے واپس بلاتے اس نے حیرت سے سوچا۔

"کون تھا۔۔۔؟" اور کمال جرات سے پلٹ کر ڈرائنگ روم کی جالی سے ناک چپکا دی۔

اندر کا منظر واضح نہ تھا۔ جو بھی تھا۔۔۔ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ سے صوفے پر دراز ہو گیا تھا۔

"یہ تم چھپکلی کی طرح دروازے سے چپکی کیا کر رہی ہو؟"

سارا کی آواز پر وہ بوکھلا کر پلٹی پھر سرگوشی میں پوچھنے لگی۔

"اندر کون ہے؟"

"اسرار آیا ہے۔۔۔ اور کون صوفے پر سوتا ہے۔"

"اوں ہوں۔" وہ خاصی بدمزا ہوئی پھر سوچا۔

"پہلے پتا ہوتا تو اچھی طرح کچومر نکالتی۔"

"کھانا کھانا ہو تو آجاؤ۔ نکال دوں۔" سارا نے کہا تو وہ اس کے پیچھے کچن میں چلی آئی۔۔۔ کھانا کھا کر اپنے اور مریم کے مشترکہ کمرے میں آگئی۔۔۔ جہاں منہ پر دوپٹہ لیے مریم گنگنا رہی تھی۔۔۔ کتاب سینے پر اوندھی پڑی تھی۔ سائرہ کو غصہ آگیا۔ اس نے کتاب اور دوپٹہ دونوں کھینچے۔

"شرم تو نہیں آئی۔۔۔ پہلے بتا دیتی تو میں بھی چھٹی کر لیتی۔"

مانو کو قلق اسی بات کا تھا کہ مریم نے عین اس وقت بتایا' جب وہ تیار ہو کر بالکل دروازے کے پاس کھڑی وین اور مریم دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔

"اسی لیے نہیں بتایا تھا۔۔۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

مانو مکمل ناراض ہو کر اپنے بیڈ پر چلی گئی۔ جب سو کر اٹھی تو شام ہو رہی تھی۔ صحن میں ایئر کولر چل رہا تھا۔ بے جی اور اسرار بیٹھے چھلیاں (بھٹے) کھا رہے تھے۔۔۔ بے جی کے دانت اس عمر میں بھی اخروٹ توڑ لیتے تھے۔ پھر بھٹے کیا چیز تھے۔

"یہ کہاں سے آئے؟" مانو لپک کر قریب آئی۔

"اسرار لایا ہے۔۔۔ بوری بھر کے۔۔۔ ساتھ میں سنگھاڑے بھی ہیں۔" بے جی نے خوش ہو کر بتایا۔

"ہیں۔" مانو کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اسرار اس کی دور پرے کی پھپھو کا بیٹا تھا' جب بھی گاؤں سے آتا' پھپھو طرح طرح کی سوغاتیں بھیجتیں۔ وہ یہاں بی اے کے پیپرز دینے آیا تھا۔

"سنگھاڑے کہاں ہیں؟" مانو کا دل للچا گیا۔

"ابلنے کے لیے چولہے پر چڑھائے ہیں۔ کچے تھے۔" بے جی بھی موج میں تھیں۔

"بس بے جی۔" اسرار نے آدھا بھٹا چھوڑ دیا۔ "مجھ سے نہیں کھایا جا رہا۔"

"کیوں۔۔۔"

"میرے بازو میں درد ہے۔"

"بیٹھے بیٹھے ہو گیا؟" بے جی نے تشویش سے کندھا دباتے اسرار کو دیکھا۔

"بیٹھے بیٹھے کہاں؟ دوپہر میں حادثہ ہو گیا تھا۔"

اس نے مانو کی طرف دیکھنے سے اجتناب کیا۔ جس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"حادثہ۔۔۔" بے جی بھٹا کھانا بھول گئی تھیں۔

"مجھ پر بلڈوزر چڑھ گیا تھا۔"

"تم کیا سڑک پر جا لیٹے تھے۔" مانو کو اس کی شوخی ایک آنکھ نہیں بھائی۔

"نہیں۔ بلڈوزر بیٹھک میں گھس آیا تھا۔" وہ معصومیت سے گویا ہوا۔ مانو غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"تم کہاں چلیں؟" اسرار نے فوراً پوچھا۔

"جہنم میں۔"

"ہاں' وہاں سنگھاڑے جلدی ابل جائیں گے۔۔۔ ایسا کرو یہ بھٹا بھی تم لے لو۔" اس نے ادھ کھایا بھٹا اس کی طرف بڑھایا۔

"سوری میں جھوٹا نہیں کھاتی۔" وہ کھولتے ہوئے اندر آگئی۔

"لفنگا۔۔۔ پینڈو۔۔۔ جاہل۔"

"ہیں۔۔۔ ہیں یہ کس کو کوس رہی ہو۔" عالیہ' ناصرہ اور سارا بیٹھی کچھ گھریلو امور پر تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔

"ایک ہی تو ہے۔۔۔ نہ بات کرنے کی تمیز' نہ لباس پہننے کا سلیقہ' جب دیکھو کف کھلے بیہودہ سی چپل پہنے' سارے گھر میں پٹر پٹر کرتا ہے۔۔۔ بے جی کا چمچہ۔"

"کیسی پٹر پٹر زبان چل رہی ہے۔۔۔ کس کی بات کر رہی ہو۔" عالیہ نے چڑ کر بیٹی کو دیکھا۔

"اسرار کی۔۔۔" سارا فوراً ہی سمجھ کر ہنسی۔ "تمہاری تو اس کے ساتھ شروع سے ہی نہیں بنتی۔"

"بری بات ہے۔ ایسا بے ضرر سا لڑکا ہے۔ گھر کے سینکڑوں کام نمٹا دیتا ہے۔ تمہیں پڑھاتا بھی تو ہے۔" ناصرہ نے ٹوکا۔

"ہونہہ۔۔۔ مجھ پر احسان کرتا ہے۔۔۔ مت پڑھایا کرے۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"اور اس کی لائی چیزیں۔۔۔ جو تم مزے لے لے کر کھاتی ہو۔" سارا نے یاد دلایا۔

"میں تو ہاتھ بھی نہ لگاؤں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"ہاں لڑکا تو ایویں سا ہے۔" عالیہ نے کہا تو سارا اور ناصرہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔ جبکہ مانو' جب سنگھاڑے ابل گئے تو وہ پلیٹ بھر کر کالا نمک ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔

● ● ●

ہال میں پہنچ کر صدف نے سب سے پہلے اپنا گروپ تلاش کیا۔ وہ سب ایک کونے میں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ فروا پارلر سے ابھی ابھی پہنچی تھی۔ اس کی نندیں اسے تھام کر اسٹیج تک لے گئیں۔

"او۔۔۔ واؤ بیوٹی کوئن۔" اس کے گروپ نے مخصوص انداز میں اس کی پذیرائی کی۔ وہ تفاخر سے مسکراتی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"اتنی دیر سے آئی ہو۔"

"چیف گیسٹ آخر میں آتے ہیں۔"

"اوہو۔۔۔ چیف گیسٹ۔۔۔" صبیحہ نے حسب عادت اس کے کندھے پر سر ٹکایا۔ صدف جتنا اس کی اس عادت سے چڑتی تھی۔ وہ اتنا ہی باز نہ آتی۔

"فروا اچھی لگ ہے۔۔۔ لیکن ولیمہ کا جوڑا ہلکا ہے۔۔۔" فروزاں نے کہا تو سب اسٹیج کی طرف متوجہ ہو گئیں۔۔۔ جہاں فروا کے سسرال والوں نے دھرنا دے رکھا تھا۔۔۔ اپنے رشتے داروں کو بلوا کر مووی بنائی جا رہی تھی۔ تبھی صدف کی توجہ وہاں کھڑی اک شخصیت نے کھینچ لی۔

"ارے۔۔۔ یہ نواز شریف کون ہے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"کون۔۔۔؟" سب نے دیکھا۔ پھر ہنس دیں، صبیحہ نے دوبارہ سے اپنا ڈھائی من کا سر صدف کے کندھے پر دے مارا۔

"اف۔۔۔" صدف نے بھنا کر اسے دھکا دیا۔ پھر اپنا کندھا سہلانے لگی۔

"سیٹ بدل لو۔ ورنہ گھر اس کے بغیر جانا پڑے گا۔" انجم نے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔

"ویسے نام ٹھیک دیا ہے۔۔۔ بنا بنایا نواز شریف ہے۔" فروزاں مسکرائی۔

"کس نواز شریف کی بات کر رہی ہیں؟" عقب سے کسی نے چبا چبا کر پوچھا۔

"وہی، جو دولہا کے ساتھ کھڑے سب کو سیاسی قسم کی مسکراہٹ سے نواز رہے ہیں۔ گویا کسی جلسے میں شریک ہوں۔۔۔ بس قد ہی لمبا ہے، ورنہ بالوں کے اسٹائل سے لے کر انداز تک بالکل۔ میاں صاحب ہیں۔ صدف نے تفصیلی تبصرہ کیا۔

"کس کے میاں۔۔۔؟" صبیحہ چونکی۔

"افوہ، کسی کے نہیں۔۔۔ یا ہو سکتا ہے کسی کے ہوں۔"

"نہیں، خوش قسمتی سے وہ کسی کے میاں نہیں ہیں۔۔۔ البتہ بن سکتے ہیں اگر کوئی چاہے تو۔"

سب نے گھوم کر بلکہ گھور کر بولنے والی کو دیکھا۔۔۔ ٹی پنک پشواز، غالباً اپنے ولیمے کی، سونے کا بھاری سیٹ، اس سے زیادہ بھاری جھمکے، ہاتھوں میں سونے کے خوب صورت کڑے، بالوں کا خوب صورت اسٹائل، زبردست میک اپ۔۔۔ وہ ایک ہاتھ انجم کی کرسی پر ٹکائے، بظاہر اسٹیج کی طرف متوجہ نجانے کب سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

"دراصل یہ اپنے آئیڈیل کی تلاش میں ہیں، نہ آئیڈیل ملتا ہے، نہ یہ کسی کے میاں بننے کو تیار ہوتے

ہیں۔" اس نے معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

"کرتے کیا ہیں؟" صبیحہ نے ناقدانہ نظروں سے موصوف کا جائزہ لیا۔

"مکینیکل انجینئر ہیں۔" اس کی معلومات قابل رشک تھیں۔

"آئیڈیل میں کون سی خصوصیات چاہتے ہیں؟" انجم نے پوچھا۔

"جسے دیکھ کر سانسیں رک جائیں، دل دھڑکنا بھول جائے، راتوں کی نیندیں اڑ جائیں۔"

"اتنا خوفناک آئیڈیل تراش رکھا ہے؟" فروزاں نے جھرجھری لی۔

"ویسے آپ کو اتنی معلومات کیسے ہیں؟" صدف نے پوچھا۔

"کیونکہ میں نواز شریف کی بہن ہوں۔"

"ایں۔" ساری گردنیں اس کی طرف گھومیں، جواباً وہ مسکرائی اور کنگن کھنکناتی اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ سب کی ہنسی ایک ساتھ بلند ہوئی۔

"تبصروں سے گریز کریں، کون جانے، کون کس کا، کیا لگتا ہے۔" انجم نے ہاتھ اٹھا کر اعلان کیا۔ پشواز والی محترمہ اب نواز شریف کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

"ویسے بندہ ٹھیک ٹھاک ہے۔" صبیحہ نے تھوڑی خاموشی کے بعد کہا۔

"ہاں تم اس کے آئیڈیل سے کسی حد تک میل کھاتی ہو۔"

"بدتمیز۔۔۔" انجم کے طنز پر صبیحہ خفا ہو کر رخ بدل گئی۔

"بس کرو، آؤ فروا سے مل آئیں۔" فروزاں کھڑی ہوئی تو سب نے اس کی تقلید کی۔ فروا کو مبارکباد دینے اور باقی لوگوں سے رسمی تعارف کے بعد جب صدف اپنی سی گرین ساڑھی کا پلو سنبھالے واپسی کے لیے مڑی تو نہیں جانتی تھی کہ

کسی کی سانسیں رک گئی ہیں۔

دل دھڑکنا بھول گیا ہے اور راتوں کی نیندیں ساڑھی کے پلو سے باندھ لائی تھی۔

نواز شریف اس کی جانب ٹکٹکی باندھے کھڑا تھا۔

● ● ●

بے جی نے جبار احمد کو طلب فرمایا اور اس وقت فرمایا جب عالیہ ان سے بہت ضروری بات کر رہی تھیں۔ ایسی ضروری بات، جس کا کوئی سر پیر نہ تھا، بس اتنا پتا چلا کہ بات صدف کے رشتے سے متعلق ہے۔۔۔ کہیں کہیں جبار احمد کی چشم پوشی اور ساس کی بے رخی کا ذکر بھی ملتا تھا۔ وہ بڑی صبر آمیز بے بسی کے ساتھ اخبار ہاتھ میں لیے چائے کی پیالی کو گھور رہے تھے۔۔۔ کہ انہوں نے جب بھی پیالی کو لبوں تک لے جانے کی کوشش کی۔ وہ پیالی پرے کھسکا کر چڑ کر کہتیں۔

"آپ میری بات غور سے نہیں سن رہے۔"

اب وہ کیسے سمجھاتے کہ چائے منہ سے پینی ہے اور بات کانوں سے سننی ہے۔۔۔ مگر یہ عورت، جو سامنے بیٹھی پٹر پٹر بول رہی تھی۔۔۔ جوانی میں خوش قسمتی سے اور اب بد قسمتی سے (جوانی میں عالیہ بیگم خاصی خوبصورت ہوا کرتی تھیں) ان کی بیوی تھیں۔ کبھی وہ ان کی خاطر دفتر سے بہانے کر کر کے گھر بھاگا کرتے تھے۔۔۔ آج اسی کی وجہ سے گھر سے باہر رہنے کے بہانے تراشتے تھے۔

"آپ میری بات نہیں سن رہے۔"

ذرا خیالی رو بھٹکی نہیں اور عالیہ بیگم نے گرفت کی نہیں۔

"سن رہا ہوں۔" انہوں نے بے چارگی سے ٹھنڈی پڑتی چائے کو دیکھا۔ ان کی اسی بے چارگی نے عالیہ کو شیر کیا ہوا تھا۔

"میری تو جیسے تیسے، روتے دھوتے گزر گئی۔ اب مجھے اپنی بیٹیوں کے لیے تو اچھا سوچنے کا حق ہے یا نہیں۔"

"تو سوچو۔۔۔"

"بس میں سوچوں۔ آپ بھی تو باپ ہیں۔"

"میں نے کب انکار کیا ہے؟"

"آپ انکار کر بھی کیسے کر سکتے ہیں۔" وہ بھڑک اٹھیں۔

"افوہ! میرے کہنے کا مطلب ہے۔" وہ گڑبڑائے۔ تبھی مریم نے جھانک کر انہیں بے جی کا پیغام دیا۔

"لیں۔۔۔ آ گیا بلاوا۔۔۔ اب خوامخواہ ماں کی باتوں میں آ کر کسی ایسے ویسے رشتوں پر ہاں مت کر دیجیے گا۔ اول تو صدف نہیں مانے گی۔۔۔ ماشاءاللہ پڑھی، لکھی، خوب صورت اور برسرروزگار ہے۔۔۔ اس کے لیے رشتوں کی کمی نہیں۔۔۔ نہ وہ دادی کے پسند کیے رشتوں پر ہاں کرے گی۔"

جبار احمد نے طویل سانس لے کر اخبار ایک طرف رکھا اور کھڑے ہو گئے۔

"غور سے سن رہے ہیں۔ میں کیا کہہ رہی ہوں۔۔۔ مجھے سدرہ اور زارا کی طرح اپنی بیٹیوں کو جہنم میں نہیں جھونکنا۔"

"تم تو خوامخواہ ہی۔ اچھا بھلا۔۔۔ اپنے اپنے گھروں میں بس رہی ہیں۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔۔۔ یہ پیچھے کلستی رہیں۔ پھر رہ نہ سکیں تو اٹھ کر باہر نکل گئیں۔۔۔ برآمدہ خالی تھا۔ چپکے سے جا کر ساس کے کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئیں اور کان دروازے سے لگا دیے۔

"یہ ہیں دو رشتے۔۔۔ پہلا حق صدف کا بنتا ہے۔ اس لیے تم سے بات کر رہی ہوں۔ تمہاری بیوی سے بات کرنا فضول ہے۔"

"اماں! عالیہ چاہتی ہے۔"

"کب تک بیوی کے دماغ سے سوچتے رہو گے۔ اپنی عقل کیا گروی رکھی ہے۔"

"بے جی! صدف بھی نہیں مانے گی۔۔۔ وہ چاہتی ہے کہ لڑکا اس سے زیادہ پڑھا لکھا ہو۔"

"باپ ہو۔۔۔ تم فیصلہ کرو گے تو کیسے نہیں مانے گی۔" بے جی نیک نیتی سے چاہتی تھیں کہ اب صدف کا رشتہ طے ہو جائے۔

"یہ ہمارا زمانہ نہیں ہے بے جی کہ جہاں والدین نے رشتہ کر دیا۔ چپ کر کے نبھا لیا۔۔۔ آج کل کے بچے اپنی الگ ڈیمانڈز رکھتے ہیں۔۔۔ پڑھی لکھی لڑکیاں۔۔۔" انہوں نے ذرا مدلل انداز میں بات کرنا چاہی۔

"کیا پڑھی لکھی۔ ایسا کیا نرالا پڑھ لیا تمہاری لڑکیوں نے۔۔۔ لڑکیوں نے جہاز اڑا لیے، یہ کالج میں پڑھا کر خود کو توپ سمجھنے لگی ہیں۔۔۔ نواز کی لڑکیاں بھی تو ہیں۔۔۔ پڑھی لکھی، خوب صورت سگھڑ، مجال نہیں کہ ماں باپ کے فیصلے کے خلاف چوں بھی کر جائیں۔۔۔ ہاں یہ کہو کہ ماں کی سکھائی پڑھائی خوب ہیں۔"

عالیہ تلملا کر رہ گئیں۔ "ساری عمر ساس ہی بن کر رہیں۔"

"بے جی! آپ تو عالیہ کے پیچھے خوامخواہ پڑی رہتی ہیں۔" جبار احمد کی آواز نے جلتے بلتے سینے پر چند قطرے ٹھنڈے پانی کے ڈال دیے۔

"تو کیا تمہاری طرح اس کی غلامی کروں۔" بے جی تاؤ کھا کر بولیں۔

"اس میں غلامی کی کیا بات ہے۔۔۔ پھر عالیہ بھی تو آپ ہی کی پسند ہے۔۔۔ میں نے تو بس آپ کا حکم مانا تھا۔"

"بس۔۔۔ ساری زندگی میں مجھ سے یہی ایک غلطی ہوئی۔۔۔" بے جی ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔

"غلطی۔۔۔ بھگت تو میں رہی ہوں۔" تلملاہٹ کا گراف کچھ اور بلند ہو گیا تھا۔

"غور سے سنو۔۔۔ رشتے دونوں معقول اور شریف گھرانوں کے ہیں۔ تو قیر سے کہہ کر میں نے ساری چھان بین کروالی ہے۔۔۔ صدف کو تم خود سمجھاؤ۔۔۔ اپنی اوقات سے بڑھ کر خواب دیکھنے والے ساری عمر نامراد رہتے ہیں۔"

"اے ہے۔۔۔ کہنے والوں کے منہ میں خاک۔۔۔"

"کہیں نہ کہیں تو سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ ساری شرطیں کہاں پوری ہوتی ہیں۔۔۔ خواب تو سدرہ اور زارا نے بھی دیکھے ہوں گے۔ بڑے امیر اور اونچے گھرانوں کے، لیکن میرے سمجھانے پر ہاں کہہ دی۔ اب تم ایمان داری سے بتاؤ۔۔۔ کیا وہ اپنے اپنے گھروں میں بری ہیں۔۔۔ سہاگنیں ہیں۔ آل اولاد والی۔ معاشرے میں عزت ہے۔۔۔ ماں باپ سکھ کی نیند سوتے ہیں اور کیا چاہیے۔ باقی تنگی و فراخی۔۔۔ دکھ سکھ سب نصیب کے کھیل ہیں۔ ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ لڑکا شریف ہے۔ عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔۔۔ برسرروزگار ہے۔ بس زیادہ اونچی ہواؤں میں رہنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ تمہاری لڑکیاں دنیا سے نرالی ہیں

..... کتنی ہی بر سر روزگار اور خوب صورت لڑکیاں اپنی ہٹ دھرمی کے آگے کنواری بیٹھی ہیں۔ کچھ عقل کو ہاتھ مارو۔ اپنی بیٹی کو کنٹرول کرو..... اس کی دیکھا دیکھی..... چھوٹی والیاں بھی مزاج دار بنتی جا رہی ہیں..... اور اس بے وقوف کو سمجھاؤ..... جسے میرے دروازے سے کان لگا کر کن سوئیاں لینے کی عادت پڑی ہے۔"

بے جی نے اچھا خاصا لیکچر دے دیا..... مارے غصے کے عالیہ دروازہ کھول کر اندر جا گھسیں۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں..... دروازے سے کان لگا کر کن سوئیاں لینے کی۔" بے جی نے معنی خیز نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

وہ جز بز ہو کر بیوی کو دیکھنے لگے۔ تب عالیہ کو جوش جذبات میں ہونے والی غلطی کا ادراک ہوا مگر ڈھیٹ بن گئیں۔

"میں تو ان سے کہنے آئی تھی کہ چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔"

"جب میں آیا تھا..... چائے تب بھی ٹھنڈی تھی۔" جبار احمد نے قدرے غصے سے جتایا۔

"ہاں..... ہاں اب ماں کے سامنے یہ ثابت کریں کہ میں آپ کا خیال نہیں رکھتی۔..... ٹھنڈی چائے پلاتی ہوں۔" وہ چمک کر بولیں۔

"ارے بی بی! پتا ہے..... تمہیں اپنے شوہر کا بہت خیال ہے۔ پر اب کیا وہ ماں کے پاس بیٹھ کر دو گھڑی بات بھی نہیں کر سکتا۔" بے جی نے ناگواری سے بہو کو دیکھا۔

"سو بار کریں..... پر ایک بات یاد رکھیں..... میں ماں ہوں صدف کی..... اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار رکھتی ہوں۔" عالیہ نے تن کر کہا۔

"جم جم کرو..... یہ ایک مشورہ میرا بھی مان لو۔ یہ اوپر اک کنوارخانہ کھول لو..... جو ارادے تمہارے اور تمہاری اولاد کے ہیں۔ اس میں تو کوئی نہیں بیاہی جائے گی۔" بے جی نے جل بھن کر کہا۔

"دیکھا..... دیکھا یہ ہمیشہ سے میری اور میری بیٹیوں کی مخالف رہی ہیں۔ میں بیگانی مگر پوتیاں تو سگی ہیں کیسے بڑے بڑے بول منہ سے نکالے ہیں اگر اگر کوئی بول پورا ہو جائے تو۔" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"ہاں اللہ تعالیٰ نے سارے فرشتے میری مرضی پر تو چھوڑ رکھے ہیں۔"

جبار احمد ساس بہو کو نوک جھوک کرتا چھوڑ کر چپکے سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔ سامنے سارا کو دیکھ کر فوراً" فرمائش کر دی۔

"سارا بیٹی! ایک کپ چائے تو پلاؤ۔"

"چچا جان! آج جوشاندہ نہیں ملا۔"

"شریر۔" انہوں نے گھورا۔ وہ خود ہی عالیہ کی بنائی چائے کو جوشاندہ کہتے تھے..... چائے انہیں صرف سارا کے ہاتھ کی پسند تھی۔ اسے خوب خبر تھی کہ کسے زیادہ پتی والی چائے چاہیے اور کسے زیادہ دودھ والی..... وہ ابھی لاتی ہوں کہہ کر کچن میں چلی گئی..... اور جبار احمد اپنے کمرے میں..... انہیں باقی ماندہ اخبار ختم

کرنا تھا..... ان کی گھریلو معاملات سے اسی لاتعلقی نے عالیہ کو شیر بنا دیا تھا کہ وہ ہر معاملے میں اپنی چلاتی تھیں۔

● ● ●

"ہائے نایاب! تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"

دروازہ نایاب نے ہی کھولا تھا۔ سامنے کھڑی چھوٹی سی گول مٹول سی لڑکی کو قدرے غور سے دیکھا۔ مگر وہ نعرہ لگاتی اس کے گلے آ لگی..... نایاب نے بمشکل خود کو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔

"صبیحہ۔"

اگرچہ وہ پہلے سے موٹی بھی ہو گئی تھی اور کالی بھی، مگر نایاب اپنی کالج فیلو کو پہچان ضرور گئی تھی۔ پرانی سہیلی کو دیکھ کر قدرتی سی خوشی ہوئی۔

"آج میری یاد کیسے آ گئی؟"

"دیکھ لو ہم بھولے نہیں..... آج تو اسپیشل تم سے ملنے آئی ہوں۔"

"ساتھ میں کوئی ہے؟" نایاب نے اسے اندر بلانے سے قبل پوچھا۔

"بھائی چھوڑ کر گئے ہیں..... آدھے گھنٹے تک لینے آئیں گے۔"

"صرف آدھا گھنٹہ.....؟" نایاب اسے اندر لے آئی۔

"ہاں۔" وہ ذرا سا مسکرائی، ہلکا سا شرمائی۔

نیا کو سمجھ میں اگرچہ کچھ نہیں آیا..... پھر بھی وہ اسے لیے بے جی کے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔ جو منتظر نگاہوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"بے جی یہ میری کالج کی سہیلی ہے صبیحہ۔" نیا نے تعارف کروایا۔

"اچھا..... اچھا۔" انہوں نے زور زور سے سر ہلایا۔ پھر دونوں کو غور سے دیکھا قدبت میں دونوں ایک سی تھیں۔

"ماشاءاللہ! سہیلیاں بھی ناپ تول کر بنایا کرتی تھیں۔" وہ زیر لب بڑبڑائیں۔

صبیحہ نے تو سنا یا نہیں..... نیا کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا۔ تبھی گڑبڑا کر صبیحہ کو ساتھ لیے ڈرائنگ روم کی سمت بڑھ گئی۔

"بے جی! کون تھا؟" سارا اندر کے کمرے سے برآمد ہوئی۔

"وہ اپنے جیسا لڈو پیڑا لے کر ڈرائنگ روم میں گئی ہے..... شربت پانی پہنچا دو۔"

بے جی نجانے کس بات پر چڑی بیٹھی تھی..... سارا کچھ نا سمجھی کے عالم میں آگے بڑھی، ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے جھانکا۔ پھر مسکراہٹ دباتی کچن میں گھس گئی۔ صبیحہ سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ کچن میں مسرت اور کرن موجود تھیں۔

"شربت تیار ہے؟" کرن نے بوکھلا کر جگ اس کی سمت بڑھا دیا۔۔۔ غالباً" وہ بے جی سے چوری ان کے فالسے کے شربت پر ہاتھ صاف کرنے آئی تھیں۔۔۔ سارا نے دونوں کو گھورا اور مڑ گئی۔

"مروا دیا باجی! گوڈے گوڈے شرمندہ کروا دیا۔" مسرت خجالت سے بولی۔

"ایسی چھوٹی موٹی باتوں پر شرمندہ نہیں ہوتے۔" کرن نے کندھے پر ہاتھ کر تسلی دی۔۔۔ "آؤ نیا کی حویلی سے مل آئیں۔"

"سارا! تم تو پہلے سے زیادہ پیاری ہو گئی ہو۔" صبیحہ کہہ رہی تھی۔

"میں پہلے بھی خاصی پیاری تھی۔ بہرحال شکریہ۔" سارا اترائی۔

"تمہیں یہی خوش فہمیاں لے ڈوبیں گی۔" نیا کو اس کا اترانا ایک آنکھ نہیں بھایا۔

"حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے اور تمہاری آنکھیں۔۔۔" سارا نے غور سے اسے دیکھا پھر مایوسی سے سر ہلایا۔

"اتنی چھوٹی آنکھوں میں کچھ نہیں سما سکتا۔"

"میری آنکھیں خوابیدہ ہیں۔" نیا تلملائی۔

"نشئی کہو۔ یہ خوابیدہ کی اصطلاح بھی خوب ہے۔"

"تم غالباً" نشیلی کہنا چاہتی ہو۔"

"کہاں؟ ایسا لگتا ہے بھنگ پی رکھی ہے۔ بلاوجہ گول گول گھومتی ہیں۔"

سارا نجانے کس جنم کا بدلہ لے رہی تھی۔ یہ صریحاً" نیا کی بے عزتی تھی مگر وہ صبیحہ کے سامنے اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی سارا نے اس سے کہا تھا۔

"ملکہ عالیہ کو تھوڑا ہلنا منظور ہو تو آج روٹیاں آپ بنا لیں۔"

نیا نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

"ملکہ عالیہ کو ہلنا منظور نہیں ہے۔"

سارا غالباً" اسی بات کا بدلہ لے رہی تھی۔ نیا نے بات بدلنا چاہی۔

"صبیحہ کھانا ادھر ہی کھائے گی۔"

"بھنڈیاں تیار ہیں۔" سارا نے کہا اور گلاس بھرنے لگی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔ میں نے ابھی آدھے گھنٹے میں چلے جانا ہے۔" صبیحہ بوکھلائی۔

"کیوں صبیحہ جان! آدھے گھنٹے میں یہاں بم پھٹنے والا ہے۔" سارا نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

ایک گلاس صبیحہ کے سامنے اور دوسرا اپنے سامنے رکھ لیا۔ کرن اور مسرت ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ چوری بھی کی اور ہاتھ بھی کچھ نہ آیا۔

"سارا! تمہاری اب بھی وہی باتیں ہیں۔" صبیحہ ہنسی۔

"مجھے تو لگتا ہے۔۔۔ چولہے پر ہانڈی چڑھانے کے بجائے یہ خود چڑھ گئی تھی۔" نیا نے کڑے تیوروں

سے سارا کو گھورا۔

"اس جون کی گرمی میں ذرا کچن میں جا کھڑی ہو۔ خود بخود پتا چل جائے گا۔۔۔ ہانڈی چڑھتی ہے یا تم۔"

"یہ بھی تمہاری بہن ہے۔۔۔" صبیحہ نے مسرت کی طرف اشارہ کیا۔

"بہن ہی سمجھ لو۔۔۔ کزن ہے۔۔۔ گاؤں سے آئی ہے۔"

حق ہا۔۔۔ یہ بتانا ضروری تھا۔" مسرت تلملائی۔

"اور سناؤ۔۔۔ کوئی منگنی ونگنی کروائی۔" صبیحہ نے شربت کا گھونٹ بھرا۔

"ہم وہ بیریاں ہیں جس پر تاحال کوئی پتھر نہیں آیا۔" نیا نے حسرت سے آہ بھری۔

"اچھا۔۔۔" صبیحہ کھلکھلائی۔

آنکھوں کی چمک میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ نیا ذرا ٹھٹکی پھر احتیاطاً" پوچھا۔

"تم سناؤ!"

"اسی لیے تو آئی ہوں۔ سوچا تمہیں بھی مٹھائی کھلا دوں۔" اس نے پاس رکھے بلیک شاپر سے مٹھائی کا ڈبہ نکال کر میز پر رکھا۔

"اوہ۔۔۔ میں بھی کہوں تمہیں ہماری یاد کیسے آ گئی۔" (ہمارے زخموں پر نمک جو چھڑکنا تھا۔)

"کون ہیں موصوف؟" (عقل کا اندھا۔)

"کہاں ٹکرا گئے؟" (کس کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔)

نیا نے سوال کیے۔۔۔ آج کل یہ ٹاپک جان جلاتا تھا کہ اس کی ساری سہیلیاں یکے بعد دیگرے منگنی شدہ یا شادی شدہ ہوتی جا رہی تھیں۔

سہیلیاں تھیں بھی تھوک کے حساب سے 'ڈھیر ڈھیر۔۔۔ آدھا کالج اس سے واقف تھا۔ شروع شروع میں بڑے جوش و خروش سے شادیاں منگنیاں اٹینڈ کیں۔۔۔ جب توپوں کا رخ اس کی طرف ہوا اور ہر کسی نے اس سے پوچھنا شروع کیا کہ وہ کب مٹھائی کھلا رہی ہے تب اس کا جوش مدھم پڑ گیا۔

"میرے ماموں کے بیٹے ہیں۔۔۔ ایک دن ہمارے گھر آئے۔۔۔ واپس جا کر کہنے لگے 'شادی کروں گا تو صبیحہ سے۔۔۔ بس آنا" فاناً" رشتہ ہو گیا۔"

"ایک ہی دن میں ایسا کون سا جادو کر دیا۔" نیا نے غور سے سہیلی کو دیکھا۔

نہ آنکھیں نشیلی' نہ چہرے کے خدوخال میں جاذبیت' چہرے کے داغ دھبے باوجود میک اپ کے نظر آ رہے تھے۔

"بس ہماری تو راضی بھی نہ تھیں۔ مگر اس نے منا کر ہی چھوڑا۔"

"مگر ایسا کیا۔۔۔؟" نیا اشتیاق سے اس کے قریب کھسکی۔

"بس۔۔۔ ایک دن ہوا یوں کہ۔۔۔ وہ ہمارے گھر آئے۔۔۔ میں نے نہا کر نیا سوٹ پہنا تھا بال کھلے۔۔۔ تھوڑے سوکھے' تھوڑے گیلے۔۔۔ اس دن یونہی شوق میں تھوڑا میک اپ بھی کر لیا تھا۔"

یونہی شوق میں۔۔۔؟" سارا مسکرائی۔

"چپ کرو۔" نیا جھنجلائی۔ اسے تو وہ راز معلوم کرنا تھا۔ جس سے مقابل ایک ہی ملاقات میں چاروں شانے چت قدموں میں پڑا ہو۔۔۔ پورے خاندان سے ٹکریں لے رہا ہو۔

"پھر۔۔۔؟"

"پھر کیا۔۔۔؟ میں دیوار سے پینٹنگ اتار رہی تھی کہ اس میں سے ٹپاک سے چھپکلی گری اور وہ بھی میرے پاؤں پر۔۔۔ میں جو ڈر کر بھاگی تو سامنے سے وہ آ گئے۔" صبیحہ شرمائی۔

"اور تم بن گئیں 'ان کے گلے کا ہار۔ اس نے پیار سے تمہارے کانپتے وجود کو سنبھالا اور پوچھا "کیا ہوا ڈر گئیں؟" سارا نے اک طویل سانس لے کر واقعہ پورا کیا۔

"ہائے اللہ! تمہیں کیسے پتا چلا۔" مارے حیرت کے صبیحہ اچھلی اور اس کے اس جملے پر باقی تینوں۔

"پچھلے ماہ کا ڈائجسٹ میں نے بھی پڑھا ہے۔ غالباً" موصوف نے نہیں پڑھا اسی لیے دام میں آ گئے۔"

"خوامخواہ ہی۔" صبیحہ نے خاصا برا منایا۔ سارا نے پروا نہیں کی۔

"لیکن۔۔۔ وہ ڈائجسٹ ضرور چھپا دینا۔ کہیں موصوف اس ناول کا اینڈ نہ پڑھ لیں۔"

سارا نے بات ختم کر کے نیا کو دیکھا۔ جو منہ کھولے صبیحہ کو تک رہی تھی۔۔۔ مسرت کے پلے کچھ نہ پڑا البتہ کرن منہ پر ہاتھ رکھے کھی کھی کر رہی تھی۔

"تم منہ کھولے بغیر بھی ہونق لگتی ہو۔"

"ہوں۔۔۔" نیا چونکی۔ جبکہ صبیحہ نے سارا کی باتوں پر توجہ نہ دیتے ہوئے مزید پھندنے ٹانکے۔

"میرے تو مزے ہیں۔ جب سے منگنی ہوئی ہے۔ بلاناغہ میرے لیے کچھ نہ کچھ بھجواتے ہیں۔ کبھی آئس کریم 'کبھی کیک۔۔۔ ایک بار جو ڈبہ کھولا تو کیک پر لکھا تھا۔

"چندا! کبھی مکھڑا تو دکھا دے۔"

"چندا! مکھڑا۔۔۔" نیا کو غش آنے لگے۔

"حوصلے کے ساتھ۔۔۔" سارا نے تسلی دی۔ ساتھ ہی پوچھا۔

"موصوف خود کیسے ہیں؟"

خیال تھا کہ خود بھی یونہی سا ہو گا۔ صبیحہ نے پرس کھول کر تصویر نکالی۔۔۔ جو سب سے پہلے سارا کے ہاتھ آئی۔۔۔ تصویر دیکھ کر خود سارا کا منہ کھل گیا۔ اچھا خاصا خوب صورت 'ویل ڈریسڈ نوجوان تھا۔

"کرتے کیا ہیں؟" سارا نے تصویر نیا کی طرف بڑھائی۔ آخری خیال یہی تھا کہ شاید نکما ہو۔

"ایم بی بی ایس کیا ہے۔ ڈینٹسٹ ہیں۔" نیا کو صحیح معنوں میں قسمت پر اعتبار آ گیا۔ ناصرہ بھی آ گئیں۔۔۔ خوشدلی سے ملیں 'مٹھائی کھائی 'تصویر دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

"لڑکا خوب صورت ہے۔"

صبیحہ شرما گئی۔ پھر دبر بن کر کہنے لگی۔

"آنٹی! اب نیا کے بارے میں بھی سوچیں۔۔۔ ان کے ساتھ کی تقریباً" ساری ہی لڑکیاں بیاہی گئی ہیں یا منگنی شدہ ہو گئی ہیں۔"

"ہائے۔۔۔ کل تک ہماری کیٹگری میں تھی۔ اب "شدہ" ہو گئی ہے تو۔" نیا نے آہ بھری۔

"بس کیا کروں؟ کوئی ڈھنگ کا رشتہ ملے تو۔" بہتیرے نیا نے اشارے کیے۔ بھلا ایسی باتیں سہیلیوں کو بتانے والی ہوتی ہیں۔ مگر کہاں 'ماں آرام سے دکھڑے روتی رہیں۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔ رشتے تو کافی ہیں۔ بس پسند آنے کی بات ہے۔" آخر نیا کو دخل اندازی کرنا ہی پڑی۔

"میرا خیال ہے۔ اب پسند کر ہی لو۔۔۔ معقول رشتے بھی بس اک عمر تک ہی آتے ہیں۔ اب تین سال تو کالج چھوڑے ہو گئے ہیں۔" صبیحہ نے ہلکا سا طنز کیا۔

نیا جتنا بھی تلملا سکتی تھی تلملائی۔۔۔ سارا مسکراتے ہوئے جگ میں بچا شربت پیتی رہی۔۔۔ خدا خدا کر کے صبیحہ بی سدھاریں۔

"کیسے کیسے لوگ ہمارے دل کو جلانے آ جاتے ہیں۔"

سب اٹھ گئے۔۔۔ سارا وہیں نیا کے پاس بیٹھی گنگناتی رہی۔ مگر نیا کے ارتکاز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔۔۔ آخر اسے پکارنا ہی پڑا۔

"کیا سوچتی ہو نیا بی بی!" نیا نے اک طویل سانس لے کر سارا کی طرف دیکھا۔

"صبیحہ کے ساتھ ہونے والے اتفاق پر غور کر رہی تھی۔"

"ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ اتفاق۔" سارا دل کھول کر ہنسی۔ "اتفاق سے نہائی۔۔۔ اتفاق سے میک اپ 'اتفاق سے چھپکلی۔۔۔ اتفاق سے موصوف 'ہاہا۔۔۔ اتفاق سے سارے گھر والے غائب۔۔۔ ہو۔۔۔ ہو۔"

"مگر وہ ڈینٹسٹ گھائل تو ہو گیا نا؟"

"عورت کے وجود میں بڑی کشش ہے۔۔۔ مگر صبیحہ یہ نہیں جانتی۔۔۔ وجود کی کشش عارضی ہوتی ہے۔" سارا ذرا سنجیدہ ہوئی۔

"تم کچھ بھی کہو۔ منگنی تو ہو گئی۔ اور یہاں کوئی آثار ہی نہیں۔" نیا نے آہ بھری۔

"ہاں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت ہے مگر مجھے نہیں۔"

"کیوں بھئی میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔۔۔ یا رشتے دوڑے چلے آ رہے ہیں۔"

"بھئی جہاں حسن 'سلیقہ اور ذہانت یکجا ہوں۔۔۔ وہاں فکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" وہ اپنی لمبی چوٹی پر ہاتھ پھیر کر بے نیازی سے گویا ہوئی۔

"اچھا کون کہتا ہے۔۔۔" نیا نے طنزیہ کہا۔

"سلیقہ گھر والے مانتے ہیں۔۔۔ ذہانت کا گواہ میرا اکیڈمک ریکارڈ ہے اور رہ گیا حسن۔۔۔ تو وہ دیکھنے والے

لی آئلہ میں ہوتا ہے اور تمہاری آنکھیں۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر شرارت سے ہنسی۔

"تم نے صبیحہ کے سامنے بڑی بے عزتی کی۔" نیا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ وہ اطمینان سے کھڑی ہو گئی۔

"تم ڈیزرو کرتی تھیں۔۔۔ اب ملکہ عالیہ کو تو ہلنا بھی منظور نہیں۔۔۔ سو میں دیکھتی ہوں کہ کچن کی پوزیشن کیا ہے؟"

"کمال ہے لوگ ایک ہی دن میں کیسے دوسروں کو پاگل بنا لیتے ہیں۔" وہ بہت دیر تک وہیں بیٹھی الجھتی رہی۔ یہاں تک کہ بے جی کی پاٹ دار آواز آئی۔

"تم کیا وہاں اعتکاف میں بیٹھ گئی ہو۔" وہ ہڑبڑا کر باہر بھاگی۔

● ● ●

اسے یہاں آئے کچھ دن گزر گئے تھے۔۔۔ سب سے زیادہ دوستی کرن کے ساتھ تھی۔۔۔ مگر جس سے وہ سب سے زیادہ متاثر تھی۔۔۔ وہ تھی صدف۔۔۔ بالکل ویسی جیسا اس نے شہر کی لڑکیوں کے بارے میں سوچا تھا۔۔۔ خوش لباس، خوش گفتار تو نہیں کہہ سکتے تھے۔۔۔ کہ گھر والوں کے ساتھ وہ کم ہی باتیں کرتی تھی۔

آزاد، خود مختار کالج سے آتی تو اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔۔۔ بازار تک اکیلی چلی جاتی جو کہ مسرت کے نزدیک خاصی بہادری کا کام تھا۔

مسرت کو اس کا کمرہ بھی بہت اچھا لگتا۔۔۔ نفیس پردے، خوب صورت سنہری اور سبز بیلوں سے سجا کونے میں پڑا اسٹیریو، جس پر وہ انگریزی گانے سنتی۔۔۔ کتابوں سے بھری الماری، جس میں زیادہ تر کتابیں انگریزی ہی کی تھیں۔۔۔ ڈریسنگ ٹیبل پر سجے بہت سے پرفیوم اور دیوار پر لگی اس کی بڑی سی تصویر۔

"پہلے یہ کمرہ حارث بھائی کا تھا۔ پھر صدف آپی نے لے لیا۔" کرن نے اسے بتایا تو وہ چونکی۔

"حارث کون؟"

"چچی کا بیٹا۔۔۔ صدف سے چھوٹے حارث بھائی ہیں۔ پنڈی میں جاب کرتے ہیں۔" تب اسے پتا چلا کہ عدیل اور عمیر ناصرہ خاتون کے بیٹے ہیں۔

"ہیلو! تمہارا دل لگ گیا سونو۔"

وہ دادی کے تخت پر بیٹھی مونگرے صاف کروا رہی تھی۔ جب صدف وہاں چلی آئی سفید کاٹن کا سوٹ جس کے دوپٹے اور قمیص پر سلور تلے کا نازک سا کام تھا۔ سلور ڈوریوں والی خوب صورت چپل۔۔۔ اسے کالج سے آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔

"جی۔۔۔ گوڈے گوڈے لگ گیا۔"

"واٹ۔۔۔"

مسرت نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ کتنا سمجھایا تھا کہ اپنا یہ تکیہ کلام گاؤں میں ہی چھوڑ آنا ہے۔۔۔ مگر زبان تھی کہ پھسل ہی جاتی۔

"جی۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ اچھی طرح لگ گیا۔"

"ایک ہیلو دادی کے سامنے بھی پھینک دیا ہوتا۔" بے جی نے کہا تو صدف ہنس دی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔۔۔ جیتی رہو، اللہ جلد اپنے گھر بار کا کرے۔"

ان کی دعا پر صدف جز بز ہو گئی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی بے جی آج کل اسے گھر بدر کرنے کا مصمم ارادہ کیے بیٹھی ہیں۔۔۔ مگر جب تک اسے اپنے معیار کا بندہ نہ مل جاتا، وہ کیسے ہاں کر سکتی تھی۔۔۔ اور جہاں تک اس کے قائم کردہ معیار کی بات تھی۔ اس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

وہ طویل سانس لے کر بیٹھ گئی۔

"خیر ہے۔۔۔ آج دادی کو اتنی لفٹ کیوں؟" انہیں اپنی اس پوتی سے شکایتیں ہی شکایتیں تھیں۔

"مجھے فروا اور اس کے شوہر کی دعوت کرنی ہے۔" صدف نے ٹو دی پوائنٹ بات کی۔

"بس سہیلیوں کی دعوتیں نبھاتی رہنا۔" بے جی بڑبڑائی۔

"مجھ سے کچھ کہا؟"

"ضرورت کیا ہے۔۔۔ ایسی کون سی رشتے داری ہے۔" انہوں نے حسب توقع اعتراض کیا۔

"ضرورت ہے۔ سب کولیگز کر رہی ہیں۔ مجھے بھی کرنا پڑے گی۔ اگر کوئی پرابلم ہے تو کھانا ہوٹل سے آجائے گا۔"

"کیوں؟ اس گھر میں کیا کھانا نہیں پکتا۔" بے جی نے غصے سے گھورا۔

"تو پھر پرسوں بلا لوں؟"

"جاؤ بی بی! بلا لو۔"

مسرت کو سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔ بے جی اس سے اتنا چڑی ہوئی کیوں ہیں جبکہ بے جی صدف کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک بڑبڑاتی رہی تھیں۔

● ● ●

صبح سے گھر میں ایمرجنسی نافذ تھی۔ صدف نے تو خیر کسی کام کو ہاتھ لگایا نہ تھا۔۔۔ شامت باقیوں کی آئی تھی۔۔۔ نایاب اور سارا کچن میں، کرن ملازمہ کے ساتھ ڈرائنگ روم کی تزئین و آرائش میں۔۔۔ جبکہ عمیر اندر باہر کے چکروں میں کھپ گیا۔ مسرت کچھ دیر کچن میں ساتھ دیتی رہی۔۔۔ مگر عجیب و غریب کھانوں کے عجیب و غریب نام سر پر سے گزر گئے۔

"یہ وائٹ ساس دینا۔۔۔" نیا نے کہا تو وہ ہکا بکا منہ دیکھنے لگی۔

"یا اللہ! کس کی ساس، وہ بھی وائٹ۔۔۔ یعنی کہ سفید۔۔۔"

وہ تو غنیمت ہوا کہ تخت پر بیٹھی کلستی بے جی اٹھ کر کچن کا جائزہ لینے آ گئیں۔۔۔ وہ بہانے سے کچن سے کھسک کر کرن کے پاس ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

بے جی کچھ لمحے ناک پر انگلی رکھے ان خلائی کھانوں کا جائزہ لیتی رہیں۔ پھر ایک ڈش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟" نیا پاستا کے اوپر قیمہ اس پر وائٹ ساس کی تہہ لگا رہی تھی۔

"پاستا ود وائٹ ساس۔"

"حق ہا۔۔۔ تمہارے نصیبوں میں ساس کہاں۔" انہوں نے آہ بھری اور سارا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"تم کیا بنا رہی ہو؟"

"کچومر۔۔۔" وہ بڑی عرق ریزی سے ان انواع و اقسام کی سبزیوں کو باریک باریک کاٹ رہی تھی۔

"ایں۔۔۔ کس کا؟"

"کچومر سلاد بنا رہی ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔

"تھوڑی دیر میں ٹوٹے ٹوٹے بریانی اور دم نکلا قیمہ بناؤ گی۔ کوئی ڈھنگ کی چیز نہیں بنانی۔"

"جیسا میزبان، ویسا مہمان اور ویسا ہی مینو۔" سارا نے آہ بھری۔

"لیڈی ڈیانا خود کہاں ہیں؟" انہوں نے غالباً صدف کا پوچھا تھا۔

"مانجھ رہی ہیں۔"

"آج برتنوں کے نصیب کیسے کھل گئے۔"

"اپنا منہ مانجھ رہی ہیں۔" نیا نے پاستا اوون میں بیک ہونے کے لیے رکھا۔

"ہونہہ۔۔۔ جو مرضی کر لے۔۔۔ رہے گی تو پھیکا گونگلو۔۔۔ سر پر بال، وہ بھی چار، گنجی ککڑی۔" دادی کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

"کون سی ککڑی۔۔۔" سر تا پا لشکتی چمکتی صدف نے عنابی کلر کے سوٹ میں انٹری دی۔

"گنجی؟"

"کیا گنجی۔۔۔"

"وہ بے جی اپنی گنجی مرغی کا قصہ سنا رہی تھیں اور پوچھ رہی تھیں گونگلوؤں کی ڈش نہیں بنائی۔" سارا نے بتایا۔

"گونگلو، مائی گاڈ۔۔۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ "یہ کون کھاتا ہے؟"

"کون جانے؟ کس کا نصیب بنتا ہے یہ پھیکا گونگلو۔۔۔" بے جی نے سر تا پا صدف کو دیکھا اور باہر چلی گئیں۔

"نیا اور سارا کے قہقہے چھت پھاڑ تھے۔ صدف نے انہیں بری طرح گھورا اور بڑبڑائی۔

"بے وقوف لڑکیاں۔"

"ایکس کیوزمی یہ بے وقوف لڑکیاں صبح سے کچن میں آپ کی خاطر کھپ رہی ہیں۔" سارا نے کہا۔ تو وہ بے نیازی سے پوچھنے لگی۔

"سب چیزیں تیار ہیں۔"

"ہاں آپ کے مہمان کب آئیں گے؟"

"بس آدھے گھنٹے تک۔۔۔ اور پلیز۔۔۔ اپنے حلیے بھی درست کر لو۔"

"ہونہہ۔ خود تو کسی چیز کو ہاتھ لگانا منع ہے۔" غصے میں کچومر سلاد کچھ زیادہ ہی کچومر کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

"میں نے کہا تھا۔ کھانا ہوٹل سے منگوا لیتے ہیں۔ تم لوگوں کو شوق ہو رہا تھا کوکنگ کا۔" صدف نے ان کی بڑبڑاہٹ لی تھی۔۔۔ تب ہی خوب صورت سی ناک چڑھا کر بولی۔

"ہمیں نہیں۔۔۔ ہماری امیوں کو۔" نایاب نے وضاحت دی۔

"اب صبح سے کچن میں نہیں جھانکا۔۔۔ آخر ہماری امیاں ہیں کہاں؟"

"تمہیں کیا امیوں کا اچار ڈالنا ہے، جوان لڑکیوں کے ہوتے مائیں کام کریں۔ شرم سے ڈوب مرو۔۔۔ ایسی بات سوچتے ہوئے بھی۔" عالیہ بیگم نے آتے ہی لتاڑ دیا۔

"کپڑے بدلنے ہیں چچی جان۔۔۔ اب ان ماسیوں کے حلیے میں مہمان ریسیو کریں گے۔" سارا نے سلاد میں زیتون شامل کر کے فریج میں رکھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں تم دونوں تیار ہو جاؤ۔۔۔ باقی ہم دیکھ لیں گے۔" ناصرہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"بریانی دم پر ہے۔۔۔ دس منٹ بعد اوون سے پاستا نکال لیجئے گا۔۔۔ کوفتوں پر دھنیا ڈال دیں۔ کباب اور روٹیاں مہمانوں کے آنے پر تل دوں گی۔ چکن کڑاہی اور چکن پیس بالکل تیار ہیں۔" سارا نے جلدی جلدی ہدایات دیں۔

"اور میٹھے میں۔" صدف نے چونک کر پوچھا۔

"رس ملائی اور آئس کریم بازار سے آ جائے گی۔ بھیجا ہے عمیر کو۔" سارا نے تسلی دی۔ باقی کام ماؤں پر چھوڑ کر وہ دونوں تیار ہونے چلی گئیں۔

"باجی! میں کون سا سوٹ پہنوں۔" مسرت نے کرن سے پوچھا۔

"جو مرضی پہن لو۔"

"یہ پہن لوں۔۔۔" اس نے وہی سوٹ نکالا جس کے ساتھ چوڑی دار پائجامہ تھا۔

"ہاں۔۔۔ اچھا ہے۔"

اس نے خوشی خوشی وہی سوٹ پہنا۔۔۔ میک اپ بھی کیا۔۔۔ ٹی وی اور رسالوں نے میک اپ کا سلیقہ

ضرور سکھا دیا تھا..... اماں سے چھپ کر کی گئی پریکٹس بھی کام آئی..... جب اس نے بے حد اہتمام سے اپنی میک اپ کٹ کھولی تو کرن نے ہنسی چھپانے کو رخ بدل لیا۔ مگر جب فارغ ہوئی تو بے اختیار سراہا۔ کوئی بھی چیز چہرے پر تھوپی ہوئی نہیں لگ رہی تھی۔

"واہ، تمہیں تو بہت اچھا میک اپ کرنا آتا ہے۔" مسرت ذرا سا شرما گئی۔ کرن کو ہلکی سی جلن کا احساس ہوا اس کی جسامت قد و قامت بے حد متناسب تھی۔ جو بھی پہنتی سج جاتا۔

"بال کھلے چھوڑ دوں؟"

"نہیں باندھ لو..... بے جی ٹوک دیں گی۔"

مسرت نے دو چار بل دے کر کیچر لگا کر نیچے سے بال کھلے چھوڑ دیے۔ تیار ہو کر نیچے آئیں تو مہمان آ چکے تھے۔ میرون اور اسکن ساڑھی میں چمکتی دمکتی فروا، سفید کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس اس کا سادہ مزاج شوہر، بادامی کڑھائی والا دوپٹہ اوڑھے شفیق سی خاموش طبع فروا کی ساس، سفید بریزے کے خوب صورت لباس میں، فروا کی وہی نند جو شادی پر ملی تھی۔ شادی کی نسبت وہ آج زیادہ پروقار، خوب صورت اور نازک لگ رہی تھی۔ سوٹ کی مناسبت سے سفید نگوں والا کندن کا سیٹ، جس کے ساتھ کڑے بھی تھے۔ جو سونو کو خاصے پسند آئے..... اور نواز شریف، فروا کے جیٹھ..... جو آج بھی صدف کو دیکھ کر بت بن گئے تھے۔

"بھائی جان....." بہن کے ٹہوکے بمشکل انہیں ڈرائنگ روم تک لائے۔

بے جی جو صبح سے بے زار پھر رہی تھیں..... مہمانوں کے آنے پر ایکٹو ہو گئیں..... فروا کی ساس سے مل کر کھل اٹھیں۔ پیچھے سے وہ لوگ بھی گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر جو دونوں کی آپس میں بنی تو بے جی نے کھانے کے لیے ٹیبل تک جانے سے بھی انکار کر دیا۔

"ہم تو یہیں کھانا کھائیں گے۔"

"ہاں..... ہاں، کرسی میز پر تو مجھ سے بھی نہیں کھایا جاتا۔ ٹانگوں میں درد ہونے لگتا ہے۔" ساس صاحبہ نے بھولپن سے بتایا۔ "ہم تو دستر خوان بچھا کر کھانا کھاتے ہیں۔"

لامحالہ انہیں کھانا وہیں دے دیا گیا۔

کھانا خاصے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ نواز شریف اول تو نظریں اٹھاتے نہ تھے۔ اگر اٹھاتے تو جھکانا بھول جاتے۔ بہن صاحبہ ان کے تیور دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

"بھیا! ذرا پانی دیجیے گا۔" بہن نے توجہ بھٹکانا چاہی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا چمچہ اس کی پلیٹ میں رکھ دیا۔

"بھیا! پانی!" وہ جز بز ہوئی..... انہوں نے پوری پلیٹ اسے بخش دی..... دوسرے پل بری طرح اچھلے۔

"کیا ہوا؟" سبھی ایک دم متوجہ ہوئے۔

"ک..... کچھ نہیں۔" انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے بہن کو گھورا۔ جس کی نازک ہیل نے ان

کا پاؤں کچل ڈالا تھا..... باتوں میں مگن صدف اور فروا متوجہ ہوئیں۔

"ارے! آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں۔" صدف نے ان کے سامنے خالی جگہ کو دیکھا۔ پھر بہن کو جو دو پلیٹیں سنبھالے بیٹھی تھی۔

"آپ نے کچھ دیا ہی نہیں۔" صدف کی نظر کرم سے ان کی باچھیں کھل گئیں۔

"سب کچھ سامنے ہی تو ہے۔"

"نظر کہاں کچھ آتا ہے....." انہوں نے ڈونگا اٹھا کر سالن ڈالا۔

"اوہ۔ اسی لیے سالن کی پلیٹ میں فرنی ڈال رہے ہیں۔ غالباً" آئی سائٹ ویک ہے۔" صدف نے افسوس کا اظہار کیا۔

"جی۔" انہوں نے بوکھلا کر پلیٹ پر نظر کی جب کہ صدف مشورہ دے رہی تھی۔

"آپ لینس کیوں نہیں استعمال کرتے؟"

"اب کروں گا۔" انہوں نے مدد طلب نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔

"ان کی آئی سائٹ بالکل ٹھیک ہے۔ بس حواس ذرا اڑے اڑے سے ہیں۔" بہن نے چبا چبا کر کہا۔

"اوہ..... بچپن سے ہی..... یا....."

"نہیں تازہ تازہ حادثہ ہے۔"

فروا نے اشارے سے نند سے "کیا ہوا" پوچھا۔ اس نے جز بز ہوتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

دعوت بہت اچھی رہی۔ باقی لڑکیوں نے کھانا الگ ہی کھایا تھا۔ کھانے کے بعد جب فروٹ، چائے اور کولڈ ڈرنک کا دور چلا تب مرد ڈرائنگ روم میں چلے گئے اور لڑکیوں نے لاؤنج میں ڈیرہ جما لیا..... مسرت عرف سونو نے خاصا انجوائے کیا۔

دعوت بہت اچھی رہی..... بے جی مہمانوں سے مل کر خاصی خوش ہوئیں۔ صدف کے مہمانوں سے متعلق جیسا تصور ان کے ذہن میں تھا مہمان ان سے بالکل مختلف نکلے..... سادہ اور ملنسار۔

"دیکھا..... فروا کے والدین نے خاندانی لوگ تلاشے ہیں۔ روپیہ پیسہ، خوب صورتی سب ثانوی چیزیں ہیں..... لڑکی اپنے گھر کی ہوئی..... ماں باپ بھی ہلکے پھلکے ہو گئے۔"

بے جی مہمانوں کے جانے کے بعد جتانا نہ بھولیں۔ عالیہ غصے میں صدف سے الجھنے لگیں۔

"پورے گھر کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے تو صرف فروا اور اس کے میاں کو انوائٹ کیا تھا..... سب آ گئے تو کیا گھر سے نکال دیتی۔" صدف نے تنک کر کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، اپنے نصیب کا کھا گئے کھانا تو پورا ہو گیا۔ کوئی کمی تو نہیں رہ گئی؟ بے جی نے رسانیت سے کہہ کر پوچھا۔

"جی..... بہت اچھی دعوت ہوئی۔ شکریہ۔"

"توبہ اس لڑکی میں کیسا اوپرا پن ہے۔" بے جی بڑبڑانے لگیں۔

• • •

اگلے دن جب صدف اسٹاف روم میں جب ساری ہی فرینڈز موجود تھیں۔ ہنس ہنس کر سب کو فروا کے جیٹھ کے ہونق پن کے قصے سنا رہی تھی۔ فروزاں جس نے ابھی تک فروا کی دعوت نہیں کی تھی، پوچھنے لگی۔

"اس کے سسرال والے کیسے ہیں؟"

"سادہ، پینڈو سے بندے ہیں۔" صدف نے ناک چڑھائی۔ "ایسے لوگوں میں شادی سے بہتر ہے انسان تنہا زندگی گزارے۔ جن سے آپ کا مینٹل لیول نہیں ملتا۔ ان کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزر سکتی ہے۔"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ خاص طور پر فروا کے شوہر تو بہت شائستہ گفتگو کرتے ہیں۔" صبیحہ نے کہا اس سے قبل کہ صدف مزید کچھ کہتی فروا آگئی۔

"آؤ، آؤ تمہارا ہی ذکر خیر ہو رہا تھا۔"

"پتا ہے محترمہ تبصرے فرما رہی ہوں گی۔" اس نے ہنستے ہوئے صدف کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔۔۔ نواز شریف پر۔" سب ہی ہنس دیں۔

"ایسے تو نہ کہو۔۔۔ اتنے شریف اور بے ضرر سے انسان ہیں۔" فروا نے جلدی سے حمایت لی۔

"ہاں۔۔۔ تھوڑے سے بے وقوف اور حواس باختہ۔" صدف ہنسی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ بہت معقول بندے ہیں۔۔۔ بس آج کل خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"کیسے خواب؟"

"میاں بننے کے۔"

"کس کے میاں۔۔۔" سب نے باجماعت پوچھا۔

"صدف کے۔۔۔" اس نے آرام سے جواب دیا۔

صدف بھونچکی رہ گئی۔

اس کا ہاتھ ٹوکری میں رینگا۔۔۔ پھر خالی ڈنڈیوں کو چھو کر اک طویل سانس بھرتے ہوئے بولی۔

"یار! زندگی میں کچھ بھی نہیں رہا۔"

"اچھا۔۔۔" کرن ٹوکری پر جھکی پھر اک موٹا سا انگور کا دانہ برآمد کر کے چمکی۔

"نہیں۔ ابھی کچھ نہ کچھ باقی ہے۔"

"ہیں۔۔۔ یہ کہاں سے ملا؟" نایاب نے ٹوکری قابو کی مگر تلاش بے سود۔۔۔

"کیسی لڑکیاں ہو؟ انگور کے ایک دانے پر اتنا خوش ہو رہی ہو۔" صدف نے ناگواری سے ناک چڑھائی۔ اس کے ہاتھ میں اک موٹی سی کتاب تھی۔

"انگوروں کے باغ تو ملنے سے رہے۔" کرن نے رسالے پر انگلیاں بجائیں۔

"انسان کو اچھی امید رکھنا چاہیے۔"

"اتنے خوش گمان نہیں کہ اتنے بڑے بڑے خواب۔۔۔"

"اف! یہ قناعت پسند لڑکیاں۔۔۔" صدف بھنا گئی اور ایک لمبا چوڑا انگلش میں لیکچر دے ڈالا۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ آخر ان میں کس چیز کی کمی ہے کہ وہ خواب دیکھنے سے ڈرتی ہیں۔ خواب دیکھنا (بڑے بڑے) اور ان کی تعبیر حاصل کرنا ان کا حق ہے۔ آخر وہ لوگ کیوں ہر چیز کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیتی ہیں۔ یہ جاہلوں کا کام ہے۔ اور وہ لوگ جاہل نہیں۔ کم از کم صدف تو بالکل نہیں۔

"تم سے اچھی تو یہ میٹرک پاس سونو ہے۔ جس کے اندر کچھ بدلنے اور اپنی منوانے کا جذبہ تو ہے۔ اسے شہر میں رہنے کا شوق تھا۔ اپنے گھر والوں سے یہ بات منوائی اور تم لڑکیاں۔۔۔ کنوئیں کی مینڈک۔"

ساری انگریزی سر پر سے گزر گئی۔ مگر آخری جملے اردو میں تھے۔ وہ خوش ہو گئی۔

"جی۔۔۔ بالکل۔۔۔ بالکل۔۔۔"

"کس بات پر بالکل۔۔۔ ہمارے مینڈک ہونے پر۔۔۔" نیا نے گھورا تو مسرت گڑبڑا گئی۔

"نہیں۔۔۔ میں تو۔۔۔"

"صدف! کم از کم آپ گھر کو تو کالج سمجھنا چھوڑ دیں۔ میں کب سے آوازیں دے رہی ہوں اور یہاں لیکچر ختم نہیں ہو رہا۔" سارا اوپر آئی۔ وہ سب اس وقت ٹیرس پر بیٹھی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے لے رہی تھیں۔ جو سیاہ و سرمئی بادل اڑا لائے تھے۔ مگر بادلوں کو شاید کسی اور دیس برسنا تھا۔ سو ہوا کے کھٹولے پر سوار ان کے سروں پر سے گزرتے چلے جا رہے تھے۔

"تو تم پہلے ہی اوپر قدم رنجہ فرما لیتیں۔" نیا نے کہا۔

"تم لوگوں کی طرح فارغ ہوتی تو ضرور فرماتی۔ سارا گھر تو میرے سر پر ہے۔" وہ جھنجلائی کہ کچن میں ہانڈی لگنے کا خدشہ تھا۔

"اب پتا چلا تم گنجی کیوں ہوتی جا رہی ہو۔" نایاب نے غور سے اس کے سر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے سر پر گنج۔۔۔" سارا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اپنے بالوں کے بارے میں خاصی حساس تھی کہ پورے خاندان میں اتنے لمبے، گھنے اور خوب صورت بال کسی اور کے نہ تھے۔

"سارا گھر تمہارے سر پر جو ہے۔ بالوں کے لیے جگہ کہاں بچی ہو گی۔"

"اُفوہ۔" وہ بھنا کر صدف کی طرف مڑی۔ "آپ کو بے جی بلا رہی ہیں۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"پتا نہیں۔۔۔ شاید کوئی بات کرنا ہے۔"

"کون سی بات۔۔۔؟ اس نے ابرو اچکائے۔

"دو کا پہاڑہ سننا ہو گا۔" کرن نے لقمہ دیا۔

"خود ہی جا کر پوچھ لیں۔ میری ہانڈی لگ جائے گی۔" سارا جیسے آئی تھی۔ ویسے ہی چلی گئی۔

"بائیں۔۔۔ پتا کریں، بے جی آپ کو صرف ایک ہی موقعہ پر یاد کرتی ہیں۔ جب کوئی رشتہ متوقع ہو۔"

کرن اور نیا دونوں ہی ہنس دیں۔

"اف۔۔۔ بے جی اور ان کے رشتے۔۔۔ آخر میرا اور ان کا معیار میچ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔"

وہ کتاب ایک طرف رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ صبیح پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ نیچے عالیہ اور ناصرہ باتوں میں مشغول تھیں۔ ناصرہ کے ہاتھ میں کروشیہ کی سلائیاں تھیں۔ وہ سفید دوپٹے پر نفیس سی بیل کاڑھ رہی تھیں۔

"وہ تمہارے لیے کوئی رشتہ لیے بیٹھی ہیں۔ تمہارے باپ کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا ہے۔" عالیہ چھوٹتے ہی بولیں۔

"ان سے کہیں، میرے لیے اتنی زحمت نہ کیا کریں۔"

"رشتے تو بڑے ہی تلاش کرتے ہیں۔ اب اپنے لیے خود تو ڈھونڈنے سے رہیں۔" ناصرہ نے رسانیت سے سمجھانا چاہا۔ وہ کھٹ سے بولی۔

"کیا حرج ہے؟"

"ہیں۔۔۔" ناصرہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ عالیہ بھی جز بز ہو گئیں۔ صدف کو اس جواب کی توقع نہ تھی۔ جبکہ صدف اطمینان سے بے جی کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اپنے پلنگ پر نیم دراز تھیں۔

"جی، بے جی! آپ نے مجھے بلایا۔"

"ہوا کے گھوڑے پر آئی ہو۔ بیٹھ جاؤ۔" بے جی نے تحکمانہ انداز میں کہا تو وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا، ناخنوں کا معائنہ کرنے لگی۔

"بدتمیز ماں کی بدتمیز بیٹی۔" بے جی دل ہی دل میں جلبلائیں۔

"شادی کرنا ہے۔" لہجہ ایسا تھا کہ صدف سمجھ نہ سکی کہ پوچھا جا رہا ہے یا بتایا گیا ہے۔ اس نے حیرت سے بھوئیں اچکائیں۔

"اس عمر میں۔۔۔؟"

"عمر کو کیا ہوا۔۔۔ چند ایک سال اوپر نیچے ہونے سے کیا ہوتا ہے۔" انہیں پوتی پر ترس آ گیا۔

"میرا خیال ہے۔ کافی دیر ہو چکی۔ بہرحال امیدوار کون ہے۔۔۔؟" بردباری سے استفسار کیا۔ "تھوڑی دیر کے بعد انتخابی نشان بھی پوچھ لینا۔ اے ہے۔ میں کوئی سیاست سیاست کھیل رہی ہوں۔ بھلے لوگ ہیں۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔ سوچا ماں تو بے عقل ہے۔ شاید بیٹی کو عقل آ جائے۔۔۔ یہ بھی شکر تھا کہ اسے اپنی بڑھتی عمر کا احساس تو تھا۔

"عمر کیا ہو گی۔۔۔؟"

"تم سے دو چار سال بڑا ہی ہو گا۔" انہوں نے تسلی دی۔

"پھر تو۔۔۔ بالکل ہی نامناسب ہے۔"

"کیا بالکل ہی ننھا منا ہے۔۔۔؟" بے جی تنک کر بولیں۔

"اگر ایسا کوئی خیال تھا تو دادا جان کی وفات کے فوراً بعد ہی۔۔۔"

"ہیں۔۔۔ اس وقت تمہاری عمر ہی کیا تھی۔۔۔؟" نہیں صدف کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔

"میری۔۔۔" صدف نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اے۔۔۔ تو کیا میری۔۔۔؟" وہ جھنجلائیں۔

"تو آپ اپنی بات نہیں کر رہیں۔۔۔" صدف نے حیرت سے دریافت کیا۔

"تیرا دماغ چل گیا ہے۔۔۔" بے جی کئی فٹ اوپر اچھلیں۔ "میں اس عمر میں اپنے سر میں سواہ ڈالوں گی۔۔۔ کیسی بے ہدایتی اولاد ہے عالیہ کی۔۔۔ دماغ ٹھیک ہے۔ عقل ٹھکانے ہے۔ بزرگوں سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی۔"

انہوں نے بے بھاؤ کی سنائیں۔ صدف نے خاموشی سے سن لیں۔ پھر کھڑی ہو گئی۔

"آپ خوامخواہ خفا ہو رہی ہیں۔"

"سب تمہاری ماں کی شہہ ہے۔ اس نے بزرگوں کی عزت کرنا سکھایا ہی نہیں۔ خود کی ہوتی تو ہی اولاد سیکھتی۔"

"خیر امی کے ساتھ تو آپ کی دشمنی خاصی پرانی ہے لیکن میرا مشورہ مانیں۔ اگر آپ کی نظر میں پرپوزل اتنا ہی اچھا ہے تو سارا کی کر دیں۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"تم نے کیا جوگ لینا ہے؟"

"یہ لوگ میرے اسٹینڈرڈ کے نہیں۔" وہ صاف انکار کر کے چلتی بنی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کروں گی۔۔۔ اب تو سارا ہی کی کروں گی۔ یونہی بیٹھی رہنا۔ دیکھوں گی آسمان سے کون سے شہزادے اترتے ہیں۔ مہارانیاں۔۔۔ منہ نہ متھا۔۔۔ جن پہاڑوں لتھا۔۔۔ سارا او۔۔۔ سارا۔۔۔"

بے جی کی آواز ہی ایسی بلند تھی کہ سارا سرپٹ بھاگتی ہوئی آئی۔ دونوں ہاتھ آٹے میں سنے تھے۔

"جی بے جی۔۔۔"

"شادی کرنی ہے۔"

"جی۔۔۔" جہاں سارا بھونچکی رہ گئی۔ وہیں بے جی نے تیزی سے اپنے جملے کی تصحیح کی۔

"تم نے شادی کرنا ہے؟"

"پہلے ہاتھ دھو لوں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بے چارگی سے پوچھا تھا۔

● ● ●

ملازمہ نے واشنگ مشین لگا رکھی تھی۔۔۔ کرن نے سب کمروں سے کپڑے اکٹھے کر کے ڈھیر لگا دیا۔ مریم اور مائرہ کالج جا چکی تھیں۔ صدف بھی تھوڑی دیر قبل ہی گئی تھی کہ اس کا آج تیسرا پیریڈ تھا۔ بے جی نے اس سے بول چال بند کر رکھی تھی۔ صدف کو خاص پروا بھی نہ تھی۔ پہلے کون سا ان کے پاس بیٹھ کر داستان امیر حمزہ سنا کرتی تھی۔ دوسرے پتا تھا بے جی کی یہ ناراضی چند روزہ تھی۔ کچھ دنوں کے بعد دوبارہ اپنی مہم پر نکل کھڑی ہوں گی۔ اگرچہ وقتی طور پر اس نے بے جی کو ٹال دیا تھا۔

کرن اپنے اور مسرت کے لیے چائے بنا کر ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی۔ مسرت کو تو یوں بھی ٹی وی دیکھنے کا شوق تھا۔ یہاں یہ شوق بڑے اچھے طریقے سے پورا ہو رہا تھا۔

"ایسے گھر کہاں ہوتے ہیں۔" اس نے ڈرامے میں دکھائی جانے والی شان دار عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

"خوابوں میں۔۔۔" کرن نے برجستہ کہا۔

"میں سمجھتی تھی شہروں میں سارے گھر ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"نہیں شہروں میں ہم جیسے غریب غربا بھی ہوتے ہیں۔ جو سارا سال دیہاتی رشتے داروں کی طرف سے ملنے والی سوغاتوں کے منتظر رہتے ہیں۔" کرن نے اطمینان سے چائے کا گھونٹ بھرا۔ مسرت قدرے حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیوں شہروں میں یہ سوغاتیں نہیں ملتیں۔"

"پیسہ۔۔۔ مائی ڈیر پیسہ۔۔۔ پیسہ ہو تو ہر چیز دستیاب ہے۔ مگر جہاں بات ہینڈ ٹو ماؤتھ والی ہو وہاں صرف حسرتیں ہیں۔"

"اچھا۔۔۔" وہ کچھ حیران ہوتی اس کی بات پر غور کرنے لگی تب ہی سارا چلی آئی۔ انہیں یوں اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر بے چارگی سے بولی۔

"یہ سگھڑ ہونا بھی مصیبت ہی ہے۔"

"کیوں۔۔۔؟" کرن نے بغیر نظروں کا زاویہ بدلے پوچھا۔

"ایسی عیاشی ہمیں تو کبھی نصیب نہ ہوئی۔" اس نے ٹی وی اور چائے کی طرف اشارہ کیا۔

"اپنی ذات کے لیے تھوڑی بہت ڈنڈی مارنا انسان کا حق ہے۔"

"ہا۔۔۔ سارے حق تمہارے اور سارے فرائض ہمارے کھاتے میں لکھ دیے گئے ہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھرتی فلور کشن کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"نیا کہاں ہے۔۔۔؟"

"کہیں رسالہ کھولے ہیرو پٹانے کی ترکیبیں ڈھونڈ رہی ہوگی۔" کرن ہنس دی۔

"باجی! میں آپ کے لیے چائے بنا دوں۔" مسرت نے آفر کی۔ یہاں کچن میں کھڑے ہو کر کام کرنے کا اپنا ہی مزا تھا۔

"اتنی گرمی میں چائے بے وقوف پیتے ہیں۔"

"تم ہمیں باجماعت بے وقوف قرار دے رہی ہو۔ ویسے میں دیکھ رہی ہوں ذمہ داریاں تم پر بوجھ بننے لگی ہیں۔"

"دل اوب گیا ہے روٹین ورک سے کوئی ایکٹویٹی ہی نہیں۔"

"اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔" کرن نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

مسرت کو ایک دم شفیق یاد آگیا۔ نجانے کیوں؟

"سنو! تم نے کہیں سچ مچ اس مولوی سے شادی کا پروگرام تو نہیں بنا لیا۔" کرن ڈرامہ چائے سب بھول گئی۔

"کیا حرج ہے؟ صراط مستقیم پر چلنے والا بندہ ہے۔ ہمیں بھی سدھار دے گا۔" کرن کو وہ جی جان سے راضی نظر آئی۔

مسرت بھی متذبذب سی سارا کا چہرہ دیکھنے لگی جہاں ازلی سکون ولاپروائی تھی۔

"لیکن۔۔۔" کرن نے الجھ کر کچھ کہنا چاہا۔ پھر خاموش ہو گئی۔

سارا لمحوں میں اس کی الجھن پا گئی۔ اس گھر کی لڑکیاں کہیں نہ کہیں صدف کے خیالات سے متاثر ہونے لگی تھیں۔

"کرن! خواب دیکھو، لیکن خواب پرست مت بنو، زندگی کو حقیقت کے آئینے میں پرکھنا سیکھو۔ میں عام سے گھر کی عام سی لڑکی، کیسے محلوں کے خواب دیکھوں، محلوں میں رہنے والا شہزادہ، کسی شہزادی کا تمنائی نہ ہوگا۔ کوئی پرنس چارمنگ مجھ جیسی معمولی شکل کی لڑکی کا خواہش مند کیوں ہونے لگا۔ میں احساس کمتری میں زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ میں ایسے گھر جانا چاہتی ہوں۔ جہاں میری ضرورت ہو۔ کسی ایسے شخص کا ساتھ، جس کی زندگی میں میرا آنا تبدیلی کا باعث بنے۔ جہاں ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہتی چلی گئی۔

"اچھی زندگی کی خواہش کرنا غلط ہے؟"

"خواہش کرنے اور خواہشوں کے گرداب میں الجھ کر وقت ضائع کرنے میں بہت فرق ہے۔" سارا نے برجستہ جواب دیا۔ کرن فوراً اس کا اشارہ پا گئی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ صدف وقت ضائع کر رہی ہیں؟"

"آئیڈیل کہاں ملتے ہیں۔ کوئی بھی انسان خامیوں سے مبرا نہیں۔ صدف نے آئیڈیل کی تلاش میں کتنے اچھے اچھے رشتے گنوا دیے۔ چچا جان کتنا پریشان رہنے لگے ہیں۔ اسے احساس ہی نہیں۔ کہیں نہ کہیں تو کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔ مگر چچی اور صدف اس کے لیے تیار نہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی نایاب کا ذہن بھی ویسا ہی بن گیا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ مائرہ بھی اسی رستے پر نہ جا پڑے۔ ہمارے والدین کے فرائض پورے ہو جائیں۔ وہ سکھ کی نیند سوئیں۔ اس سے بڑھ کر ہمارے نزدیک کیا ہو سکتا ہے۔ بیٹیاں بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہیں۔ باقی زندگی تو عبارت ہی کوشش اور جدوجہد سے ہے۔ نصیب میں ہوا تو مولوی صاحب کے ساتھ ہی اچھی زندگی گزر جائے گی۔"

وہ آخر میں سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

مسرت ان کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان کی باتوں کے ساتھ اماں کی باتیں بھی گڈمڈ ہونے لگیں۔

نجانے کیوں؟

● ● ●

"توبہ... توبہ... آگ لگی ہے۔" بے جی دروازہ بند کر کے ہانپتی کانپتی لوٹیں تو موٹر سائیکل دھوتا عمیر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں... کہاں...؟" ہاتھ میں پانی والا پائپ بندوق کی طرح تان لیا۔

"سبزی میں... ٹنڈے اور بھنڈیاں۔"

"افوہ..." وہ بھنا کر دوبارہ موٹر سائیکل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مسرت نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا لیا۔ بے جی نے سبزی تخت پر رکھی۔

"بیٹی! کچن سے ٹوکری اور چھری تو لا دو۔"

"بے جی! خدا کے لیے رحم کریں۔ ٹنڈوں کا شوربہ اور بھنڈی کی بھجیا کھا کھا کر پیٹ میں سبزی کا کھیت اگ آیا ہے۔" عمیر نے دہائی دی۔

"تو روز روز گوشت کہاں سے منگواؤں۔"

وہ چڑ کر بولیں۔ مسرت نے کچن سے ٹوکری اور چھری لا کر دی۔

"میں نے جاب اسٹارٹ کی۔ تو پہلی تنخواہ میں بکرا کٹوا کر فریز کروا دوں گا۔" اس نے بڑھک ماری۔

"تب کھا لینا کباب، کوفتے، ابھی تو دال سبزی مل جائے تو شکر کرو... تمہارے باپ کون سا ڈی سی لگے ہیں... اے مسرت! ساجد علی نے اس بار سبزی نہیں اگائی۔ وہ تو کہتا تھا۔ سبزی میں بڑا فائدہ ہے۔"

"جی فائدہ تو ہے۔ پر محنت بڑی کرنا پڑتی ہے۔ انسان گوڈے گوڈے کھپ جاتا ہے۔"

وہ شاپر سے ٹماٹر اور ہری مرچیں الگ کر رہی تھی۔ چار ٹماٹر، پاؤ بھر ہری مرچیں۔ اسے اپنے صحن میں رکھے ٹوکری بھر ٹماٹر اور مرچیں یاد آ گئیں۔ جو اماں آرام سے آس پڑوس میں بانٹ دیتی تھیں۔ سبزی نہ بھی ہو تب بھی ٹماٹر، ہری مرچیں اور پیاز تو ضرورت کے مطابق کاشت ہوتے ہی تھے۔

"ہاں... بغیر محنت کہاں کسی کو کچھ ملا ہے۔ پچھلی گرمیوں میں ساجد علی کئی بار سبزی دے گیا تھا۔ کیسی سہولت ہو گئی تھی۔"

"آپی! دیسی مرغیاں بھی ہوں گی...؟" عمیر نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں... دس گولڈن اور تین مصری۔"

"واہ! تو درجن بھر انڈے ہی منگوا لیں۔"

"تو نے کیا بچے نکلوانے ہیں۔" بے جی نے گھورا۔

"میں نے تو احتیاطاً کہا ہے... شاید گوشت کی طرح انڈوں پر بھی بین لگ جائے گا۔" اس نے بائیک چمکاتے ہوئے لاپروائی سے کہا تو بے جی چپ ہو گئیں۔

"کیا کروں... لڑکیاں بھی بیاہنی ہیں۔ یہ جوڑ توڑ نہ کروں تو تولہ بھر سونا بھی نہ پہنا سکوں۔ تمہاری ماؤں کو فکر نہیں۔ سارا کچھ میرے ہی سر ہے۔"

"تو نہ بنائیں سونا۔ پیتل کے دو پراٹ جو رکھے ہیں آپ کے جہیز کے۔"

"ہاں... ہاں... بہنوں کو پیتل پہنا کر رخصت کرنا۔ تم سے یہی امید ہے۔" تب ہی کال بیل نے بے جی کی زبان کو بریک لگا دیا۔

"اس شہزادی کے نخرے اٹھا لیے ہوں تو باہر دیکھ لینا اور تم کہاں دگڑ دگڑ کرتی پھر رہی ہو..." انہوں نے قریب سے گزرتی مانو کو پکڑ لیا۔ "ہزار بار کہا ہے کہ یوں لور لور مت پھرا کرو... کتاب لے کر اسرار کے پاس ہی بیٹھ جایا کرو۔ خیر سے اور تو کسی کے پاس فرصت نہیں۔ وہ بھلا مانس انگریزی تو پڑھا دیتا ہے۔"

"مجھے نہیں اس سے پڑھنا۔ آتا جاتا خاک نہیں ہے۔ خوامخواہ کے رعب..." مانو بسوری۔

"ہاں تو بڑی افلاطون ہے۔ یاد رکھ بارہویں کلاس کی طرح اس بار بھی انگریزی میں فیل ہوئی تو گھر بٹھا لوں گی۔"

مسرت کے سامنے اس انکشاف پر مانو جز بز ہوتی وہاں سے غائب ہوئی۔

"بے جی کچھ خواتین آئی ہیں۔" عمیر نے اعلان کیا۔

"ارے... وہی قطرے پلانے والی ہوں گی۔ کہہ دو ہمارے گھر کوئی بچہ نہیں۔ اس دن بھی آئی تھیں، جان کو آ گئیں۔ اب نہیں ہے بچہ تو کیا میں قطرے پی لوں۔" انہوں نے تپ کر کہا۔ عمیر آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ عجیب و غریب اشارے کر رہا تھا۔

"تو نے یہ کیا آنکھیں مٹکانا شروع کر دی ہیں۔ کیا آنکھ میں کچھ..." تب ہی زبان کو بریک لگ گئی۔ وہ کچھ حیران سی اندر آتی فروا اور اس کی ساس کو دیکھنے لگیں۔ جن مہمانوں کو بلانے میں صدف نے تھر تھلی مچا رکھی تھی۔ آج وہ چپ چاپ ہی چلے آئے اور صدف نے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ بلکہ وہ معمول کے مطابق کھانا وانا کھا کر اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھی۔

"السلام علیکم! معذرت چاہتے ہیں بنا بتائے ہی چلے آئے۔" فروا کی ساس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ جہاں بے جی ان کی پذیرائی کو اٹھیں۔ وہیں مسرت نے جلدی سے ٹماٹر تخت پر رکھے اور کھڑی ہو گئی۔

"حد کرتی ہیں بھین جی... آپ کا اپنا گھر ہے۔ جم جم آؤ... مسرت بیٹی مہمانوں کو مہمان خانے میں لے جاؤ..." بے جی ان سے گلے ملیں۔ فروا کو پیار دیا۔ خود اپنی چپل تلاشنے لگیں۔ مسرت نے جلدی سے جھک کر تخت کے نیچے سے ان کے چپل نکالے... سیدھی ہوئی پھر ہکا بکا رہ گئی۔ مہمان خاتون تخت پر بیٹھ چکی تھیں۔ تخت پر نہیں ٹماٹروں پر...

"میں تو یہیں آپ کے پاس ہی بیٹھوں گی۔"

"ہاں... ہاں کیوں نہیں... یہ سبزی اٹھاؤ... مسرت... یہاں ٹماٹر تھے..."

"اب... نہیں ہیں۔"

"کیا بنا...؟"

"کیچپ۔۔۔"

فروا کی ساس کو ناگہانی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ اٹھنے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھیں۔ فروا نے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ نیا آ گئی تھی۔ آنکھیں پھاڑے تخت پر بنے ٹماٹروں کے کچومر کو دیکھ رہی تھی۔

"آنکھیں نہ پھاڑو۔۔۔ جا کر خالہ کی قمیص دھلواؤ۔" بے جی نے جھنجلا کر ڈانٹا۔ فروا مسکراہٹ دباتی ساس کو نیا کی معیت میں واش روم لے گئی۔ مسرت نے جلدی جلدی تخت پوش سمیٹا۔

"جاؤ صدف کو بتا دو۔ اس کی سکھی آئی ہیں۔" بے جی خود ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔ جسے وہ کبھی بیٹھک کہتی تھیں۔ تو کبھی مہمان خانہ۔

مسرت جلدی سے صدف کے کمرے کی طرف بھاگی۔ بند دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"یس۔۔۔" کچھ توقف کے بعد صدف کی آواز آئی۔ گویا وہ سوئی نہیں تھی۔ کمرے کی نیم تاریک فضا میں ٹھنڈک سی گھلی ملی تھی۔ فل اسپیڈ سے چلتے پنکھے کی وجہ سے ریشمی پردے سرسرا رہے تھے۔ اسٹیریو پر ہلکی آواز میں کوئی انگریزی گانا بج رہا تھا۔ خود وہ بیڈ پر کسی مغرور شہزادی کی طرح نیم دراز تھی۔ ایسے خوابیدہ ماحول میں مسرت کی آنکھیں کھڑے کھڑے بند ہونے لگیں۔

"خیریت۔" صدف کی آواز ابھری۔

"جی۔۔۔ آپ کی سہیلی آئی ہیں۔"

"کون۔۔۔؟" صدف نے ریموٹ سے اسٹریو بند کیا۔

"وہی جن کی دعوت کی تھی۔۔۔"

"فروا۔۔۔؟" صدف نے حیرت سے پوچھا۔ مسرت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ساتھ کون ہے۔۔۔؟"

"ان کی ساس۔۔۔"

سلوٹیں کچھ اور گہری ہوئیں۔

"آتی ہوں۔۔۔" دونوں آگے پیچھے ہی نیچے آئیں۔ نیا پر جوش سی بیٹھک سے نکلی تھی مسرت اسے دیکھ کر رک گئی۔ جبکہ صدف اندر چلی گئی تھی۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" مسرت نے اس کا جوش دیکھ کر پوچھا۔ نیا نے زور سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"رشتہ آیا ہے رشتہ۔"

اور اسے وہیں چھوڑ کر پچھلے صحن میں بھاگ گئی۔ جہاں ناصرہ اور عالیہ بیٹھی تھیں۔

"امی جی۔۔۔! رشتہ آیا ہے۔"

"شکر ہے۔۔۔ گھنٹے بھر سے انتظار کر رہی ہوں۔ عدیل بھی جا کر بیٹھ ہی جاتا ہے۔"

عالیہ نے جلدی جلدی چپل پہنی۔۔۔ پاس پڑی نئی چادر اٹھا کر اوڑھنے لگیں۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں۔۔۔؟" نیا نے حیرت سے پوچھا۔

"رکشہ نہیں آیا۔۔۔ ذرا بازار تک جا رہی ہوں۔۔۔"

"امی جی! رکشہ نہیں۔۔۔ رشتہ آیا ہے۔۔۔ صدف کا۔"

"ایں۔۔۔" وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔ مڑ کر ناصرہ کو دیکھا' پھر بیٹی کو گھورا۔

"اب کیا خوابوں میں بھی رشتے دیکھنے لگی ہو؟"

"اُفوہ! آپ نے تو مجھے بالکل ہی پاگل سمجھ لیا ہے۔ فروا آئی ہے۔ اپنے جیٹھ کا رشتہ لے کر۔۔۔"

دیورانی' جٹھانی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر لشتم پشتم ڈرائنگ روم کی طرف لپکیں۔ جہاں فروا کی ساس دو رنگ کے کپڑے پہنے اپنے سب سے بڑے بیٹے کا رشتہ پیش کر رہی تھیں۔ قمیص غالباً" بے جی کی تھی۔ انہیں جلدی اور جوش اتنا تھا کہ زیادہ تمہید بھی نہ باندھی تھی۔

"مجھے تو یوں لگتا تھا کہ میں یہ حسرت دل میں لے کر قبر میں جاؤں گی۔ کسی طرح مانتا بھی نہ تھا۔ آج ذکر کیا تو میں فروا کو لے کر بھاگی چلی آئی۔ آپ کے گھرانے سے مل کر ویسے بھی دل خوش ہو گیا تھا۔ ایک منٹ بھی سوچنے میں نہ لگا۔ بس آپ مایوس مت کیجئے گا۔ میرے بیٹے میں کوئی اخلاقی برائی نہیں۔ بہت فرمانبردار اور ذمہ دار ہے۔ نہ سگریٹ پان' نہ زیادہ دوست احباب' باقی جو معلومات آپ کروانا چاہیں۔۔۔" وہ ساری بات کر کے منتظر نگاہوں سے بے جی کو دیکھنے لگیں۔ فروا وہاں نہیں تھی۔ یقیناً صدف اسے اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔ بے جی کا بس نہ چلتا تھا کہ فوراً" ہاں کہہ دیں۔۔۔ مگر ہائے بے بسی۔۔۔ انہوں نے عالیہ کی طرف دیکھا۔ وہ چپ تھیں۔ ظاہر ہے صدف سے مشورے کے بغیر وہ کہہ بھی کیا سکتی تھیں۔

"بہن جی! ہم سوچ کر' باہمی مشورے سے ہی کچھ کہہ سکیں گے۔ یوں بھی بیٹیوں کے معاملے میں اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہوتی۔" بے جی نے بردباری سے کہا۔

"آپ اچھی طرح تسلی کر لیں۔۔۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔ "ان شاء اللہ آپ کی بیٹی کو وہاں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ بے شک فروا سے پوچھ لیجئے گا۔ اسی گھر میں رہتی ہے ماشاء اللہ خود مختار اور خوش باش ہے۔ میں تو یوں بھی بہوؤں کے معاملے میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرتی۔"

پر تکلف چائے کے بعد انہوں نے رخصت چاہی۔ تو صدف کمرے سے باہر نہیں آئی اور فروا سنجیدہ سی تھی۔

"لگتا ہے اللہ نے ہماری سن لی۔ بظاہر تو اس رشتے میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ گھرانا بھی اچھا لگتا ہے۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ لڑکا بھی انجینئر ہے۔ اب اور تمہاری بیٹی کو کیا چاہیے ہو گا۔" بے جی بے حد خوش تھیں۔ خوش تو عالیہ بھی تھیں مگر صدف کی وجہ سے معترض تھیں۔

"پوچھنا تو پڑے گا۔" عالیہ نے چپکے سے کہا۔

"ہاں نا۔۔۔ پوچھیں گے۔ اب کے انکار نہیں کرے گی۔ آخر سہیلی رشتہ لائی ہے۔ کالج میں کوئی صلاح مشورہ کیا ہی ہو گا۔ بس رب یہ تینوں رشتے پکے کر دے تو میں تو سرخرو ہو جاؤں۔" وہ ان کے جانے کے بعد ہلکی پھلکی سی ہو گئی تھیں۔

تب ہی مسرت بھاگی چلی آئی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔

"بے جی..... مہمان چلے گئے؟"

"ہاں..... ہاں..... چلے گئے۔ میرا تو بس نہ چلتا تھا۔ ہاں کہہ کر مٹھائی کی ٹوکری ساتھ ہی بھیج دوں۔"

"توبہ ہے بے جی! اب میری بچیاں اتنی بھی بھاری نہیں کہ یوں جھٹ پٹ بغیر سوچے سمجھے ہاں کہہ دیں۔" عالیہ کو برا لگا۔

"بس کرو' کون بغیر سوچے سمجھے ہاں کہہ رہا ہے۔ پوتی ہے میری' کسی جہنم میں تو دھکا نہیں دوں گی۔" انہوں نے ناگواری سے کہا۔

"بے جی! مہمان....." اس سے قبل کہ دونوں کی بحث شروع ہو جاتی۔ مسرت بول اٹھی۔

"تو نے کیا مہمانوں کا اچار ڈالنا ہے۔" وہ جھنجلائیں۔

"وہ یہ چھوڑ گئی ہیں۔" مسرت نے ہاتھ میں پکڑی چیز لہرائی۔

"ہائے میری نوی نکور قمیص۔" بے جی نے دہائی دی۔

"مسرت کے ہاتھ میں فروا کی ساس کی قمیص لہرا رہی تھی۔ وہ اسی دو رنگ کے لباس میں چلی گئی تھیں۔

● ● ●

"یہ نہیں ہو سکتا۔" صدف نے بغیر لگی لپٹی رکھے صاف انکار کیا..... تو ایک بار سب اہل خانہ چپ کے چپ رہ گئے۔ بے جی نے پہلی بار پریشان ہو کر پوتی کی شکل دیکھی۔ گویا اس کا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آج تک وہ رشتے اس لیے ٹھکراتی رہی کہ کم تعلیم یافتہ شخص سے شادی نہیں کروں گی۔ اب فروا کے جیٹھ کا رشتہ تو کوئی غیبی مدد ہی لگا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اب کہ صدف انکار نہیں کر سکے گی کہ رشتہ اس کے "معیار" کا تھا۔ تھوڑا سا شک یہ بھی تھا کہ اس میں صدف کی مرضی بھی شامل ہو گی کہ سہیلی اس سے مشورہ کیے بغیر تو اپنے سسرال والوں کو بھیجنے سے رہی جبکہ حقیقت یہی تھی کہ فروا نے اس کے ہزار ہا اعتراض کے باوجود اگر یہ کام کیا تو صرف اپنے جیٹھ کی حالت زار دیکھ کر..... کہ انہیں اپنی عمر کے سنہری' خوبصورت سال ضائع کرنے کے بعد اپنا آئیڈیل صدف کی صورت ملا تھا۔

"کیوں....." خود عالیہ کو اس رشتے میں کوئی خاص برائی نظر نہ آئی تھی۔

"مجھے نہیں پسند۔" اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

"وجہ.....؟" بے جی نے کمال ضبط سے کام لے کر وجہ پوچھی۔

"بس' نہیں پسند۔ ال منڑ لوگ ہیں۔"

"کیا ہیں؟" بے جی کے پلے کچھ نہ پڑا۔

"ٹیبل منرز تک نہیں آتے۔" صدف نے مزید ناک چڑھائی۔

بے جی نے وضاحت طلب نگاہوں سے مریم کو دیکھا۔

"کھانے پینے کے آداب۔" اس نے تشریح کی۔

"وہ کیا ناک سے کھا رہے تھے؟"

"موصوف سالن کی پلیٹ میں فرنی ڈالے بیٹھے تھے اور ساس صاحبہ ہاتھوں سے کھا رہی تھیں۔"

"کس کی ساس؟" مانو نے چونک کر پوچھا۔

"فروا کی اور کس کی۔" اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھریں۔

"میں سمجھی آپ کی ہونے والی ساس۔" دبی دبی ہنسی ابھری۔

"جسٹ شٹ اپ۔ خبردار جو کسی نے مجھ سے اس رشتے کے بارے میں بات بھی کی ہو۔" وہ جھٹکے سے اٹھی اور کھٹ کھٹ کرتی واک آؤٹ کر گئی۔

"تمہیں کس نے کہا تھا دخل دینے کو۔"

"میں تو....."

"جاؤ' دیکھو اسرار آ گیا ہو گا' اس کے لیے کھانا نکال دو۔"

"ہونہہ..... میں کیوں نکالوں اس کھڑوس کے لیے کھانا۔" اسرار کے لیے اس کا غصہ ابھی تک مدھم نہیں ہوا تھا۔ سو چپکے سے اوپر کھسک گئی۔

"تمہاری لڑکی کا دماغ الٹ گیا ہے۔" بے جی کو صدف کے انکار سے ٹھیک ٹھاک شاک لگا تھا۔

"جب اس کا دل نہیں تو کیوں مجبور کرتی ہیں۔" عالیہ نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"کچھ عقل سے کام لو عالیہ! ہم کہاں کے رئیس ہیں۔ آج کل تو یوں ہی اچھے رشتوں کا کال پڑ گیا ہے۔ ایک بیٹا جو گھر سے دور اپنی جان کھپا رہا ہے۔ کھانے دانے کی کیسی تنگی دیکھ رہا ہے۔ اس انتظار میں کہ بہنوں کا بوجھ کم ہو تو اپنا گھر بسانے کے بارے میں سوچے۔ گھر سے باہر سو مشکلیں' سو مصیبتیں اکیلی جان کو چمٹی رہتی ہیں۔ اس کا صبر مت آزماؤ۔ کل کو اپنے بارے میں خود ہی سوچ لے گا کہ ماں کو تو پروا ہی نہیں۔ نواز' جبار کی تنخواہوں میں تو گھر کی دال روٹی ہی بمشکل چلتی ہے۔ زندگی موت خدا کے ہاتھ' جیتے جی اپنی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو جائیں۔ یہی سمجھ دار والدین کا وتیرہ ہے۔"

بے جی نے مکمل سنجیدگی سے عالیہ اور خاموش بیٹھے جبار کو سمجھایا۔

"اب کیا زبردستی کریں' جب نہیں مانتی۔" عالیہ ان ماؤں میں سے تھیں جو اولاد کو کبھی غلط نہیں کہتیں۔

"برائی کیا ہے۔ پڑھا لکھا' سمجھ دار' برسر روزگار لڑکا' ایسی اچھی فیملی..... اب چھری کانٹے سے کھانا نہیں کھایا تو انکار کر دو' ہے کوئی تک؟ ساری عمر اس جبار کو تو کانٹا پکڑنا نہیں آیا۔ کسی ہوٹل کا بیرا ڈھونڈ لو۔ کم از کم چھری کانٹا پکڑنا تو آتا ہو گا۔"

بے جی چڑ گئیں۔ انہیں تجمل کا پرپوزل سو جان سے پسند تھا۔ اس کی ماں پر پہلے ہی فریفتہ تھیں۔ ان سے ملنے کے بعد بار بار کہتی تھیں۔

"کیسی سادہ مزاج اور نیک اطوار کی عورت ہے۔"

"جبار احمد! تمہاری بیٹیوں کے دماغ ساتویں آسمان پر ہیں' انہیں زمین پر اتارو' ورنہ پچھتاؤ گے۔"

"تم صدف سے بات تو کرو۔" انکار کی کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔" جبار نے بیوی سے کہا۔ رشتہ انہیں بھی پسند تھا!

"اسے پسند نہیں۔" عالیہ نے جز بز ہو کر کہا۔

"لولا لنگڑا ہے یا اندھا کانا۔" بے جی نے چمک کر پوچھا۔

"پتا نہیں۔ آپ کے سامنے ہی انکار کر کے گئی ہے۔" عالیہ نے دامن چھڑایا۔

"دیکھو جبار احمد!" بے جی نے سنجیدگی سے بیٹے کو دیکھا۔ "یہ آخری بار ہے' اس کے بعد تم دونوں جانو اور تمہاری اولاد۔ میں نے ہاتھ اٹھالیا' اور ناصرہ۔" انہوں نے خاموش تماشائی بنی بڑی بہو کو مخاطب کیا۔ "تم اور نواز تیار رہنا' اتوار کو ہم دونوں رشتے دیکھنے جا رہے ہیں' کرن اور سارا کے لیے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"نہیں اماں!" ناصرہ بوکھلائیں۔

"لڑکیوں کی تصویریں میں نے بھجوائی تھیں۔ دونوں گھروں سے مثبت جواب ملا ہے۔ لڑکوں کی تصویریں رکھی ہیں۔ تم نے دیکھ لیں' نواز کو بھی دکھا لینا۔ باقی بات چیت اور رہن سہن کا اندازہ ملنے جلنے سے ہو جائے گا۔ اگلی اتوار کو انہیں بلا لیں گے۔ لڑکیوں سے بھی پوچھ لینا' بعد میں نہ اعتراض کریں۔"

"نہیں بے جی! وہ بھلا کیوں اعتراض کریں گی۔"

"خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔" انہوں نے عالیہ پر ایک تیز نظر ڈالی۔ وہ کلس کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

"تم بھی تیار رہنا' ساتھ جانا ہے۔" انہوں نے خاموش بیٹھے بیٹے سے کہا تو وہ "جی" کہہ کر کھڑے ہو گئے۔

"کاٹھ کا الو' بیوی کا غلام۔" وہ پیچھے بڑبڑاتی رہ گئیں۔ تب ہی اسرار چلا آیا۔

"بے جی! آج کیا سب کا روزہ ہے؟"

"کیوں؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا پھر چونکیں۔ "تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" اسرار نے بے چارگی سے نفی میں گردن ہلائی۔

"لو سنو' دن کدھر کو گیا اور بچہ بچارہ ابھی تک بھوکا پیاسا بیٹھا ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک نکمی لڑکیاں ہیں عالیہ کی۔ سانو۔۔۔ اری او سانو۔۔۔"

"بے جی! میں نکال دیتی ہوں۔" مریم جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

● ● ●

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم نے تجمل بھائی کو انکار کیوں کر دیا۔"

پیپسی کا گھونٹ بھر کر فروا نے کچھ تاسف سے کہا تو صدف کی صبیح پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ وہ صبح سے فروا کے ساتھ ڈھنگ سے بات ہی نہیں کر رہی تھی۔ اب بھی فروا اور فروزاں اسے فری پیریڈ کی وجہ سے زبردستی کھینچ کر کینٹین لے آئیں۔ کالج کی کینٹین کے عقب میں یہ چھوٹا سا باغیچہ لیکچرارز کے لیے مخصوص تھا۔ وہ سایہ دار درختوں کی چھایا میں کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ کینٹین کا چھوٹا کچھ لمحے قبل ہی ان کے سامنے گرما گرم سموسے' رائتہ کے ساتھ رکھ گیا تھا جبکہ شامی کباب انجم گھر سے بنا کر لائی تھی۔

"انکار کر دیا۔" انجم کی چیخ نما آواز نکلی۔ "ہائے ظالم۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا۔ کچھ ہم سے کہا ہوتا' کچھ ہم سے سنا ہوتا اور کچھ نہیں تو مشورہ ہی طلب کیا ہوتا۔"

"انجم! ایک مشورہ مانو گی۔" صدف نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"کہو۔" وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"کم بولا کرو۔"

"نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں۔" انجم برا مان گئی۔

"صدف! تجمل بھائی بے حد نفیس انسان ہیں۔" فروا اپنے جیٹھ کا مقدمہ لڑنے کے لیے بالکل تیار تھی۔ "مجھے اس گھر میں گئے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے لیکن میں تمہیں ان کے بارے میں۔۔۔"

"فروا! پہلی بات' تمہیں اپنے سسرال والوں کو مجھ سے مشورہ کیے بغیر اس مقصد کے ساتھ میرے گھر نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔ دوسری بات کہ وہ مجھے بالکل پسند نہیں۔"

صدف نے صاف گوئی سے کہا۔ "وہ یقیناً اچھے انسان ہوں گے مگر میرے مطلب کے نہیں ہیں۔"

"صدف! وہ کہتے ہیں کہ انہیں اک طویل انتظار کے بعد اپنی آئیڈیل لڑکی نظر آئی ہے۔"

"لیکن وہ میرے آئیڈیل کے پاسنگ بھی نہیں۔" صدف نے برجستہ کہا۔

"ان کی پرسنالٹی کی وجہ سے انکار کر رہی ہو۔" فروزاں نے اندازہ لگایا۔

"ہاں۔۔۔ لائف پارٹنر ایسا تو ہو کہ کسی سے متعارف کرواتے ہوئے فخر کا احساس ہو نہ کہ احساس کمتری کا۔"

"ظاہر پر مت جاؤ۔" ناجیہ نے ان کی گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی ابھی پیریڈ لے کر آ رہی تھی۔ اس کی شادی کو کچھ ہی ماہ گزرے تھے۔

"یہ تم کہہ رہی ہو' تم نے دانیال کا انتخاب اس کی پرکشش شخصیت کی بنا پر ہی کیا تھا۔ باوجود اس کی معمولی جاب کے۔" صدف نے طنزاً کہا۔

"میں نے کسی ایک مقام پر تو سمجھوتا کیا' تم تو آئیڈیل ازم کا شکار ہو۔ جاب اعلا' پرسنالٹی زبردست' گھر شاندار۔ اپنی شرائط میں تھوڑی کمی کرو صدف بی بی۔"

"آخر مجھ میں کس چیز کی کمی ہے جو میں سمجھوتا کروں۔" صدف نے تنک کر کہا۔ ناجیہ نے اسے بغور

دیکھا اور مسکرا دی۔

"کسی چیز کی نہیں، لیکن لوگ جب "کمیاں" گنوانا شروع کرتے ہیں تو دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

"بہرحال میں کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی جس کا مذاق میری فرینڈز بھری محفل میں اڑا چکی ہوں۔" صدف کے دو ٹوک لہجے پر سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ پھر انجم نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

"فروا! تم اپنے جیٹھ کی توجہ کا رخ میری طرف کیوں نہیں موڑ دیتیں۔"

"ضرور..... مگر وہ کہتے ہیں، میری زندگی میں اگر کوئی لڑکی آئی تو وہ صدف کے سوا کوئی اور نہ ہوگی۔" فروا نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔

"اوہ پہلی نظر کی محبت۔" انجم نے ہونٹ سکوڑے جبکہ صدف نے ایک ناگوار سی نگاہ اس پر ڈالی اور اٹھ کر چلی گئی۔

● ● ●

دونوں گھروں میں رشتوں کی بات چیت خوش اسلوبی سے پروان چڑھی۔ بے جی بہت خوش تھیں۔

"ارے بھئی فون دو، میں زارا اور سدرہ کو بتاؤں۔" جیسے ہی منگنی بلکہ منگنیوں کے دن و تاریخ طے ہوئے، ویسے ہی گھر میں تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔

مسرت نے فون لا کر ان کے قریب رکھا۔

"یہ باقی لڑکیاں کہاں غائب ہیں۔ یہ پاس ہی ڈائری پڑی ہوگی، ان میں سے نمبر ڈھونڈو۔"

وہ سعادت مندی سے نمبر ڈھونڈ کر ملاتی رہی۔ بے جی نے دونوں کو اس کے سسرال والوں سمیت بلوایا تھا۔

"لیکن کوشش کرنا، اکیلی ہی چلی آؤ۔ ہم نے کوئی دھوم دھڑکا نہیں کرنا۔ بس ہلکی پھلکی سی رسم ہونا ہے۔" آخر میں دبی زبان میں تاکید کی۔ مسرت نے بمشکل ہنسی روکی۔

"ہاں خوامخواہ کے خرچے..... میں تو ویسے ہی اس منگنی کے خلاف ہوں۔ خاندانی لوگوں میں تو زبان ہی سب کچھ ہوتی ہے۔"

دونوں گھروں میں فون کر کے ریسیور مسرت کو تھما دیا۔ اس نے ابھی کریڈل پر ڈالا ہی تھا کہ وہ دوبارہ بج اٹھا۔ بے جی ایکدم اچھل پڑیں۔

"ہیئے..... کیا ہی صور اسرافیل ہوگا۔"

مسرت نے ریسیور اٹھا کر ان کی طرف بڑھایا۔

"ہاں..... ہاں ساجد علی کیسے ہو؟"

"شکر ہے اللہ کا۔"

"ہاں، یہاں پاس ہی بیٹھی ہے۔" تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد انہوں نے ریسیور مسرت کی طرف بڑھا دیا۔ "تمہارا باپ ہے۔"

"جی ابو جی، السلام علیکم۔"

"تو آتو سہی، تیرے گوڈے گٹے توڑ کر گھر میں بٹھاؤں گی۔" وہ اچھل ہی پڑی۔ ریسیور اماں کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ مسرت نے بوکھلا کر بے جی کو دیکھا، وہ اسی کی طرف متوجہ تھیں۔ اس کی بوکھلاہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"جی اماں..... جی..... میں خیریت سے ہوں۔"

"تیری خیریت اسی میں ہے کہ تو دو دن کے اندر اندر گھر آجا۔"

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ ہاں جی، میرا بھی دل لگ گیا ہے۔"

"تیرے دل کو حلال کر کے رکھ دوں گی۔ ایسی بے شرم لڑکی ہے، ہفتے کا کہہ کر گئی تھی، اب مہینہ ہونے کو آیا، واپسی کا نام ہی نہیں۔ یہ بھی خیال نہیں کہ بوڑھی ماں اکیلی ہڈیاں گھسا رہی ہوگی، وہیں مری ہوئی ہے۔ نہ باپ کو پروا ہے نہ بیٹی کو۔ زمانہ منہ بھر بھر باتیں کرنے والا اور ان کے سیر سپاٹے ختم نہیں ہوتے۔ شفیق کو بھیج رہی ہوں، اس کے ساتھ فوراً واپس آؤ۔" اماں نے اس کے اچھی طرح لتے لیے۔ مسرت گھبرا گئی۔

"نہیں، نہیں اماں! اس کو مت بھیجیں، ابھی تو....."

وہ سارا اور کرن کی منگنیوں تک یہاں رکنا چاہتی تھی۔ یہ بھی سچ تھا کہ اتنی ساری لڑکیوں میں اس کا دل آرام سے لگ گیا تھا۔ ابا کا فون اکثر آجاتا تھا مگر انہوں نے کبھی اس سے واپسی کا نہ کہا تھا۔ شاید وہ چاہتے تھے کہ مسرت اچھی طرح حسرت نکال لے، اب اماں نے ایکدم ہی توپ داغ دی۔

"ادھر، مجھے دو۔" بے جی نے اشارہ کیا۔ پھر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے خود ہی روک دیا۔

"ہفتے بھر میں دونوں لڑکیوں کو انگوٹھی پہنانے آرہے ہیں۔ بس تب تک رکنے دو پھر بے شک لے جانا۔ کہاں روز روز نکلنا ہوتا ہے۔"

اماں دوسری طرف سے مبارک باد دے رہی تھیں۔

"ہاں بیٹیاں جتنی جلدی اپنے گھروں کی ہو جائیں، اتنا ہی اچھا ہے۔ مسرت کی کہیں بات چلی؟"

اس سے قبل کہ اماں رشتے کی تفصیل سنانے بیٹھ جاتیں۔ مسرت نے کریڈل دبا کر ہاتھ اٹھا لیا۔

"لو..... کٹ گیا۔" بے جی چونکیں۔

"اماں کیا کہہ رہی تھیں؟" مسرت نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کچھ نہیں، روک دیا ہے۔ بھلا میرا کہا ٹال سکتی تھی۔" انہوں نے فخر سے کہا پھر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا بھی یہی دل تھا، ہے نا؟"

"جی۔۔۔" وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔

"ماں کا خیال رکھا کرو، مائیں بڑی نعمت ہیں۔"

"رکھتی تو ہوں، پر اماں پھر بھی مجھ سے خفا رہتی ہیں۔ ہر وقت روک ٹوک۔"

"ہئے پاگل۔۔۔ مائیں نہ ٹوکیں تو تم جیسی بے عقلوں کو عقل کیسے آئے۔ اب میں ناصرہ کو لاکھ بے وقوف کہوں، پر اس نے بیٹیوں کی تربیت کیسی اچھی کی ہے۔ سب کی سب فرماں بردار، خدمت گزار اور عالیہ کی لڑکیاں، اسی کی طرح کام چور اور خود پسند۔"

اسے تو صدف، نایاب اور مائرہ میں بھی کوئی کمی نہ لگتی تھی، اس لیے چپ چاپ سنتی رہی پھر چپکے سے اٹھی۔

"ارے۔۔۔ ہاں حارث کو تو بتایا ہی نہیں۔ ذرا نمبر تو ڈھونڈ کر ملاؤ۔"

"یہ حارث بھائی بالکل ہی گھر نہیں آتے؟" مسرت نے ڈائری کھولتے ہوئے پوچھا۔

"مہینے دو مہینے میں چکر لگا لیتا ہے۔" بچہ پردیس کاٹ رہا ہے اور ماں کو فکر ہی نہیں۔"

دوسری طرف بیل جا رہی تھی، وہ بے جی کو پکڑا کر خود پچھلے صحن میں نکل آئی۔ اس کا ذہن اماں میں اٹکا تھا، وہ یقیناً اس سے خفا ہوں گی۔

مسرت کا جی چاہا، وہ منگنی چھوڑ چھاڑ چلی جائے مگر اب اماں منع کر چکی تھیں۔ وہ کچھ اداس اداس سی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

● ● ●

"گول گپے کرارے۔۔۔"

وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی پھر ایک دم سنبھل کر نوٹ بک پر جھک گئی۔ چور نظروں سے اسرار کو دیکھا، وہ کسی کتاب میں گم تھا۔ وہ جلدی جلدی الٹے سیدھے جملے لکھنے لگی۔ اسے فوراً "سمری لکھ کر چیک کروانا تھی۔ گول گپے والے کے جانے سے پہلے پہلے۔

لیکن اسرار اس کا چونکنا بھانپ گیا تھا۔ اسے خبر تھی کہ مانو کو اب کس بات کی جلدی ہے۔

"چیک کر لو۔"

"رکھو۔" اسرار نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ مانو نے تیوری چڑھا کر کاپی میز پر پٹخی۔ وہ کتاب میں مگن رہا۔

"اب دیکھ بھی لو۔" مانو نے چڑ کر اونچی آواز میں کہا۔

اس نے انگلی سے ایک منٹ کا اشارہ کیا اور صفحہ پلٹ کر پھر سے پڑھنے لگا۔ مانو نے دانت کچکچائے۔ اگر بے جی کا ڈر نہ ہوتا تو اب تک جا چکی ہوتی۔ ایک تو وہ تھا بھی ان کا لاڈلا۔

"گول گپے۔"

"میں پانی پی کر آتی ہوں۔"

"رکو۔۔۔" اس نے انگلی سے گویا "ہینڈز اپ" کیا۔ ساتھ ہی انگلی کا رخ پانی کی بھری ہوئی بوتل کی طرف کر لیا۔ جو وہ ایک منٹ قبل فریج سے نکال کر لایا تھا۔

"یہ زیادہ ٹھنڈا ہے اور میرا گلا خراب ہے۔"

"ابھی دو منٹ میں کم ٹھنڈا ہو جائے گا تب پی لینا۔" اس نے کتاب ایک طرف رکھ کر کاپی اٹھائی۔

"تب تک پیاسی مر جاؤں۔"

"دو منٹ میں نہیں مرو گی۔" وہ انہماک سے اس کی لکھی سمری پڑھ رہا تھا جو اس نے دوسری بار لکھی تھی۔

"بدتمیز۔۔۔ کتنا آہستہ آہستہ پڑھ رہا ہے۔۔۔ وہ چلا جائے گا۔۔۔"

"تمہارا دھیان کدھر ہوتا ہے۔" اسرار نے کاپی اس کے سامنے رکھی۔ جگہ جگہ لال پین سے لکیریں کھنچی تھیں۔ "دوسری بار بھی وہی غلطیاں۔۔۔"

"تم دیکھتے ہی غلط ہو۔"

"بے جی۔۔۔" اسرار نے صدا لگائی۔

"اب کیا مصیبت ہے؟"

"دوبارہ یاد کرو اور لکھو۔"

مانو کی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا۔

"ارے۔۔۔" اسرار نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "کیسی عجیب لڑکی ہو۔ گول گپوں کے لیے رو رہی ہو؟"

"میں گول گپوں کے لیے نہیں رو رہی۔" وہ چیخ اٹھی۔

"تب ٹھیک ہے، یاد کرو۔" اسرار آرام سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ مانو نے جلتے کلستے کتاب اٹھائی۔

تھوڑی دیر کے بعد اسرار واپس آیا تو ہاتھ میں گول گپوں کی بھری ہوئی پلیٹ تھی جو اس نے عین نبیل کے درمیان رکھ دی۔ مانو نے خوشگوار حیرت سے اسرار کو دیکھا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

"ہیں واقعی۔۔۔ غالباً" تمہارا گلا خراب ہے، اس لیے میں اپنے لیے لایا ہوں۔"

اسرار نے اطمینان سے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی اور کھٹے پانی میں ڈبو ڈبو کر کھانے لگا۔

"تم انتہائی کمینے انسان ہو۔" وہ سر تا پا سلگ اٹھی۔

"تعریف کا شکریہ۔"

"مجھے تم سے نہیں پڑھنا۔" وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"بے جی کو بتاؤ۔" اسرار نے اپنا شغل جاری رکھا۔

"بتادوں گی۔" وہ تن فن کرتی باہر نکلی۔ اونگھتی ہوئی بے جی فوراً ہوشیار ہوئیں۔
"پڑھ آئیں۔"
"جی۔"
"کیسا نیک بچہ ہے' کہنے لگا' بے جی! آج مانو نے بہت دل لگا کر پڑھا ہے۔ اسے انعام میں گول گپے کھلاؤں گا اور تم ہر وقت اس کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔"
"وہ نیک بچہ سارے گول گپے خود ٹھونس۔۔۔"
"مانو! اب کیا تمہارے جھوٹے برتن بھی میں اٹھاؤں گا۔" اسرار خالی پلیٹ اٹھائے باہر آیا۔
"اے۔۔۔ اللہ نہ کرے۔۔۔ تم کیوں اٹھاؤ۔۔۔ اور تم۔۔۔ ذرا تمیز ہے۔۔۔ پکڑو پلیٹ۔" بے جی نے اسے بری طرح گھورا۔
"بے جی۔۔۔" مانو نے احتجاجاً" کچھ کہنا چاہا۔ اسرار نے دوستانہ انداز میں پلیٹ اس کے ہاتھ میں تھمادی۔
"بری بات' بڑے کچھ کہہ دیں تو زیادہ غصہ نہیں کرتے۔ یہ لو اور دھو کر رکھنا۔"
"تمہاری جوٹھی پلیٹ دھوتی ہے میری جوتی۔" وہ پلیٹ واپس اس کے ہاتھ پہ مار کر چلی گئی۔ بے جی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"دیکھو' دیکھو ذرا اس لڑکی کی جرات' نہ شرم نہ لحاظ۔ یہ عالیہ کی لڑکیاں تو بالکل ہی منہ زور ہوتی جارہی ہیں۔ بلانا ذرا اس کی ماں کو۔"
"کوئی بات نہیں بے جی! میں نے برا نہیں مانا۔"
"وہ تو تمہاری اچھائی ہے' پر ان کو بھی اگلے گھر جانا ہے یا نہیں۔ تب کیا شوہر کے سامنے بھی یونہی برتن پٹخے گی کہ تمہارے جوٹھے نہیں دھوئے جاتے۔"
"بیل ہو رہی ہے' میں دیکھتا ہوں۔" اسرار نے کھسک جانا مناسب سمجھا۔ بیل واقعی ہو رہی تھی اور آنے والا حارث تھا' ان کا بڑا پوتا۔
بے جی سب بھول بھال اس کے واری صدقے ہونے لگیں۔
وہ سارا اور کرن کی منگنیوں میں شرکت کرنے آیا تھا۔
اس سے اگلی شام زارا اور سدرہ بھی اپنے اپنے بچوں کے ساتھ آگئیں۔

● ● ●

دونوں بھتیجوں کے رشتے اچھی جگہ طے ہوگئے۔ جہاں نواز اور ناصرہ ہلکے پھلکے ہوگئے' وہیں جبار احمد بے چین سے ہوگئے۔ کروٹ پر کروٹ بدلتے دیکھ کر عالیہ پوچھ بیٹھیں۔

"کیا بات ہے' نیند نہیں آرہی؟"
انہوں نے گویا سوئے ہوئے شیر کو جگا دیا۔
"دیکھتے ہی دیکھتے نواز کی چاروں لڑکیاں ٹھکانے لگ گئیں' بس اک مریم رہ گئی ہے۔ تم اور تمہاری اولاد کے آدرش اتنے اونچے نہ ہوتے تو آج ہم بھی چین کی نیند سوتے مگر تم جیسی عاقبت نااندیش عورت جس کی بیوی ہو' اس کے نصیب میں نیند کہاں؟ جیسی خود' ویسی ہی اولاد۔ سب کچھ اماں پر چھوڑا ہوتا تو آج میری بیٹی کی منگنی ہو رہی ہوتی۔"
وہ دونوں ہاتھ مسل رہے تھے۔
"اس مولوی کے ساتھ' جو چند ہزار کما رہا ہے یا بجلی کے محکمے کے ملازم کے ساتھ۔۔۔" انہوں نے طنز کے ساتھ کہا۔ جلی بھنی تو خود بھی تھیں۔ اپنے جلاپے کو ان رشتوں میں نقص نکال نکال کر چھپا رہی تھیں۔
"یوں بھی منگنی ہوئی ہے۔ ہزار روپیہ ہاتھ پر رکھ دیا۔ چلو رسم ہوگئی' جان چھوٹی۔ میری نازوں پلی بچیاں' ہزاروں ارمان۔۔۔ یوں کیسے دھکا دے دوں۔"
"دکھاوا چھچھورے لوگ کرتے ہیں۔ وضع داری میں زبان ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ وہ لوگ یوں بھی شریعت پر چلنے والے ہیں۔ ہماری لڑکیاں دنیا سے انوکھی نہیں' سر پکڑ کر روؤ گی۔" وہ الٹ پڑے۔

"کبھی کوئی اچھا جملہ بھی بول لیا کریں' جیسی ماں کی زبان' ویسی بیٹے کی۔"
جبار احمد کچھ لمحے تاسف سے بیوی کو دیکھتے رہے پھر آہستگی سے بولے۔
"میں آج تک سمجھتا رہا کہ اماں جلدی کرتی ہیں' آج احساس ہوا ہم نے دیر کردی۔"
عالیہ نے مزید ان کی جلی کٹی سننے کے بجائے باہر نکل جانا مناسب سمجھا۔ سارا کے کمرے سے لڑکیوں کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لاؤنج میں لڑکوں نے محفل سجا رکھی تھی۔
وہ کچن میں آگئیں۔ سمٹے سمٹائے کچن میں اگر بکھراوا تھا تو چائے کے سامان کا۔ یقیناً لڑکیوں کے جانے کے بعد لڑکوں نے خود چائے بنائی تھی۔ ایک طرف مٹھائی کی ٹوکری کھلی پڑی تھی۔ وہ بے دلی سے چیزیں سمیٹنے لگیں۔ لڑکوں کے قہقہے اور آوازیں کچن میں واضح سنائی دے رہے تھے۔
"حارث بھیا! اب آپ ہی کچھ سوچیں۔ کب تک ہوٹلنگ کریں گے۔" اسرار چھیڑ رہا تھا۔
"یار! ہم تو تیار ہیں۔ اب۔۔۔" اس نے دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑا۔
"پھر بیٹھے انتظار کرتے رہیں میں نے تو امی سے صاف کہہ دینا ہے۔ سارا آپی اور کرن کی بعد میری باری ہے۔" عدیل بولا۔
"منے! پہلے پیروں پر تو کھڑے ہو جاؤ۔"
"ایک آدھ سال کی بات ہے۔"
عالیہ کچھ اور کلس گئیں۔

"اس کو بہت جلدی ہے۔ امی کا کیا ہے لے آئیں گی' کسی چھوٹے موٹے گھر کی لڑکی۔"
ساری رات ان کی جلتے کڑھتے گزر گئی۔ صبح انہوں نے پہلا کام صغری کو فون کرنے کا کیا۔
"تمہارے پاس کوئی ڈھنگ کا رشتہ ہے یا نہیں' یا میں کسی اور سے بات کروں۔"
صغری بوکھلا گئیں۔
"میں نے تو بہت سے رشتے بتائے' اب۔۔۔"
"ان سے بات کی جن کا ڈیفنس میں آٹھ کنال کا بنگلہ ہے۔" انہوں نے بات کاٹی۔
"ہاں کی تھی' نک چڑھے لوگ ہیں۔ کہتے تھے ہمارے پاس بہتر رشتے ہیں۔ سوچ کر بتائیں گے۔ سچی بات ہے بی بی! وہ لوگ میرے دل کو نہیں لگے۔ بڑے شیخی خور ہیں۔ رشتے ناتے اپنے جیسے لوگوں میں اچھے رہتے ہیں۔ لڑکی خوش رہتی ہے۔"
صغری بی نے ہمدردی کے ساتھ سمجھایا۔
"صغری! نصیحتیں کرنے کو میری ساس کافی ہیں۔ تم کسی طرح ان لوگوں کو لے آؤ' میری صدف میں کس چیز کی کمی ہے۔"
"اچھا دیکھتی ہوں۔" وہ کچھ متذبذب تھیں۔ عالیہ نے بے حد تاکید کے ساتھ فون بند کیا۔ وہ کمر کس کر میدان میں اتری تھیں۔
"اب میں کر کے دکھاؤں گی۔"
نہیں اندازہ نہ تھا' صرف اپنی عقل پر بھروسا کرنے والے کبھی کبھار منہ کے بل گرتے ہیں۔

● ● ●

آخر صغری ان آٹھ کنال والوں کو گھر لانے میں کامیاب ہو ہی گئیں۔ ان کے چھوٹے سے گھر میں گویا بھونچال آگیا تھا۔ عالیہ تو یوں گھبرائی تھیں گویا بم دھماکہ ہونے والا ہو۔ کسی کو ادھر دوڑا رہی تھیں تو کسی کو ادھر۔ سامان کو ادھر ادھر کر کے سیٹنگ بدلنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔
ملازمہ کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی بھی شامت آگئی۔ صدف کو خاص تاکید کی کہ کالج سے چھٹی کرے مگر اس نے بے نیازی سے کہہ دیا کہ جلدی آجائے گی۔ بے جی نے اپنی لاتعلقی برقرار رکھی۔ مہمانوں کا حدود اربعہ سننے کے بعد بھی کوئی تبصرہ نہ کیا۔
"سچ سچ بتاؤ۔۔۔ یہ مہمان صرف دیکھنے آرہے ہیں یا بارات لائیں گے۔" سارا نے بے حد تھک کر سوال کیا۔
"اللہ کرے بارات ہی لے آئیں۔" کرن نے ہانپتے ہوئے سیدھا ہونے کی کوشش کی مگر کمر میں شاید چک پڑ گئی تھی۔ سو دونوں ہاتھ صوفے پر رکھ کر ہائے ہائے کرنے لگی۔ وہ کب سے یہ صوفہ اکیلی ہی

کھسکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تب ہی دروازے سے جو شکل برآمد ہوئی' اسے پہچاننے میں تھوڑی دقت ہوئی۔
"کچھ دے دلا کر رخصت کرو۔"
"کمینوں۔" نیا نے سر پر منڈھا دوپٹہ اور کندھے سے ڈنڈا اتارا۔ اس کے بال حسب معمول گھونسلے کی طرح کھڑے تھے۔
"میں جالے اتارا اتار کر آدھی رہ گئی ہوں۔"
"ارے' یہ تو اپنی نیا کی آواز ہے۔"
"مرو۔۔۔" وہ دھپ سے قالین پر بیٹھی۔
"جالے ڈنڈے سے اتارنے تھے' تم کیا سر سے اتارنے لگی تھیں۔" سارا نے اس کی لٹ سے الجھا جالا اتارا۔
"ہم جو مرضی کر لیں' اس گھر کو ڈیفنس کے بنگلے میں نہیں بدل سکتے۔" کرن نے مایوسی سے کہا پھر کمر پر ہاتھ رکھتی قریب ہی بیٹھ گئی۔
"اسی لیے کہتے ہیں' پرواز اتنی ہی بھرو جتنی کے پر اجازت دیں۔" سارا نے کہا۔
"ارے رہنے دو' ایک بار صدف آپی کا رشتہ وہاں ہو جانے دو پھر ہمارے لیے بھی راہ کھل جائے گی۔" نیا نے ہاتھ نچا کر کہا۔
"اس بات کی کیا گارنٹی ہے؟" سارا ہنسی۔
"گارنٹی تو کسی بات کی نہیں۔ تم تو ہزار روپیہ ہاتھ میں لے کر خوش ہو گئیں۔ ہزار روپے میں آتا کیا ہے۔ ایک سوٹ لینے جاؤ تو ڈھنگ کا نہ آئے۔ ساری عمر یونہی ترسائیں گے' کفایت شعاری کے سبق پڑھا پڑھا کر۔"
"اتنا پڑھا کس لیے ہے۔ میں بھی جاب کر لوں گی۔ لیکچرار تو ہو ہی جاؤں گی۔" سارا نے لاپروائی سے کہا۔
"کیسا چکنا گھڑا ہو' تم پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ وہ ایک روپیہ دے جاتے' تم تب بھی یونہی خوش ہوتیں۔" نیا چڑ گئی۔
"بھئی' ہم اللہ کی رضا میں راضی رہنے والے مست ملنگ لوگ ہیں۔ تمہاری طرح سنہرے خواب اوڑھ کر نہیں سوتے۔ ہمارا بستر حقائق کی کھردری چادر' حقیقت پسندی کا تکیہ ہے۔ جو ہمیں ہمیشہ خوش اور مطمئن رکھتا ہے۔ جو ہمارے رب کی رضا' یہی ہماری زندگی کا موٹو ہے۔"
"کاکیو! مجھے پیاس لگی ہے۔ کوئی اللہ کی بندی پانی پلا دے۔" ان کی باتوں سے اکتا کر کرن نے دہائی دی۔
"اللہ کی بندیاں بھی تھکی ہوئی ہیں۔" نیا نے آرام سے اس کی گود میں سر رکھا اور لیٹ گئی۔ سارا پردہ

اٹکا کر پلٹی تو چونکی۔

"تم نے اسے گود کب لیا۔"

"دفع..." کرن نے ٹانگیں کھینچیں۔ نیا کا سر فرش سے ٹکرایا' وہ وہیں کچھا مچھا ہو گئی۔

"میں یہاں سے نہیں اٹھوں گی۔"

مریم اور مائرہ نے انہیں یوں بیٹھے دیکھا تو خود بھی پاؤں پسار لیے۔ تھوڑی دیر کے بعد مسرت اسکوائش کا جگ بھر کر لے آئی۔

"جیو بہنا... جیو... ہم تو گوڈے گوڈے تھک گئے تھے۔" سب نے باجماعت نعرہ لگایا۔ مسرت کا منہ بن گیا۔

"بے جی نے بھجوایا ہے کہ لڑکیاں تھک گئی ہوں گی۔" اس نے ٹرے درمیان میں رکھی۔

"خوش رہیں بے جی۔"

"لیکن بے جی کی خاموشی معنی خیز ہے۔" مریم نے خیال آرائی کی مگر کسی نے تبصرہ نہیں کیا۔

"تمہارے سسرال والوں کو بھی آج ہی بلا لیا ہوتا۔ کل پھر یہی کھڑاک..."

"سنو' یہ بجلی کے محکمے والوں کے گھروں میں لوڈشیڈنگ ہوتی ہے؟" مریم نے سوال کیا۔

"نہیں' وہ مریخ میں بستے ہیں۔ ہیں... یہاں قوالیاں ہونے لگی ہیں۔" عدیل نے انٹری دی۔

"ہاں... ہم نوا موجود ہیں... قوال کی کمی تھی... تم صبح سے کہاں غائب ہو۔" سارا نے پوچھا۔

"ایک مہم پر نکلا تھا۔ بے جی کہاں ہیں؟"

"ظاہر ہے اپنے کمرے میں... وہاں نہیں تو پچھلے برآمدے میں۔"

وہ سر ہلاتا چلا گیا۔

"میں نے پوچھا تھا بجلی کے محکمے..."

"ارے... ہٹاؤ بھی..." کرن نے کسی قدر بے زاری سے کہا۔ سارا نے بغور اس کے انداز دیکھے۔ وہ کچھ اکھڑی اکھڑی سی نظر آتی تھی۔ ظاہر ہے کہیں نہ کہیں صدف کے زریں خیالات اثر کرنا ہی تھے۔

"ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے سوچا اور پچھلے برآمدے میں چلی آئی' جہاں سدرہ اور زارا کے بچوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ خود وہ دونوں ماں کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر بیٹھی بقول عدیل' عمیر اپنے اپنے سسرال کی بدخوئی میں مصروف تھیں۔

"یہ آپ لوگوں نے یہاں کیوں ڈیرہ جما رکھا ہے؟" وہ کہتے ہوئے چارپائی کے ایک طرف ٹکی' تڑاخ کی آواز آئی اور وہ سب کی سب نیچے۔

"آ... آ..." کی آوازوں نے کھیلتے بچوں کو متوجہ کیا۔ بجائے اپنی اپنی ماؤں کو اٹھانے کے سب نے تالیاں پیٹ پیٹ کر بھنگڑا ڈالا۔

"موٹی! کتنا وزن بڑھا لیا ہے۔" وہ خود ہی پکڑ دھکڑ کر کھڑی ہوئیں۔ ماں کو سہارا دیا۔

"لو... مجھ پر خوامخواہ ہی..." وہ خجل سی ہو کر دوسری چارپائی بچھانے لگی۔

"سب کی سب ایک ہی چارپائی پر چڑھ جاتی ہیں۔ کہا بھی تھا کہ دوسری بچھا لو۔ ابھی بے جی نے دیکھ لیا تو پتا چلے گا۔" ناصرہ نے گھٹنا سہلاتے ہوئے بیٹیوں کو گھورا۔

"توبہ... امی آج بھی اپنی ساس سے اتنا ہی ڈرتی ہیں۔" زارا ہنسی۔

"میں پوچھ رہی تھی' آپ لوگ اتنی گرمی میں یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔" وہ تینوں پھر سے ایک ہی چارپائی پر بیٹھ گئی تھیں جبکہ سارا نے گریز ہی کیا۔

"خیر اتنی بھی گرمی نہیں۔ دوسرے وہاں چچی کے ہائی فائی قسم کے مہمان آ رہے ہیں۔ ہمارے بدتہذیب بچوں نے کوئی بدمزگی کر دی تو چچی کا موڈ بہت دنوں تک خراب رہے گا۔"

سدرہ ذرا منہ پھٹ واقع ہوئی تھی۔

"یہ گھر صرف چچی کا تو نہیں ہے۔" سارا کو برا لگا۔

"چھوڑو' وہ تو ابھی تک تمہاری ساس کے دیے ہزار روپے کا مذاق اڑا رہی ہیں۔" ناصرہ نے قدرے دل گرفتی سے کہا۔

"امی! آپ بھی کن کی باتوں کو دل سے لگاتی ہیں۔ سارا کی ساس کتنی نرم اور شفیق خاتون ہیں اور توصیف... میرا تو دل خوش ہو گیا۔ ایسا حیادار اور رکھ رکھاؤ والا نوجوان ہے۔" زارا نے کہا تو سارا کو ہنسی آ گئی۔

"تمہاری کیوں دندیاں نکل رہی ہیں۔"

"آپ کے حیادار کہنے پر' کسی پردے دار خاتون کا تصور ابھرتا ہے۔"

"پاگل ہو... ہماری کوتاہ فہمی ہے کہ ہم نے حیا کو صرف لڑکیوں سے منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی ایک اہم خصوصیت گردانی جاتی ہے۔ حیا عورت کا زیور ہے تو مرد کا وقار بھی ہے۔ پھر امی! کتنی سہولت ہو گئی ہے۔ ہم بھی کسی بڑے کھڑاک سے بچ گئے۔ منگنی پر فضول میں خرچ ہونے والا روپیہ سارا کی شادی پر کام آئے گا۔" زارا نے رسانیت سے سمجھایا۔

"اور کیا... یہ آج ہی دیکھ لیں۔ رشتہ دیکھنے پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ منگنی' شادی تک تو چچا جان دیوالیہ ہی ہو جائیں گے۔" سدرہ ہنسی پھر سارا سے کہنے لگی۔ "تم جا کر کچن دیکھ لو' ورنہ چچی کہیں گی' ہم سب جیلس ہو کر غائب ہیں۔ تھوڑی دیر میں میں بھی آتی ہوں۔"

"امی! چچی نے حارث کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" سدرہ نے سارا کے جانے کے بعد پوچھا۔

"تمہاری چچی کی رمزیں اللہ ہی جانے۔" انہوں نے بے زاری سے کہا۔

"میں مریم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ گھر میں ہی رہ جائے تو کیا ہرج ہے۔" فاخرہ بیٹی کا منہ دیکھنے لگیں مگر زارا فوراً ہی بول اٹھی۔

"رہنے دو سدرہ! حارث کے جوڑ کی سارا اور کرن بھی تھیں۔ انہوں نے جب بات نہ کی تو مریم کے لیے خاک کریں گی۔ تمہیں کیا لگتا ہے' بے جی خوامخواہ سارا اور کرن کے رشتوں کے لیے بے تاب ہو رہی ہوں گی۔ انہوں نے کسی نہ کسی بہانے چچی کا عندیہ لے لیا ہوگا۔"

"اس طرح تو عدیل کا جوڑ مائرہ کے ساتھ بنتا ہے۔" ناصرہ کو دور کی سوجھی۔

"چھوڑیں۔ چچی بڑی اونچی ہواؤں میں ہیں' انہیں ساری عمر اپنے امیر کبیر میکے کا بڑا مان رہا ہے۔" زارا نے کہا۔

"ان امیر میکے والوں نے کسی ایک کا بھی رشتہ نہیں پوچھا۔ چچی پتا نہیں کس دنیا میں رہتی ہیں۔ سسرال بھرا ہے میرا لڑکیوں سے۔ ڈھنگ کے رشتے ہی نہیں جڑتے۔" سدرہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

"اب بس کرو۔ لگتا ہے مہمان آگئے ہیں۔ میں جاتی ہوں' تم دونوں بھی آجانا۔ بچوں کو مائرہ یا مریم کے حوالے کردو۔" ناصرہ کھڑی ہوئیں۔

"کوئی مرغیوں والا ڈربہ ہے تو اسی میں بند کر آتی ہوں۔" سدرہ چڑ کر بولی تھی۔

مہمان اک لمبی گاڑی میں پوری سج دھج سے آئے۔ ایک لمبا ادھیڑ عمر مرد' ٹوپیس میں ملبوس اک موٹی بھدی عورت جس نے ساڑھی اور بہت سا زیور پہن رکھا تھا۔ بے حد قیمتی' کسی مہنگی بوتیک سے خریدا گیا جدید تراش خراش کا سوٹ پہنے اک لڑکی جس نے میک اپ کسی پارلر سے کروایا تھا۔

عالیہ بوکھلائی پھر رہی تھیں۔ صدف ابھی تک نہیں آئی تھی۔ جبار احمد اور حارث کو ان کے پاس بٹھا کر وہ صدف کو فون پر فون کھڑکانے لگیں۔ بے جی لاؤنج میں بیٹھی خاموشی سے ان کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھیں۔ وہ ابھی تک مہمانوں سے بھی نہیں ملی تھیں لیکن یہاں بیٹھی ان کے ارشادات ضرور سن رہی تھیں کہ درمیان کی کھڑکی ان کی ہدایت پر عدیل نے کھولی تھی۔

مرد کے پاس اگر اپنی دولت کے قصے تھے تو عورت مسلسل ان رشتوں کی تفصیل سنا رہی تھی جو گھر بیٹھے ان کے بیٹے کے لیے آرہے تھے۔ لڑکی نخوت بھرے انداز میں ناقدانہ نظروں سے گھر اور افراد خانہ کا جائزہ لے رہی تھی پھر اس نے اپنی باریک سی آواز میں پوچھا۔

"یہ اتنے سارے لوگ اتنے چھوٹے سے گھر میں کیسے رہتے ہیں؟ اتنی گرمی اور حبس۔ اے سی بھی نہیں ہے۔"

انہوں نے اے سی ہال کمرے میں اس لیے لگوایا تھا کہ افراد خانہ کو سہولت ہو۔

بھاری بھرکم ممی اب اپنے گھر میں موجود امپلٹ کی تعداد بتا رہی تھیں۔

تب ہی صدف آگئی۔ عالیہ لپک کر اس کے قریب آئیں۔

"کہا بھی تھا جلدی آنا' اب جاؤ حلیہ ٹھیک کرکے آؤ۔"

"حلیے کو کیا ہوا' ٹھیک تو ہے۔" صدف نے قدرے جھنجلا کر کہا۔ اسے یوں روایتی لڑکیوں کی طرح بردکھوے کے لیے جانا ہی عجیب محسوس ہوا۔ شادی سے متعلق اس کا تصور اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور اپنے ازلی اعتماد کے ساتھ مہمان خانے میں داخل ہوئی۔ عالیہ اس کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے ہی تعارف کروایا۔ باقی لڑکیوں کو خاص تاکید تھی کہ اندر نہ آئیں۔ صدف نے ایک روایتی سا ہیلو کہا اور عین سامنے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھ گئی۔ ایک پل کو مہمان ٹھٹک سے گئے۔ شاید آٹھ مرلے کے اس گھر میں ایسی پراعتماد شخصیت کا خیال نہ تھا۔ جبار احمد اور حارث بہانے سے اٹھ گئے تاکہ صدف جھجک محسوس نہ کرے۔

"آپ نے میٹرک کس سن میں کیا؟"

لڑکی نے روایتی سا سوال کیا۔ صدف نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور دلنشیں انداز میں مسکرائی۔

"بہت سال ہوئے' اب تو یاد بھی نہیں۔"

"بی اے تو یاد ہوگا۔"

"آپ سے ایک آدھ سال بعد میں ہی کیا ہوگا۔" صدف نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ جز بز ہوگئی تب ہی بے جی کی تشریف آوری ہوئی۔ عالیہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ انہوں نے ایک دو بار کہا تھا مگر بے جی نے چپ ہی سادھ لی۔ نہ اقرار کیا' نہ انکار۔

"یہ صدف کی دادی ہیں....."

عالیہ نے کہا..... بے جی بہت اخلاق سے ملیں۔ بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں..... آج ان کے انداز روایتی نہ تھے۔ عالیہ مطمئن ہو کر چائے سرو کروانے لگیں۔

"سنا ہے آپ کا گھر بہت خوب صورت اور شاندار ہے۔" بے جی ستائشی انداز میں کہہ رہی تھیں۔ عالیہ مسکرا دیں۔

"جی..... دو کروڑ قیمت ہوگی۔ آپ کے پورے گھر جتنا تو لاؤنج ہی ہے۔" صاحب نے فخریہ انداز میں بتایا۔

"کتنا کرایہ دیتے ہیں.....؟" انہوں نے سادگی سے دریافت کیا۔

"تیس ہزار....." خاتون نے کہتے کہتے زبان لبوں تلے دبالی اور گڑبڑا کر شوہر کی طرف دیکھا۔

"ہمارا اپنا گھر ہے....."

"اچھا..... اچھا..... مجھے ہی مغالطہ ہوا ہوگا....." بے جی نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ عالیہ نے ناگواری سے انہیں دیکھا" شروع ہوگئیں بڑی بی....."

"گوال منڈی والا مکان کب بیچا.....؟" بے جی نے معصومیت سے دریافت کیا..... سب مہمانوں کے رنگ ایک دم اڑ گئے..... مرد کو کھانسی آگئی..... خاتون نے چائے کی پیالی منہ کو لگالی..... گرم گرم چائے نے

ہونٹ جلا دیے۔۔۔ عالیہ نے صورت حال سنبھالنا چاہی۔۔۔ بے جی نے دوسرا وار کیا۔

"باقی بچوں کو بھی لے آتے۔۔۔"

"بے جی! انشاء ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔" عالیہ حواس باختہ ہوئیں۔

"اچھا باقی کے آٹھ کیا ادھار مانگے تھے۔۔۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسیں۔

مرلی لھالسی میں شدت آچکی تھی۔ لڑکی گھبرا کر ماں باپ کے چہرے دیکھنے لگی۔

"۔۔۔نا ہے آپ کا بڑا داماد آپ کے ساتھ ہی رہتا ہے۔" بے جی کی پٹاری میں نجانے کیا کیا بند تھا۔

"مجھے لگتا ہے۔ ان کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" خاتون تیزی سے اٹھیں اور شوہر کا بازو پکڑ لیا۔

"کیوں۔۔۔ ان کو دمہ ہے۔"

"ہم پھر حاضر ہو جائیں گے۔۔۔" وہ ساڑھی کے پلو میں الجھیں۔۔۔ لڑکی نے ماں کو سہارا۔

"زحمت مت کیجئے گا۔۔۔" صدف اک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔ عالیہ ہکا بکا اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش ہی کرتی رہیں۔ مہمان گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوئے۔ بے جی اطمینان سے چائے پینے لگیں۔ باقی سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ جب تک جبار احمد واپس آئے۔۔۔ معاملہ ہی الٹ چکا تھا۔

"مہمان کہاں گئے؟" انہوں نے تعجب سے دریافت کیا۔

"اپنی ماں سے پوچھیں۔" عالیہ نے غصے سے کہا اور باہر نکل گئیں۔

"کسی کو گھر بلانے سے قبل کچھ اتا پتا بھی کروا لیا کرتے ہیں۔۔۔ یہ نہیں کہ جو جس نے کہہ دیا اس پر اعتبار کر لیا۔ ان کم ذات لوگوں میں بیٹی دینی تھی۔ دیکھا ایک پل میں غائب ہو گئے نا۔ کوٹھی کرائے کی، گاڑی بھائی کی، اور پیسہ سارا جوائی کا، جو گھر داماد کا ٹھ کا الو بنا سب ان پر لٹا رہا ہے۔۔۔ بیٹیاں ایسی بوجھ بھی نہیں کہ انہیں یوں بے سوچے سمجھے پھینک دیا جائے۔۔۔ سارا! یہ سامان سمیٹو جو کچھ فریز ہو سکتا ہے۔ اسے فریزر میں رکھو۔ کل آنے والے مہمانوں کے کام آئے گا۔"

انہوں نے بات ختم کی اور باقی چائے پینے لگیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ جبار احمد شرمندہ شرمندہ سے باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تایا جان کی لڑکیوں میں کون سے لعل جڑے ہیں کہ دھڑا دھڑ سب کے رشتے ہوتے چلے گئے۔۔۔ اور ایک آپ ہیں کہ ابھی تک صدف کی بات بھی طے نہیں کر سکیں۔"

عالیہ نے بیزاری اور اکتاہٹ سے بیٹے کو دیکھا۔ جو اپنی پیکنگ کرنے کے ساتھ ساتھ بڑبڑا رہا تھا۔۔۔ آج کرن کو بھی اس کے سسرال والے انگوٹھی پہنا گئے تھے۔۔۔ حارث کو اب واپس جانا تھا۔

"اب میں کیا کروں۔ رشتے کیا آسمانوں سے ٹپک رہے ہیں۔" وہ سخت اکتائی ہوئی تھیں۔

"تایا کی لڑکیوں کے لیے آسمانوں سے ٹپکے ہیں۔" حارث کے یوں کہنے پر وہ جز بز ہو گئیں۔

"اس دن اچھا بھلا رشتہ بے جی کی وجہ سے ہاتھوں سے نکل گیا۔"

"بس کریں امی! وہ اچھا بھلا رشتہ تھا؟ دعائیں دیں بے جی کو کہ بروقت بچا لیا۔ ورنہ کوئی بڑا نقصان ہو جاتا۔"

اس نے اٹیچی بند کیا اور باہر نکل گیا۔ عالیہ متفکر سی ہو گئیں۔۔۔ کچھ کچھ بیٹے کے تیور بھی نظر آ رہے تھے۔ وہ زارا کا ہم عمر تھا۔ تین سال سے جاب کر رہا تھا۔ شادی کی عمر بھی تھی اور ضرورت بھی۔۔۔ گھر سے باہر تنہا رہنا آسان نہ تھا۔ مگر عالیہ کی سوچ وہی روایتی ماؤں والی تھی کہ پہلے بیٹیاں بیاہوں گی پھر سولاؤں گی۔۔۔ کہیں آنے والی بیٹے کو مکھی بنا کر دیوار سے نہ چپکا دے۔

کچھ وہ اکھڑا ہوا تھا، کچھ صدف ناراض، اس نے صاف کہہ دیا تھا۔ وہ آئندہ ایسے کسی ڈرامے کی حصہ دار نہ بنے گی۔۔۔ نہ اسے اس قسم کی اوٹ پٹانگ لوگوں کے سامنے آنے کے لیے کہا جائے۔۔۔ اگر انہیں زیادہ ہی جلدی ہے تو تایا ب کے بارے میں سوچ سکتی ہیں۔

عالیہ کی نیند میں کمی اور فکروں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

سدرہ اور زارا بھی ایک ہفتہ رک کر اپنے اپنے گھروں کو سدھار گئیں۔ ان سے پہلے ہی سجاد احمد مسرت کو لینے پہنچ گئے۔ وہ بہت سی یادیں دامن میں سمیٹے گاؤں واپس آ گئی۔

● ● ●

اماں نے اوپر اوپر سے بے حد ناراضی دکھائی۔ مگر وہ بھی مسرت تھی۔۔۔ گلے میں بازو ڈال منتیں چاپلوسی، انہیں منا کر ہی دم لیا۔۔۔ پھر جو ماں کے گھٹنے سے لگ کر شہر کی باتیں بتانے لگی تو کئی دن اماں کے کان کھائے۔۔۔ زبیر بھی آ جاتا۔۔۔ کرید کرید کر پوچھتا۔

"تو نے مینار پاکستان دیکھا۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔"

"بادشاہی مسجد۔۔۔"

"نہیں۔"

"انار کلی۔۔۔"

اس نے پھر سے نفی میں سر ہلایا تو چڑ گیا۔

"تو تو نے دیکھا کیا ہے؟"

"گھومنے تو کہیں گئے ہی نہیں۔" مسرت نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"تو لاہور کیا کرنے گئی تھی۔۔۔ رشتہ ڈھونڈنے۔۔۔"

"ٹھہر۔۔۔ میں بتاتی ہوں۔۔۔ کیا کرنے گئی تھی۔" مسرت نے جوتی اٹھائی تو وہ بگٹٹ بھاگا۔

"ویسے مل جائے تو کیا حرج ہے۔"

"میں بتاتی ہوں۔" پیچھے سے اماں نے دھمو کا جڑا۔۔۔ مسرت آگے کو لڑھک گئی۔

"توبہ اماں۔۔۔ تو تو سرگوشی بھی سن لیتی ہے۔"

"سرگوشی۔۔۔ میں تو تیرے دل کے خیال تک جان لیتی ہوں۔۔۔" اماں نے پرات اٹھائی تو مسرت نے ہاتھ سے پرات لے لی۔

"تب بھی نہیں سمجھتی ہو۔"

"سب سمجھتی ہوں۔۔۔ تو پاگل ہے۔۔۔ اور میں تیری ماسی کو ہاں کر رہی ہوں۔"

اماں حتمی لہجے میں کہہ کر اندر چلی گئیں۔ مسرت نے سارا غصہ آٹا گوندھنے میں نکالا۔ رات کو جب وہ ساجد علی کے ساتھ یہی بات کر رہی تھیں۔ وہ چپکے سے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

"ابو جی! مجھے ایف اے کی کتابیں لا دیں۔"

وہ دونوں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"مجھے پڑھنا ہے۔۔۔ ایف اے کے امتحان میں چھ ماہ رہتے ہیں۔۔۔ میں پرائیویٹ دوں گی۔ پھر تھرڈ ایئر میں ایڈمیشن۔"

"دیکھا۔۔۔ میں نہ کہتی تھی۔۔۔ ساجد علی اسے شہر مت بھیج۔۔۔ تو نے میری ایک نہ سنی۔۔۔ اب۔۔۔ اب دیکھ۔"

ساجد علی نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا' خود مدھم سا مسکرائے۔

"سچ کہہ رہی ہو۔۔۔؟"

"جی ابو جی! صدف باجی کہتی ہیں۔۔۔ میٹرک کر کے گھر بیٹھ جانا کوئی زندگی نہیں۔۔۔ مجھے آگے پڑھنا چاہیے تھا۔" اس نے چور نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔ ان کا مزاج برہم تھا۔

"کون کون سے سبجیکٹ لو گی؟"

"ابو جی صدف باجی کے مشورے سے لوں گی۔" وہ ان کے ان ڈائریکٹ اجازت دینے پر خوش ہو گئی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اگر تمہاری اماں نے اجازت دی تو۔۔۔"

مسرت نے ملتجی نگاہوں سے اماں کو دیکھا اور اماں نے بے بسی بھرے غصے سے شوہر کو۔۔۔ وہ شوہر کی رگ رگ سے واقف تھیں۔۔۔ انہوں نے مسرت کو اجازت دے دی تھی۔۔۔ اب وہ صرف ان کا بھرم رکھ رہے تھے۔۔۔ اور انہیں اپنا بھرم قائم رکھنا تھا۔

"ایک بات کان کھول کر سن لے۔۔۔ تو بھی اور تیرا باپ بھی۔۔۔ بھلے تو سولہ جماعتیں پڑھ لے۔ پر میں شفیق کے رشتے سے انکار نہیں کروں گی۔"

"اماں۔۔۔ میری سویٹ اماں۔" اس کے لیے فی الحال پڑھائی کی اجازت اہم تھی۔ شفیق کے رشتے کو بعد میں دیکھا جاتا۔

• • •

وہ بہتے پانی میں پاؤں مارتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں گنگنانے لگتی' تو کبھی خاموش ہو کر درخت سے کچی پکی کیریاں توڑنے لگتی اور بھری دوپہر میں درختوں میں چھپی کوئل کی کوک سنتی۔ درختوں کی گھنی چھایا میں اب غنودگی سی چھانے لگی تھی۔

"کہاں رہ گئی ہو۔۔۔ فاطمہ! اب آ بھی جاؤ۔"

وہ اکتا گئی۔ فاطمہ نے زبیر کے ہاتھ پیغام بھجوایا تھا کہ وہ پہنچے۔ وہ بس ابھی آ رہی ہے کل فاطمہ کو شہر چلے جانا تھا۔

"لگتا ہے کہیں پھنس گئی ہے۔ اب نہیں آئے گی۔" اس نے چھپاک سے پانی میں پیر مارا' پانی پر کسی کا عکس بن کر مٹا۔

مسرت نے تیزی سے سر اٹھایا۔

شفیق کو اپنے سامنے دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔

"کس کا انتظار کر رہی ہو؟" اس کی آواز نرم اور صاف تھی۔

"تمہارا نہیں کر رہی۔۔۔" وہ کچھ پزل سی ہو کر دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔ پیٹھ پیچھے جو مرضی کہہ لے۔ ویسے وہ شفیق سے دبتی تھی۔

"ایک دن کرو گی۔" وہ ہنس دیا۔

"میں کیوں کرنے لگی۔۔۔؟" مسرت تنک کر بولی۔

"تم رشتے سے انکار کر رہی ہو۔" اس کے چہرے اور آنکھوں سے سنجیدگی ظاہر ہوئی۔ مسرت کا جی چاہا ماتھا پیٹ لے۔

(اماں کو بھی ڈھنڈورا پیٹنے کا شوق ہے کوئی اور بہانہ نہ کر سکتی تھیں۔)

"میں نے تو نہیں کیا۔" وہ اس کے یوں براہ راست پوچھنے پر گڑبڑا گئی۔۔۔ اسے کیا معلوم تھا۔ وہ یوں جواب دہی کے لیے سامنے آ جائے گا۔

"تو تمہاری طرف سے ہاں ہے۔" وہ درخت سے ٹیک لگائے' دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بغور اس کے تاثرات جانچ رہا تھا اور اس کا یوں دیکھنا مسرت کو پزل کر رہا تھا' وہ یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ مگر جہاں اسے اترنا تھا۔ وہیں شفیق کھڑا تھا۔ مسرت نے اپنی گھبراہٹ کو غصے میں چھپانے کی سعی کی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔۔۔ مجھ سے یہ سب پوچھتے ہو۔"

"شرم کی کیا بات ہے۔ تم نے انکار کیا ہے۔۔۔ میں وجہ پوچھنے آیا ہوں۔"

مسرت کی بے چین نگاہوں نے دور تلک فاطمہ کو کھوجا۔

"وہ ابھی دور ہے۔۔۔"

"کون۔۔۔؟" مسرت چونکی۔

"جس کا تم انتظار کر رہی ہو..." اس نے گھنے پتوں میں چھپی کیری توڑی اور پانی میں زور سے پھینک دی۔ پانی اچھل کر مسرت کے پیروں پر پڑا۔

"تمہیں کیسے پتا۔"

بالکل ویسے جیسے مجھے یہ پتا ہے کہ اس رشتے پر اعتراض صرف تمہیں ہے۔" وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

"بھا شفیق، پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں نے اترنا ہے۔"

"اتر جاؤ۔"

"پانی میں اتروں... وہ چڑ گئی۔

"میں سنبھال لوں گا۔" وہ ہولے سے ہنسا۔

"کیوں تنگ کرتے ہو۔" وہ روہانسی سی ہو گئی۔

"تنگ تو تم خود ہو گی... اپنی بے کار خواہشات کے ہاتھوں... یہ جو تمہارے دماغ میں کیڑا رینگ رہا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں... بے وقوفی مت کرو... میں اور تم بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ تم پر کوئی پابندی نہ ہو گی... سیاہ کرو یا سفید... کبھی نہیں پوچھوں گا... رانی بن کر رہو گی... ساری خواہشیں پوری کرنا، ماں کی طبیعت تو تم جانتی ہو۔ کتنی سادہ بلکہ اللہ لوک ہیں۔ تمہیں کبھی کسی بات پر نہ ٹوکیں گی۔" شفیق کے سادہ اور صاف لہجے نے اسے اسیر کر لیا۔ وہ کچھ لمحے گم سم سی رہی۔ پھر سر جھٹک کر بولی۔

"مجھے گاؤں میں نہیں رہنا۔"

"عجیب لڑکی ہو۔" اس کا لہجہ بگڑا۔ "اب میں تمہارے لیے شہر تو شفٹ ہونے سے رہا۔ میرا تو سب کچھ یہیں ہے۔ گھر، زمینیں، خاندان، برادری، اور تم نے کیا شہر جا کر مل لگانی ہے۔"

"تمہیں کیا... تم اپنا رستہ ناپو... میری راہ کیوں روکی ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"میں نے..." اس نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر حیرت سے دیکھا۔ "راہ تو تم نے میری روک رکھی ہے۔ کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیتی ہو۔"

"تم..." وہ جھنجلائی۔

"خالہ بتا رہی تھیں۔ تم کالج میں ایڈمیشن لے رہی ہو؟"

"ہاں..."

"واپسی کب تک ہو گی؟"

"چار سال بعد..." مسرت جل کر بولی۔

"میں انتظار کروں گا۔"

"اگر میں تب بھی نہ آئی؟"

"آنا تو یہیں ہے... کیونکہ درخت اپنی جڑوں سے مضبوط ہوتا ہے... اور تمہاری جڑیں یہاں ہیں۔ اسی مٹی، اس سرزمین اور اس دل میں... یہ شہر اور پڑھائی والا شوق بھی پورا کر لو..." شفیق نے تیقن سے

اپنی بات پوری کی۔

"کہہ چکے، اب میرا رستہ چھوڑو۔"

"آؤ میں اتار دوں..." اس نے شرارت سے بازو پھیلایا۔

"مجھے رستہ نکالنا آتا ہے... تم مت چھوڑو۔" اس نے پانی میں چھلانگ لگا دی... چھپاکا ہوا اور شفیق کو بھگو گیا۔

وہ ہنستے ہوئے پانی سے ابھری... پھر ٹھٹک گئی۔

شفیق مسکرا رہا تھا۔ پھر اس کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی۔

مسرت کو لگا... وہ کھڑے کھڑے پانی میں جلنے لگی ہو۔

"کیسی بے وقوفی کی... اب لان کے بھیگے کپڑوں میں سامنے کیسے نکلوں۔"

خود کو سمیٹتی، بھیگے دوپٹے کو پھیلانے کی سعی میں پھر سے پھسل جاتی۔ مگر شفیق نے بازو سے پکڑ کر سہارا دیا۔ پھر اس کا ہاتھ درخت کے تنے پر ٹکاتے ہوئے مدھم سی سرگوشی کی۔

"اک... اک دن گن کر گزاروں گا... جلدی آنا۔"

سبز پتوں میں دم سادھے ہوا نے اس سرگوشی کو سنبھالا اور بہتے پانی کے حوالے کر دیا... بہتے پانی اس کے گرد دائرے بنانے لگے۔

کوئل کی کوک میں تیزی آ گئی۔

وہ گم صم کھڑی اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

● ● ●

عالیہ دانستہ کئی بار اپنے بھائی کے گھر گئیں... شاید ان ہی کے ذہن میں کوئی بات ہو۔ اشارتاً لڑکیوں کے رشتوں کا ذکر بھی چھیڑا۔

"ہاں بھئی کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر ہاں کر دو صدف کی تو عمر بھی نکلی جا رہی ہے۔" بھابھی نے آرام سے کہا۔ عالیہ کو تاؤ ہی تو آ گیا۔

"کچھ زیادہ عمر تو نہیں... اپنے علی کی ہم عمر ہے۔" انہوں نے منجھلے بھتیجے کا نام لیا۔

"لڑکوں کی عمر کون دیکھتا ہے... علی تو ویسے بھی کہتا ہے۔ پسند کی شادی کروں گا۔" بھابھی تو گویا بات ہی ختم کر دی۔

"تم کسی رشتہ کروانے والی سے بات کرو۔" بھابھی کے مشورے پر وہ دل مسوس کر رہ گئیں... مگر جو پہلی وچولن عالیہ کو ملی۔ وہ ان کی بھابھی ہی کہ بھیجی ہوئی تھی... دور پار کی جاننے والی تھی۔

"بہت اچھے اچھے رشتے کروائے ہیں۔ کہو تو بھجوا دوں۔" انہوں نے فون کر کے پوچھا۔

"بھجوا دیں..." عالیہ نے کچھ بے زاری سے جواب دیا۔ سمجھ تو گئی تھیں کہ بھابھی اس خطرے کی گھنٹی کو بجنے سے پہلے ہی ہٹا دینا چاہتی تھیں... وچولن کو انہوں نے اس وقت بلوایا۔ جب بے جی اپنے

کسی عزیز کی عیادت کے لیے گئی تھیں۔

"ہائے اللہ عالیہ آپا! تم نے مجھے اب بلوایا۔" اس نے اپنے کلیے پیٹ لیے۔۔۔ بھاری جثہ' سانولی رنگت' بڑے بڑے ہاتھ پاؤں' جہاں بیٹھتی خوب پھیل کر بیٹھتی۔ پھر اٹھنے کا نام بھی نہ لیتی۔

"ایسے۔۔۔ ایسے رشتے۔۔۔ ایسے ایسے لڑکے۔۔۔ کوئی ڈاکٹر' کوئی انجینئر' وڈے وڈے افسر کہاں کہاں کھپا دیے۔۔۔ پہلے کیوں نہ بتایا کہ ادھر اپنی بچیاں جوان ہیں۔۔۔ اب تک تو ساری کی ساری بیاہی جاتیں۔"

"مجھے کیا معلوم تھا۔ وہ تو بھابھی نے بتایا کہ تم نے بھی یہ کام شروع کر دیا ہے۔" عالیہ نے بے زاری سے جواب دیا۔

"حالات۔۔۔ شوہر تین سال پہلے گزر گیا۔۔۔ ایک بیٹا کمانے جوگا تھا۔ مشین میں بازو آگیا۔ بے کار ہو کر بستر پر آپڑا ہے۔۔۔ ہمیں تو کھانے کے لالے۔۔۔" وہ منہ پر دوپٹہ رکھ کر سسکنے لگی۔۔۔ بھاری جثہ یوں ہچکولے کھانے لگا جیسے پرانا انجن اسٹارٹ ہونے سے پہلے کھاتا ہے۔ عالیہ نے اب کے قدرے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"ہمت کرو ناہید! اللہ کوئی نہ کوئی سبب بنا ہی دیتا ہے۔"

"سر کا سائیں نہ رہے تو عورت یونہی دھکے کھاتی ہے۔ اب ماری ماری پھرتی ہوں۔۔۔ آپ جیسوں کے کام ہو جائیں تو میرا بھی بھلا ہو جاتا ہے۔ مگر آپا تم نے پہلے کیوں نہ بلایا۔ خدا کی قسم ایسے ایسے رشتے ہاتھ سے نکل گئے۔" وہ سسکیاں روک کر سابقہ ٹون میں واپس آگئی تب ہی نیا ہاتھ میں شربت کا گلاس لیے چلی آئی۔

"ناہید باجی! جو نکل گئے ان کی فکر چھوڑیں۔۔۔ جو ہیں ان کی بات کریں۔۔۔"

عالیہ نے اسے بری طرح گھورا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔ جاؤ کچن میں۔۔۔ سارا کا ہاتھ بٹاؤ۔"

مگر وہ ڈھٹائی سے وہیں جم گئی۔

"میں اپنی بیٹی کو ایسی ویسی جگہ تھوڑی بیاہوں گی۔ دیکھنا کیسا امیر کبیر گھرانا ڈھونڈتی ہوں۔ ایسی پیاری لڑکیاں ہیں۔"

"کمی تو کوئی نہیں۔۔۔ پڑھی لکھی' خوش شکل لڑکیاں ہیں۔۔۔ صدف کی تو تنخواہ ہی کافی ہے۔ بس نصیب میں ہی چکر ہے۔" عالیہ نے آہستگی سے کہا۔

"کوئی چکر نہیں ہے۔ میں کل ہی ایک دو گھروں میں بات چلاتی ہوں۔" اس نے شربت کا گلاس ختم کر کے نیا کو تھمایا۔

"باجی کے لیے چائے بنا لاؤ۔" عالیہ نے نیا کو ٹالا۔ انہیں ناہید سے رشتوں کی تفصیل معلوم کرنا تھی۔ وہ چائے بنانے کچن میں آگئی۔ جہاں سارا دوپہر کا کھانا بنا رہی تھی۔

"سالن تقریباً" تیار ہے۔ تم کہاں غائب ہو۔۔۔ آٹا گوندھ لو۔۔۔ روٹی پکا لو۔" بے جی نے کاموں کی تقسیم کر دی تھی۔ دوپہر کا کھانا سارا اور نیا کے ذمے' رات کا کرن اور عالیہ بنا لیتی تھیں۔۔۔ ناشتہ ناصرہ اور لڑکیاں

مل جل کر کر لیتی تھیں۔

اس نے چائے کا پانی رکھا تو سارا پوچھے بنا رہ نہ سکی۔

"اس وقت کس کے لیے بنا رہی ہو؟"

"امی کی خاص الخاص مہمان ہیں۔"

اس نے پلیٹ میں بسکٹ نکالے۔ فریج میں مٹھائی کے ڈبے میں پانچ کھوئے والی گلاب جامنیں پڑی تھیں۔ وہ بھی نکال لیں۔

"خیر تو ہے۔ ناہید بی بی ایسی مہمان تو نہیں کہ اتنی خاطر مدارات کی جائے۔"

"ہیں۔۔۔ تم ناہید باجی کو جانتی ہو۔؟" نیا چونکی۔

"بچہ! ہمیں سب پتا ہوتا ہے۔" سارا نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"بے جی کی صحیح جانشین ہو۔"

"وہ تو ہوں۔۔۔ چائے پلا دو۔ کھانے کے لیے نہ روکنا۔" سارا نے ہنڈیا میں چمچہ چلایا۔

"ویسے بڑی غریب نواز بنتی ہو۔" نیا نے طنز کیا۔ سارا نے زیادہ پروا نہیں کی۔ اسے افسوس تھا۔۔۔ چچی اب رشتے کروانے کے لیے ہزاروں روپے ان عورتوں پر ضائع کریں گی۔ نیا چائے لے کر چلی گئی۔ ناہید نے سارے بسکٹ' گلاب جامنیں ہضم کیں۔ چائے پی۔

"گھر سے صرف ایک گلاس لسی کا پی کر نکلی تھی۔ یہ وقت ہونے کو آیا۔ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے اب آنکھیں کھلی ہیں۔"

"ناہید باجی! آپ کھانا کھا کر جایئے گا۔" نیا خوامخواہ ریشہ خطمی ہو رہی تھی۔

عالیہ جز بز ہو گئیں۔ وہ بے جی کے آنے سے پہلے ناہید کو چلتا کرنا چاہتی تھیں۔ "جیتی رہو رب اچھا نصیب کرے۔ بڑے دل والی لڑکی ہے۔" ناہید خوش ہو کر بولی۔۔۔ نیا گھبرا اٹھی۔

"نہیں نہیں بیماری کوئی نہیں ہے مجھے۔۔۔ بالکل نارمل سائز کا دل ہے۔"

"ہا۔۔۔ کیسی معصوم لڑکی ہے۔"

عالیہ اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔۔۔ جلدی جلدی روٹیاں بنا کر کھانا کھلایا۔ ہزار روپیہ مٹھی میں دیا۔ وہ خوش خوش جلد آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

"خود مت آنا۔۔۔ پہلے فون کر لینا۔۔۔ جب کہوں تب گھر آنا۔" عالیہ نے تاکید کی۔

"اتنی سی میری بھی لڑکی ہے۔ کوئی پرانے کپڑے ہوئے تو وہ بھی نکال رکھنا۔" ناہید نے جاتے جاتے کہا۔ اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد بے جی اور ناصرہ واپس آگئیں۔

عالیہ نے شکر ادا کیا۔ ناہید جا چکی تھی۔ ورنہ خوامخواہ ساس کے سوالوں کا جواب دینا پڑتا۔

"توبہ توبہ' کیسی بلا کی گرمی ہے۔" انہوں نے چادر اتار کر تخت پر رکھی۔

"اندر آجائیں۔ اے سی چلا دوں۔"

"نہ بھئی ادھر ہی ٹھیک ہوں' ٹھنڈا پانی پلا دو۔" وہ وہیں بیٹھ گئیں۔ نیا پانی لے آئی۔ عالیہ نے پنکھا چلا

دیا۔

"یہ فردوس کی لڑکی یہاں کیا کرنے آئی تھی؟" انہوں نے اچانک سوال کیا۔

"توبہ ہے۔ ان کی بھی چار چار آنکھیں ہیں۔"

عالیہ ان کے سوال پر سخت بدمزا ہوئیں۔ یقیناً انہوں نے ناہید کو گھر سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔

"پتا نہیں۔ یونہی ملنے چلی آئی۔ آپ کا پوچھ رہی تھی۔" انہوں نے گول مول جواب دیا۔

"سنا ہے رشتے وشتے کرواتی ہے۔" بے جی کا لہجہ سرسری سا تھا۔

"توبہ! ان سے تو کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔" انہوں نے جل کر سوچا۔

"ہوں۔۔۔ کرواتی ہے۔"

"تم سے کتنے پیسے ٹھگ لیے؟"

"اولاد جوان ہو گئی۔۔۔ پر آپ نے ابھی تک بہوؤں کو بے وقوف ہی سمجھ رکھا ہے۔" عالیہ نے تپ کر کہا۔

"عالیہ بی بی! میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔" بے جی نے طنز کیا تو عالیہ نے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔ وہ فی الحال ان سے بحث کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

● ● ●

بے جی کو معلوم تھا کہ کس جگہ کس فرد کو آگے کرنا ہے۔ شاید اسی لیے وہ سب آج تک اکٹھے رہ رہے تھے۔ رشتہ طے ہونے تک وہ ہر بات میں پیش پیش تھیں۔ اب جہیز کی تیاری میں ناصرہ اور لڑکیوں کو فری ہینڈ دے رکھا تھا۔ خود آرام سے ایک طرف ہو گئیں۔

"مجھے کیا پتا آج کل کے فیشنوں کا۔ لڑکیوں کو ساتھ لے لیا کرو۔ جنہوں نے برتنا ہے اشیاء بھی ان کی پسند کی ہونی چاہئیں۔ زیور، کپڑا، برتن، اپنی اپنی پسند سے لے لیں۔"

"میں تو کہتی ہوں دونوں کو ایک جیسا۔"

"اچھا۔ اس کو لال رنگ پسند ہے۔ اس کو نیلا۔ اس کو چوکور پلیٹ اچھی لگتی ہے، اس کو گول۔ کوئی عقل سے کام بھی لیا کرو۔ پیسوں کا حساب ایک سا رکھو۔ باقی ان کی مرضی۔" بے جی نے گھور کر دیکھا تو پاس بیٹھی سارا ہنس دی۔

"بے جی! ہمیں یہی باتیں تو آپ کا گرویدہ کیے ہوئے ہیں۔ ہر کسی کی خوشی کا خیال رکھتی ہیں۔"

"ہر کسی کو خوش کہاں رکھا جا سکتا ہے۔ بس یہی خیال رکھتی ہوں کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ اسی لیے تو سب کو جوڑے بیٹھی ہوں۔ سب کو اپنا اپنا حصہ ملتا رہے تو اعتراض کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ بہرحال تیاریاں شروع کر دو۔ اس سال کے آخر میں ان شاء اللہ دونوں شادیاں کر دیں گے۔ اگرچہ دونوں کے سسرال والوں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ پھر بھی بیٹیوں کو دینا تو سب ہی کچھ پڑے گا۔"

بے جی اور ناصرہ مزید مشوروں میں لگ گئیں۔ کیا کچھ لے چکے ہیں۔ کیا کچھ لینا ہے۔ سسرال والوں کو

کیا کیا دینا ہے۔ سارا بور ہو کر اٹھ گئی۔

نایاب بالکونی میں کھڑی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟"

"اپنے شہزادے کا انتظار۔۔۔"

سارا نے ذرا سا جھک کر پہلے گلی میں جھانکا۔ پھر سامنے والے تین منزلہ چوبارے کو دیکھا۔

"چوبارے والے شیخ صاحب کی پہلے ہی تین بیویاں ہیں۔ گلی میں اس وقت یا سبزی والا گزرتا ہے یا ردی بیچنے والا۔ تمہاری نیت کس پر خراب ہوئی ہے؟"

جواباً نایاب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"خود تو منگنی کروالی۔ اب باتیں تو بناؤ گی۔"

"تم بھی کروا سکتی تھیں۔" سارا نے ترنت جواب دیا۔

"ہونہہ۔۔۔!"

"اچھا۔ زیادہ دل پر نہ لو۔ تمہارا وقت بھی آ ہی جائے گا۔" سارا نے تسلی دینے والے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ارے۔" نایاب نے اس کا ہاتھ جھٹک کر خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ "تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔ جب میری منگنی ہو گی اور جہاں ہو گی۔ تم دیکھتی رہ جاؤ گی۔"

"مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے ڈیئر۔" سارا نے ہمدردی سے کہا۔ "اب آ جاؤ۔ دوپہر کے کھانے کا کچھ کر لیں۔"

دونوں پلٹیں۔ پھر ٹھٹک کر رکیں۔ صدف کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ فون پکڑے کہہ رہی تھی۔

"آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا۔۔۔؟"

"ظاہر ہے۔۔۔ اپنی بھابی سے۔۔۔"

"آپ کو مجھے فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔" صدف کی خوب صورت پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"کسی کی جان گئی۔ آپ کی ادا ٹھہری۔ اب کیا جان لینے والے سے یہ بھی نہ پوچھوں کہ کیوں۔۔۔ صدف جی۔۔۔ کیوں کیا آپ نے ایسا۔۔۔؟"

"دیکھیے مسٹر۔! آپ مجھے کسی بات کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔ آپ نے پرپوزل بھجوایا۔ میں نے انکار کر دیا۔ ڈیٹس اٹ۔۔۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں۔" دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہی تو پوچھنے کے لیے فون کیا ہے۔ جس ہستی کے انتظار میں، میں نے زندگی کے قیمتی ماہ و سال گنوائے۔ چہرے کی شادابی، آنکھوں کی چمک اور سر کے بال گنوائے، وہ مجھے فی الفور انکار کیسے کر سکتی ہے۔" اس کے لہجے میں حد درجہ بے چارگی تھی۔

"تو کیا اس کے لیے دس پیجز کا کوئی مضمون لکھنا پڑے گا۔" صدف نے تنک کر کہا۔

"صدف! آپ سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہیں۔"

"بہتر ہے آپ سمجھ جائیں۔ بار بار میرے گھر کے چکر لگانے سے کچھ نہ ہوگا۔ میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ اس لیے پلیز' آئندہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کیجئے گا۔ آج بھی صرف اس لیے بات کرلی کہ ایک تو آپ فروا کے جیٹھ ہیں۔ دوسرے میں آپ کی خوش فہمی دور کرنا چاہتی تھی۔" صدف کا لہجہ بالکل بے لچک تھا۔

"لیکن میں پھر بھی آپ کا منتظر رہوں گا۔" تجمل نے مدھم اور ٹھوس لہجے میں کہا۔ "کہ میرے تو سارے رستے آپ تک آکر رک گئے ہیں۔ زندگی کی آخری سانس تک انتظار کروں گا۔ جب بھی ضرورت محسوس ہوئی ایک آواز دے دیجئے گا۔"

"اسٹوپڈ۔" صدف جل کر رابطہ منقطع کرتے ہوئے۔ مڑی وہ دونوں جو دروازے کے بیچوں بیچ کان لگائے صدف کے ہر جملے سے دوسرے طرف کے جملے کا اندازہ لگا رہی تھیں۔ کھسیا کر نیچے بھاگیں۔

"ال مینرڈ۔" صدف نے دھاڑ سے دروازہ بند کردیا۔

سارا نے نیچے جاکر ساری بات بے جی کو بتائی تھی۔ وہ تاسف سے سر ہلانے لگیں۔

"ایسے قدردان بار بار نہیں ملتے۔ یہ لڑکی پچھتائے گی۔"

● ● ●

ناہید پانچویں دن دوبارہ آموجود ہوئی۔ بے جی نہا رہی تھیں۔ عالیہ جلدی سے اسے اپنے کمرے میں لے گئیں۔

"بے جی کے سامنے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ خوامخواہ سو سو نقص نکال دیتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے ٹھنڈا ٹھار شربت پلواؤ۔ پھر خوش خبری سناؤں گی۔" وہ اپنا بھاری جثہ سنبھالتی بیڈ پر براجمان ہوئی۔ بیڈ بیچارہ چوں چاں کرکے رہ گیا۔ نایاب فالسے کا شربت جگ بھر کر بنا لائی۔ اور وہیں براجمان ہوگئی۔

"بڑی ہی اچھی فیملی ہے۔ ساری کی ساری باہر۔ یہاں صرف لڑکے کی بہن رہتی ہے۔ ویسے تو یہاں بھی ان کی دو دو کوٹھیاں ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ لڑکی کو ساتھ ہی لے جائیں گے۔ بڑے والے کی منگنی بھی یہیں کی ہے۔ صرف منگنی میں ہی چار سیٹ چڑھائے۔ جہیز وہیز کا انہیں کوئی لالچ نہیں' کہتے ہیں ہمارے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ بس نیک شریف لڑکیاں چاہئیں۔ میں نے تو لڑکے کی بہن سے بات بھی کرلی ہے۔ سن کر بہت خوش ہوئی پر یہ تو بتاؤ بڑی کی بات کرنی ہے یا منجھلی کی۔"

نایاب نے بے چینی سے پہلو بدل کر ماں کو دیکھا۔

"دونوں کی تصویریں لے جاؤ۔ کسی کی بھی ہوجائے۔"

نیا مایوس سی ہوئی۔ بھلا صدف کے سامنے اس کی دال کہاں گلنا تھی۔ تب ہی صدف چلی آئی۔

"کام والی نے آنا چھوڑ دیا ہے کیا؟ کتنے دنوں سے میرے کمرے کی صفائی نہیں ہوئی۔"

"گولی مارو صفائی کو' یہاں بیٹھو یہ ناہید ہے۔ اس کے پاس۔" عالیہ نے اسے پاس بٹھانا چاہا۔ صدف نے

تیزی سے بازو چھڑایا اور ناگواری سے ناہید کو دیکھا۔

"ایکسکیوز می امی! مجھے آپ کے کسی ڈرامے کا حصہ دار نہیں بننا۔ آپ نیا کی کردیں اور پلیز۔۔۔ میرے کمرے کی صفائی کروادیں۔"

وہ اس دن سے ہی اکھڑی ہوئی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ کیا بڑی کیا چھوٹی۔ جو بھی ٹھکانے لگے۔" عالیہ کو شرمندہ ہوتا دیکھ کر ناہید نے تسلی دی۔

"ٹھیک ہے۔ تم ان لوگوں سے بات کرکے جلدی بتاؤ۔" عالیہ نے قدرے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔ وہ دل سے چاہتی تھیں کہ پہلے صدف کی ہو۔

"وہ تو راضی ہی ہیں۔ کہو تو اتوار کو لے آؤں۔" اس نے ہتھیلی پر سرسوں جمائی۔ عالیہ کو اس سے بھی زیادہ جلدی تھی۔ فوراً" مان گئیں۔

"اچھا سا انتظام کرلینا۔"

"ظاہر ہے۔ کسی گھسیارے کے گھر تو نہیں لاؤں گی۔"

ناہید نے باقی ماندہ شربت حلق میں انڈیلا۔

"وہ کچھ کپڑے شپڑے۔"

نایاب نے پہلے ہی نکال رکھے تھے۔ فوراً" گٹھڑا اٹھا لائی۔ مارے جوش کے اچھے اچھے کپڑے بھی رکھ دیے۔ وہ بھی جن پر اتنے عرصے سے مائرہ کی نظر تھی۔

"میں نے کہا۔ وہاں کنواں کھدوانے لگی ہو۔" بے جی کی گونج دار آواز کمرے کے اندر تک آئی تو تینوں ہڑبڑا گئیں۔

"جاؤ۔ پہلے ان کو سلام کرلو۔ پر رشتے کی بات نہ کرنا۔ میں خود ہی بتادوں گی۔" ناہید باہر نکل آئی۔ بے جی تخت پر بیٹھی تھیں۔ مریم ان کے بالوں میں تیل لگا کر کنگھی کررہی تھی۔

"خیر ہے۔ بہو رانی تو کسی کو پانی کا گھونٹ نہ پوچھیں۔ تمہیں کیوں گھٹنے سے لگائے بیٹھی ہیں۔" بے جی نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ نہا رہی تھیں تو میں اندر آیا عالیہ کے پاس بیٹھ گئی۔" ناہید ان کے پاس تخت پر بیٹھ گئی۔ بے جی س سے گاؤں کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

"عرصہ ہوا گاؤں چھوڑ کر شہر آگئے تھے۔ اب تو گاؤں جانا ہی نہیں ہوتا۔"

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ عالیہ کے کمرے میں گٹھڑا اٹھانے گئی تو چپکے سے کہنے لگی۔

"آپا! کچھ پیسے دے دو۔ میاں کی دوا لانی ہے۔ ڈاکٹر نے کئی ٹیسٹ لکھ دیے ہیں۔"

عالیہ نے فٹ سے دو ہزار لا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ وہ روپے گریبان میں اڑسے' کپڑوں کی گٹھڑی سر پر اٹھائے دعائیں دیتی چلی گئی۔

"فون کردینا کہ کتنے بجے آئیں گے۔ میں چائے کھانے کا بندوبست کررکھوں گی۔"

عالیہ نے اسے جاتے جاتے تاکید کی۔ عالیہ نے رات کو کھانے کے بعد سب سے ذکر کیا تو بے جی بے اختیار ٹوک بیٹھیں۔

"ارے... اتنی جلدی۔ کچھ پوچھ پڑتال ہی کروالی ہوتی۔ پھر باہر والوں کا کیا بھروسا۔" انہوں نے بیٹے کو دیکھا وہ بیوی کو دیکھنے لگے۔

"سب ہو جائے گا۔ پہلے مل تو لیں۔" عالیہ نے بے نیازی سے کہا تو بے جی غصے سے خاموش ہو گئیں۔

● ● ●

اتوار کا دن تھا اور صبح سے گھر میں گہما گہمی تھی۔ حسب عادت عالیہ کا جوش دیدنی تھا۔ نیا کل ہی فیشل، پیڈی کیور، مینی کیور کروا چکی تھی۔ بے جی چپ تھیں لیکن جب عمیر ڈھیر سارے بیکری کے لوازمات اٹھائے آیا تو انہوں نے بے اختیار ٹوکا۔

"اس کو فون کر کے پوچھ تو لو۔ کتنے مہمان ہیں؟ کس وقت آئیں گے...؟"

فکر تو عالیہ کو بھی تھی کہ ناہید نے کچھ بتایا ہی نہ تھا۔ یہ نہ ہو کہ ان کا ارادہ بدل گیا ہو۔ یا آج وہ نہ آسکتے ہوں۔ اسی ڈر سے انہوں نے کھانے کا انتظام نہ کیا تھا۔ اگرچہ دو دن قبل ناہید کا فون آیا تو اس نے بتایا تھا کہ وہ مہمانوں کو لے کر ضرور آئے گی۔

"واہ بھئی واہ! آج تو لگتا ہے میدان مار ہی لوگی۔" کرن نے نیا کو سراہا۔ جو بے بی پنک سوٹ میں نیچرل میک اپ اور ہلکی پھلکی جیولری کے ساتھ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

"بس دعا کرو۔ ایک بار میرا رشتہ ہو جائے۔ دیکھنا مانو کا بھی وہیں کرواؤں گی۔" وہ اترا کر بولی۔ اس کے لہجے میں اپنے آپ سے مطمئن ہو جانے کا تاثر نمایاں تھا۔

"یار! پہلے اپنا تو طے کروالو۔" سارا نے سرسری انداز میں کہا تو نیا نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تم جیلس ہی ہوتی رہنا۔"

سارا ہکا بکا رہ گئی۔ نیا کہہ کر باہر نکل گئی۔

"یہ تو کچھ زیادہ ہی ہواؤں میں ہے۔" سارا نے حیرت سے کرن کو دیکھا جو نجانے کس سوچ میں تھی۔

"تم کہاں ہو...؟" اس نے کرن کو ہلایا۔

"سارا! اگر یہ رشتہ طے ہو گیا..."

"اچھی بات ہے۔"

"ہماری دفعہ بے جی نے کچھ زیادہ جلدی تو نہیں کردی۔" کرن نے جھنجلا کر کہا۔ سارا نے اسے غور سے دیکھا اور مسکرا دی۔

"یہ تو نصیبوں کی بات ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے ایک وقت آئے گا کہ ہم ان کے فیصلے کو سراہ رہے ہوں گے۔"

"پتا نہیں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر باہر نکل گئی۔ جہاں صغری اک مرغی بغل میں دابے خراماں خراماں

چلی آرہی تھی۔

"ایں، صغری بی۔ یہ مرغی کہاں سے ہتھیالی۔" بے جی نے ناک پر انگلی رکھ کر پوچھا۔ جواباً صغری نے مرغی پٹخی۔ خود تخت پر افسردہ و دلگیر سی صورت بنا کر بیٹھ گئی۔ مرغی کے پاؤں بندھے تھے۔ نیچے گری، پر پھڑپھڑائے اور کٹ کٹ کٹاک کر کے سارا صحن سر پر اٹھالیا۔

"تم نے کیوں سوکھے کریلے جیسا منہ بنا رکھا ہے۔" مرغی گھسٹتی ہوئی تخت کے نیچے گھس گئی تو بے جی نے پوچھا۔ صغری نے بے حد چڑ کر جواب دیا۔

"یہ مرغی نہیں۔ نمبرداروں کی وہ "مج" ہے جو شادی ہوتے ہوتے مرغی بن گئی۔"

"ہیں۔" مارے تجسس کے کرن تخت کے نیچے گھس گئی۔ مگر وہ یقیناً مرغی ہی تھی۔ جبکہ صغری انہیں نمبرداروں کا قصہ سنانے لگی۔ جنہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان کے بیٹے کا رشتہ کروادے تو اسے بھینس دے گا۔

"ایسی معمولی شکل کا لڑکا، ہاتھی کا ہاتھی، کیسی خوب صورت پڑھی لکھی لڑکی ڈھونڈ کر دی۔ آج ان کا وعدہ یاد دلایا تو مرغی تھما دی کہ اس مہنگائی کے دور میں مرغی کا شوربہ پیو اور دعائیں دو۔"

"جوڑ جو بڑا اچھا ملایا تھا۔ لڑکی کی آہ لگی ہے۔" کرن بڑبڑائی۔

"اچھا صبر کرو۔ کچھ لوگ ہوتے ہی تھوڑدل کے ہیں۔ حق داروں کا حق رکھنا سخت گناہ ہے۔ پر لوگ نہیں سمجھتے۔ یہ تم مرغی کا ایکسرے کرتی رہو گی۔ جاؤ جا کر شربت بنا لاؤ۔"

"انہوں نے نیچے جھکی کرن کی کمر پر دھپ رسید کی۔ وہ بلبلاتی ہوئی کچن میں جا گھسی۔

دن سارا انتظار میں گزر گیا۔ مہمانوں کو نہیں آنا تھا نہ آئے۔ نیا کمرے میں جا گھسی۔ عالیہ کھسیانی سی ہو کر پھر رہی تھیں۔ انہیں ناہید پر سخت غصہ تھا۔ آخر صغری کی مدد لینا پڑی۔ اسے پورا پتا سمجھا کر بھیجا۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ہانپتی کانپتی لوٹی۔

"یہ تو سارا پتا ہی غلط ہے۔"

"لو۔ کر گئی ہاتھ فردوس کی لڑکی۔ ارے کتنے ٹھگ گئی اور وہ گھڑ میں کیا کیا تھا۔" بے جی سر پر ہاتھ مار کر رہ گئیں۔

"فردوس کی لڑکی، ناہید...؟ وہ کہاں سے مل گئی۔ ایک نمبر کی ٹھگ عورت ہے۔ ہٹا کٹا خاوند، مشٹنڈے لڑکے، یہاں کیا کرنے آئی تھی؟" صغری نے ایک سانس میں معلومات دینے کے ساتھ ساتھ سوال کیا۔

"ہماری بہو رانی سے پوچھو۔" بے جی نے طنزاً کہا۔ بہو رانی اس کے سوا کیا کر سکتی تھیں کہ اپنی شرمندگی چھپانے کو کمرے میں جا گھسیں۔ ابھی تو جبار صاحب کی باتیں بھی سننا تھیں اور نیا کا بس نہ چلتا تھا کہ کبھی کمرے سے باہر نہ نکلے۔

☆ ☆ ☆

یہ وہ موسم تھا جب دن سلگتے اور راتیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ یونہی سلگتے دنوں میں کالی گھٹائیں اٹھتیں اور

زمین کے جلتے بلتے سینے پر چھاجوں چھاج برس جاتیں۔ ندی نالے منہ زور ہو چلے تھے۔ تربوز اور خربوزے کے کھیت اجڑ پجڑ گئے تھے۔ کسان گندم کی کٹائی کے بعد کپاس کی بوائی سے فارغ ہو چکے تھے۔ کہیں کہیں دھان کی فصل بوئی جا رہی تھی۔ آم کے درختوں میں چھپی کوئل اک تواتر سے کوکتی جاتی۔ اب وقت بدل رہا تھا۔ سندر ناریاں باغوں میں جھولے ڈال کر ساون کے گیت نہیں گاتی تھیں۔ مگر وہ دونوں آج بھی آم کے عمر رسیدہ درخت کی خمیدہ کمر پر سوار چھپ چھپ پانی میں پاؤں مارتی باتوں میں مگن تھیں۔ کوئی دیکھنے والا نہ تھا کہ ان کنوارے گندمی رنگت والے پیروں سے پانی میں کیسے رنگ پھوٹتے تھے۔ لمبی لمبی گھاس کناروں سے جھکتی اور ان بھیگے پیروں کو چوم لیتی۔

"تم نے بہت اچھا کیا۔ جو پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔" فاطمہ نے کہا۔

"یہ سب باجی صدف کی وجہ سے ہوا ہے۔ انہوں نے بہت زور دیا۔ میں کیا بتاؤں فاطمہ' وہ کتنی پیاری ہیں۔ اتنی پر اعتماد۔ مجال ہے کہ کوئی ان پر اپنی مرضی مسلط کر سکے۔ کتنے مزے اور آرام سے انہوں نے ان سارے رشتوں سے انکار کیا۔ جو انہیں پسند نہیں تھے۔"

"بس' تم اسی وجہ سے ان سے متاثر ہو گئیں۔" فاطمہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"جی نہیں۔ ان میں اور بھی بہت خوبیاں ہیں۔" مسرت نے کھسیانی ہو کر کہا۔

اچھا یہ بتاؤ۔ شہر والے کیسے لگے۔ اپنے خوابوں جیسے۔۔؟"

"نہیں۔ خوابوں اور ٹی وی ڈراموں جیسے تو نہیں لیکن اچھے لگے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی ہیرو ملا؟" فاطمہ نے کندھے سے کندھا ٹکرایا۔

"ہیرو تو نہیں لیکن لڑکے اچھے ہیں۔" اسے عدیل کی شرارتی آنکھیں یاد آئیں۔

"اوہ۔۔۔ لیکن خیال سے۔ شفیق کو پتا چلا تو گلا دبا دے گا۔"

"خواہ مخواہ۔ وہ کیا میرا ماما لگتا ہے۔" مسرت نے تنک کر کہا۔

"ماما تو نہیں۔ کچھ اور ضرور لگتا ہے۔" فاطمہ ہنسی۔

"دیکھ فاطمہ! اگر مجھے اس حوالے سے تنگ کیا تو بہت برا ہو گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ سبجیکٹ کون کون سے لو گی۔ تیاری کیسی کرنی ہے۔۔؟"

دونوں یہی باتیں ڈسکس کرنے لگیں۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی پکا ہوا آم ٹپ سے پانی میں گر جاتا۔ وہ فاطمہ کو سب کے بارے میں تفصیل سے بتا رہی تھی جب نگاہیں سامنے اٹھیں۔ وہ ہڑبڑا کر چھلانگ لگا کر اتری۔

"فاطمہ! میں جا رہی ہوں۔"

"ارے! کیا آندھی آ رہی ہے۔۔؟"

"یہی سمجھ لو۔" وہ فوراً" ہی مخالف سمت بھاگ لی۔ تب ہی فاطمہ کو کھیتوں کے درمیان سے اس طرف آتا شفیق نظر آیا تو مسکرا کر خود بھی اتر آئی۔ شفیق قریب آ گیا۔

"کیسی ہو فاطمہ؟ اکیلی بیٹھی ہو؟" کیمل کلر کے کاٹن کے کرتا شلوار میں ملبوس شاید ابھی ابھی نہا کر آیا

تھا کہ بال اب بھی گیلے تھے۔

"بھائی شفیق! تم نے دیکھ تو لیا ہے۔ وہ تمہیں دیکھ کر بھاگ گئی۔" فاطمہ نے اپنا دوپٹہ درست کیا۔

"ہا۔ہا۔ اتنا ڈرتی ہے۔" اس نے مونچھیں سنواریں۔

"تو کم ڈراؤ۔ پہلے بھی تم سے ڈر کر شہر بھاگ گئی تھی۔" فاطمہ مسکرائی۔

"مجھ سے بھاگ کر کہاں جائے گی۔" شفیق زیر لب بڑبڑایا۔ پھر پوچھنے لگا۔

"کیا کہہ رہی تھی۔۔۔؟"

"کچھ خاص نہیں۔"

"وہ شہر والا خناس دماغ سے نکلا یا نہیں؟"

"نکل جائے گا بھائی۔ تمہیں کس بات کی جلدی ہے۔" شفیق نے غور سے فاطمہ کو دیکھا۔

"تم اس کی اکلوتی سہیلی ہو فاطمہ! کوئی اور بات تو نہیں۔۔۔؟"

فاطمہ نے قدرے ناراضی سے اسے دیکھا اور صاف گوئی سے بولی۔

"بھائی! اگر تمہیں کوئی شک ہے' تو رہنے دو۔ شک رشتوں کی ساری خوبصورتی گہنا دیتا ہے۔ وہ ابھی نا سمجھ ہے' نادان ہے۔ یہاں کی پابندیوں سے گھبرا کر شہر کو راہ فرار سمجھتی ہے۔ لیکن اتنی بھی کم عقل نہیں۔ وہاں کے مسئلے مسائل دیکھے گی تب ہی اپنی زمین کی قدر ہو گی۔ انتظار کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے۔"

فاطمہ کے ٹھوس لہجے کو شفیق نے ستائشی انداز میں سنا اور مسکرا دیا۔

"تم تو سچ مچ استانی بن گئی ہو۔ تھوڑا سبق اپنی سہیلی کو بھی پڑھا دو۔"

"تم فکر نہ کرو بھائی۔ سبق وہ کوئی بھی پڑھے۔ نتیجہ تمہارے حق میں ہی ہو گا۔"

☼ ☼ ☼

"اچھا تو تمہیں پڑھنا ہے۔" سر تا پا جائزہ لیا گیا۔ سینے سے کتاب لگائے وہ اپنی جگہ کسمسا کر رہ گئی۔

"گھر بھرا ہے لڑکیوں سے اور پڑھنے کے لیے بھیج دیا ان مسٹنڈوں کے پاس۔ آخر بے جی کو ہوا کیا۔۔۔؟ حالانکہ بے جی نے کہا تھا وہ مانو کے ساتھ مل کر اسرار سے پڑھ لے۔ مانو عین وقت پر دغا دے گئی۔ وہ پڑھنے کے شوق میں خود ہی چلی آئی۔ کیا معلوم تھا کہ یہاں عدیل اور عمیر بھی موجود ہیں۔

"اچھا ایسا کرو۔ فریج میں آم پڑے ہیں۔ دو بلکہ تین ٹکڑے قسم کے آم نکال لاؤ۔ وہ کیا ہے کہ بھوکے پیٹ پڑھایا نہیں جائے گا۔" عدیل نے بے چاری سی شکل بنا کر کہا۔

"جی اچھا۔" وہ مڑی۔

"کتاب چھوڑ جاؤ۔ میں تب تک جائزہ لے لوں۔"

"افوہ! تم سے پڑھنا کس نے ہے۔۔؟" وہ کڑھتی ہوئی فریج سے آم نکال لائی۔ ساتھ میں چھری اور اک بڑی پلیٹ بھی تھی۔

"جیو بہنا۔" عمیر نے فوراً" آم قابو میں کیے۔

"یار! اب تم لوگ جاؤ۔" یاسر نے ملتجی انداز میں کہا۔
"کیوں تم ہم سے زیادہ ماسٹر ہو۔" عدیل نے گھور کر دیکھا۔ پھر مسرت کی طرف متوجہ ہوا۔
"بیٹھو۔"
"میں پھر پڑھ لوں گی۔" وہ منمنائی۔
"ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔ بیٹھ جاؤ۔" اس نے گھرک کر کہا۔ وہ گھبرا کر صوفے کے کنارے ٹک گئی۔
"A. B. C آتی ہے؟"
"جی۔" مسرت نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"یہ جواب تھا یا استفسار۔" عدیل نے ساتھیوں سے پوچھا۔ یاسر نے دانت پیسے۔ جبکہ آم کاٹتے عمیر نے کندھے اچکائے۔
"آخر اتنے عرصے سے پڑھائی چھوڑ رکھی ہے۔ بھول بھی سکتی ہے۔"
"آتی ہے۔"
"لکھ کر دکھاؤ۔"
مسرت کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر جلدی جلدی لکھ کر سامنے رکھ دیا۔
"واہ تمہاری لکھائی تو زبردست ہے۔" عدیل نے بے اختیار سراہا۔
"Tenses آتے ہیں۔"
"آتے تو تھے۔" مسرت کچھ تذبذب سے بولی۔
"بتاؤ یہ کون سا Tense ہے۔ "مجھے تم سے محبت ہے۔"
مسرت ہکا بکا رہ گئی۔ ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔
"بھائی! تم تو ڈائریکٹ ان ڈائریکٹ سکھانے لگے۔ ان ڈائریکٹ چھوڑ کر ڈائریکٹ ڈارلنگ۔ بے جی کو پتا چلا تو یہیں گنجے ہو جاؤ گے۔" عمیر نے قہقہہ لگایا۔
"تم دونوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں مزید تمہاری شرارتوں کا حصے دار نہیں بن سکتا۔ میری ریپوٹیشن کا معاملہ ہے۔"
یاسر نے دانت پیس کر کہا۔ اس سے قبل ہی مسرت واک آؤٹ کر گئی۔ کس ذوق و شوق سے یہاں پرچوں کی تیاری کے لیے آئی تھی۔ سارا گھر داری میں مصروف' نایاب اور کرن تو گویا خود بھی مرکھپ کر پاس ہوتی رہی تھیں' کچھ آتا جاتا ہی نہ تھا۔ مریم اور فائزہ کو کالج سے فرصت نہیں۔ باقی رہ گئیں لیکچرار صاحبہ۔ یوں فر فر انگریزی بولتیں کہ سر سے دو فٹ اوپر سے گزرتی۔ وہ ہونقوں کی طرح ان کا چہرہ دیکھتی رہتی۔
"اس سے تو اچھا تھا۔ فاطمہ سے پوچھ تاچھ کر تیاری کر لیتی۔"
"سب کے سب چٹورے۔ بے دید۔ اپنا اپنا حصہ کھا کر بھی چین نہیں۔ نواز اور جبار کے لیے فریج میں آم رکھوائے تھے۔ اب پوچھتی ہوں تو ایک بھی نہیں۔ سب کے سب چٹ کر گئے۔ پیٹ ہے یا

کنوئیں۔" بے جی مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔ وہ کان لپیٹ کر چپکے سے اوپر چلی آئی۔
بجلی بند تھی۔ سب اپنے کمروں کے دروازے کھولے۔ ہاتھ کی پنکھیاں گھماتی بجلی والوں کو کوس رہی تھیں۔ نیا نے اپنے گھونسلہ بالوں کو عین چوٹی پر جوڑا بنا کر سمیٹا تھا۔ کرن اور مریم دوپٹے اتارے۔ قمیص کے بازو اوپر تک چڑھائے۔ "جان نکل رہی ہے" کی تکرار کر رہی تھیں۔ مانو کیونکہ ابھی ابھی نہا کر آئی تھی۔ اس لیے قدرے سکون میں تھی۔
"آپ لوگ بھی نہا لو۔" غلطی سے مانو نے مشورہ دیا۔
"سارا پانی تو تم نے ختم کر دیا۔ گویا مانو نہیں بھینسیں نہائی ہوں۔ پوری ٹنکی خالی ہو گئی۔" نایاب اس پر چڑھ دوڑی۔
"سو نو۔ گاؤں میں بھی بجلی بند ہوتی ہے۔" مریم نے بے زاری سے پوچھا۔
"نہیں' اس کا گاؤں کسی اور سیارے پر واقع ہے۔" نیا سچ مچ انگارے چبا رہی تھی۔
"وہاں تو بجلی آتی ہی نہیں لیکن گاؤں کی شامیں کھلے صحنوں کی وجہ سے ٹھنڈی اور خوشگوار ہوتی ہیں۔" مسرت نے بتایا۔ اسے سچ مچ اپنے آنگن میں پھیلا بکائن کا درخت اور نیچے بچھی چارپائی بہت یاد آ رہی تھی۔
"اب اس سات مرلے کے گھر میں کھلے صحن کہاں سے آئیں۔ یہ دو دو انچ کے صحن۔ رات دن سے بھی زیادہ عذاب میں گزرتی ہے۔" کرن بے حد بیزاری سے بولی۔
"پتا ہے یاسر رات کو کس حلیے میں سوتا ہے۔" مریم کو اچانک کچھ یاد آیا۔
"بنیان اور دھوتی میں۔"
"ارے نہیں۔"
"خدا کی قسم میں نے خود اسے اس حلیے میں دیکھا ہے۔"
لائٹ بند ہونے پر میں بالکونی میں نکل آئی۔ وہ نیچے صحن میں ٹہل رہا تھا۔ مجھ پر نظر پڑی تو غراپ سے اندر۔"
"ویسے گرمی میں یہ حلیہ آئیڈیل ہے۔"
"تم بھی سلوا لو۔"
"کیا بنیان یا دھوتی؟"
"بے فکر رہو۔ دونوں سلی سلائی مل جائیں گی۔"
ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق میں گرمی کا احساس کافور ہونے لگا۔
"تم نہیں ہنس رہیں۔" مریم نے مسرت کو ٹھوکا دیا۔
"اس میں ہنسنے والی کوئی بات ہی نہیں۔ گاؤں میں یہ لباس عام نظر آتا ہے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ مسرت کا قیام یہاں مستقل نہ تھا۔ وہ اکثر تیاری کے سلسلے میں دس پندرہ دن آ کر رہ جاتی۔ لیکن

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PAKISTANIPOINT

اس کی زیادہ تر تیاری فاطمہ کی مدد سے ہو رہی تھی۔

● ● ●

وہ جاتی سردیوں اور بھری بہار کے دن تھے۔ جب سارا کی شادی کی تاریخ طے ہوئی۔ ارادہ تو دو شادیاں اکٹھے کرنے کا تھا۔ مگر کرن کے سسرال میں کچھ مسئلہ ہونے کی بناء پر کرن کی شادی اگلے سال تک التوا میں پڑ گئی۔ بے جی نے مسرت کو پہلے ہی بلوا لیا تھا کہ تیاری کے ساتھ ساتھ شادی میں بھی بھرپور انداز میں شریک ہو سکے۔

"ساجد علی! مجھے تیری بیٹی بہت پسند ہے۔ بڑی بھولی اور سعادت مند۔"

"لو جی! یہ بات جا کر اماں کو ضرور بتانا۔" مسرت نے چپکے سے باپ کے کان میں چپکے سے کہا۔

"اللہ اس کا نصیبا کسی بہت ہی اچھی جگہ پر کھولے۔" بے جی اپنی دھن میں کہہ رہی تھیں۔ "کوئی برادری میں اس کا جوڑ کا نہیں ہے۔ بڑے مسئلے ہیں ساجد علی! خاندانی لوگ تو ملتے ہی نہیں۔ بس کھچڑی پکی ہوئی ہے۔ شرافت' خاندان' کردار' ناپنے کا کوئی پیمانہ ہی نہیں رہا۔ بس پیسہ ہونا چاہیے۔"

ساجد علی بے جی کو شفیق کے بارے میں بتاتے بتاتے رک گئے۔

"بے جی! ابھی پڑھ لے۔"

"پڑھائی بھی اچھی چیز ہے۔ پر بتاؤں زیادہ پڑھنے سے لڑکیاں بد دماغ بھی ہو جاتی ہیں۔ یہ اپنے۔"

وہ جبار کی لڑکیاں کہتے کہتے رک گئیں۔ ان کا ساری زندگی یہی اصول رہا تھا کہ گھر کی بات باہر نہیں کہنی۔ خواہ کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو۔

"اچھا' جو اللہ کی مرضی۔" انہوں نے مختصر لفظوں میں بات ختم کر دی۔

● ● ●

سامنے کھڑی موصوفہ کو دیکھ کر ایک بار تو عمیر کا دل زور سے سیٹی بجانے کو چاہا۔ تیز سرخ رنگ کا بے حد فٹنگ والا سوٹ۔ ہمرنگ اونچی ایڑی والے سینڈل' فل میک اپ' ہاتھ' گلے کانوں میں آرٹی فشل جیولری' بغل میں دبا بڑا سا پرس' چھوٹا سا دوپٹہ سر کے گرد لپٹا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ گلاسز۔ ہونٹوں کا کٹاؤ لپ اسٹک کی مدد سے کچھ زیادہ ہی نمایاں کیا گیا تھا۔

"یہ جبار صاحب کا گھر ہے؟"

"جی۔"

"مجھے عالیہ بیگم سے ملنا ہے۔" خاصی پر اعتماد شخصیت تھی۔

"اندر آجائیں۔" وہ کچھ حیران کچھ پریشان انہیں بے جی کے پاس لے آیا۔

"سبحان اللہ۔" عمیر کے بتانے پر کہ وہ چاچی سے ملنے آئی ہیں۔ بے جی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"میرا نام رفعت آرا ہے۔"

"لگتا تو نہیں۔" بے جی کے منہ سے نکلا۔ "بہرحال بیٹھو۔"

وہ ان کے پاس نزاکت و تکلف سے بیٹھ گئیں۔

"مجھے عالیہ صاحبہ سے ملنا ہے۔ دراصل میں میچ میکنگ کرتی ہوں۔" نہ آنکھوں سے گلاسز الگ ہوئے نہ بغل سے پرس۔

"تمہاری عمر تو نہیں۔ بہرحال کرکٹ میچ یا ہاکی۔"

"اُفوہ۔"

"بے جی۔ رشتے کرواتی ہیں۔" عمیر ان کے کان میں گھسا۔

"اچھا۔ وچولن ہو۔" بے جی نے زور سے کہا۔ وہ اچھل پڑیں۔

"واٹ۔ آپ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔"

"کیا کر رہی ہوں۔؟"

"بے عزتی۔" ترجمہ کرنے کے لیے عمیر موجود تھا۔

"ارے میں نے کیا اس لال پری کو ڈانگ ماردی ہے۔" بے جی کو تاؤ آگیا۔ تب ہی سیڑھیوں سے عالیہ افتاں و خیزاں اتریں اور لال پری کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔ ناصرہ بھی مہمان کی آمد کا سن کر آگئیں۔ کہ لڑکیاں تو ساری بازار گئی تھیں۔

"وہ کچھ عجیب و غریب سی چیز آئی ہیں۔ پوچھ لو کیا کھاتی پیتی ہے۔" بے جی نے بے زاری سے کہا۔ عالیہ کو ایسی فیشن ایبل وچولن کسی جاننے والی کے توسط سے ملی تھی۔ سنا تھا خاصے ہائی اسٹینڈرڈ کے رشتے کرواتی تھیں۔ فون پر بات چیت ہوئی۔ عالیہ چپکے سے اس کی ابتدائی پانچ ہزار فیس بھی ادا کر آئی تھیں۔

"یہ خاتون کون ہیں۔؟" ڈرائنگ روم کی ٹھنڈی فضا میں بھی انہیں گلاسز اتارنا یاد نہ آیا۔

"میری ساس ہیں۔"

"ساس ہی لگتی ہیں۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"چائے پئیں گی یا ٹھنڈا۔؟"

"دونوں۔" انہوں نے کمال بے تکلفی سے کہا۔ "آپ کو پتا ہے۔ میں یوں ہر کسی کے گھر نہیں جاتی۔ مگر آج آپ کا گھر بار اور لڑکی کو دیکھنے آئی ہوں۔ آخر میں نے دوسروں کو بھی کچھ بتانا ہوتا ہے۔"

"جی۔" عالیہ اس فیشن ایبل وچولن سے خاصی متاثر ہوئیں۔ شربت پلایا۔ چائے لوازمات کے ساتھ پیش کی۔

"رشتہ بہت اچھا ہے۔ بلکہ لڑکی پسند آگئی تو وہ کچھ زمین بھی اس کے نام کرنے کو تیار ہیں۔ گاؤں میں بھی گھر ہے۔ شہر میں بھی خاصی بڑی کوٹھی ہے۔ لڑکی شہر میں رہے گی۔ سسرال کا کوئی جھنجٹ نہیں۔ لیکن لڑکے کی ایک ہی شرط ہے۔"

"وہ کیا...؟" عالیہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔
"ایک تو لڑکی ملازمت نہ کرتی ہو۔"
"اچھا..." عالیہ نے سوچا۔ صدف کا چانس تو گیا کہ وہ کسی صورت جاب چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔
"دوسرے شادی فوراً ہوگی۔"
"اس کا تو مسئلہ نہیں۔ بس بات بن جائے۔"
"رفعت آرا نے ہاتھ ڈالا ہے تو بات بن کر رہے گی۔"
"لڑکیاں گھر پر نہ تھیں۔ عالیہ نے نایاب کی تصویریں دے دیں۔ جسے لے کر وہ باہر نکلیں تو بے جی کان ادھر ہی لگائے بیٹھی تھیں۔
"اچھا اماں جی۔ اللہ حافظ۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"
"ہاں... ہاں مجھے بھی۔ ماشاء اللہ شادی کے اتنے سال بعد بھی فیشن خوب کرتی ہو۔ لگتا ہے کسی اچھے خوش حال گھرانے میں بیاہی ہو۔" پتا نہیں بے جی نے طنز کیا تھا یا یونہی کہا۔ وہ منہ لٹکا کر بولیں۔
"ابھی تو میری شادی نہیں ہوئی۔"
"ایں..." بے جی کا منہ کھل گیا۔ "ارے تو چلتے پھرتے کوئی اپنے لیے بھی ڈھونڈ لو۔"
"اچھے رشتے ملنے آسان تھوڑی ہیں۔ آپ دعا کیجیے گا۔"
"واہ اللہ کی شان' خود کنواری اور دوسروں کے لیے بر ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔" اس کے جانے کے بعد بے جی بڑبڑائیں۔ "اس کی آنکھوں میں کوئی نقص تھا۔ کالے کھوپے ایک بار بھی نہ اتارے۔ اور پرس تو گویا میچ کے ساتھ بغل میں ٹھوکا تھا۔ تمہیں بھی عالیہ کیسی کیسی چیزیں مل جاتی ہیں۔"
عالیہ جل کر اوپر چڑھ گئیں۔ تب ہی اسرار شکر قندی سے بھری پلیٹ لے آیا۔ جس پر کھٹا ڈالا ہوا تھا۔
"بے جی شکر قندی کھائیں۔"
"لو۔ تم پر بھی مانو کا اثر ہو گیا۔" وہ جو لیٹنے لگی تھیں فوراً اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
"میں تو آپ کے لیے لایا تھا۔"
"پھر چکھ لیتی ہوں۔" وہ معصوم سی شکل بنا کر بولیں۔
"دونوں چکھیں گے۔ میں دو چمچ لے کر آتا ہوں۔" وہ کچن کی طرف بڑھ گیا۔

● ● ●

اتنی لمبی ہیل پہن کر کھڑی ہوئی تو دو قدم پر ہی پاؤں رپٹ گیا۔ اس نے بمشکل شیشے کے کیس کا آسرا لے کر خود کو سنبھالا ساتھ ہی چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ مگر سب اپنی میچنگ سینڈلوں کی تلاش میں مصروف تھیں۔ لیکن وہ کاؤنٹر پر آئے۔ جس نے مسکراہٹ چھپانے کی کوشش بھی نہ کی تھی۔

"بدتمیز..." اس نے پاؤں جوتے کی قید سے آزاد کیا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ سب فارغ ہوئیں تو اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"سونو! تمہیں جوتا پسند نہیں آیا۔"
"اس کی ہیل بہت لمبی ہے۔" وہ منمنائی۔
"تو کم ہیل والا دیکھ لو۔"
"نہیں چلیں۔ بعد میں لے لوں گی۔" اسے لڑکے کی نگاہوں سے الجھن ہو رہی تھی۔ اپنی چپل پہن کر کھڑی ہو گئی۔ سب پے منٹ کر کے باہر نکلیں۔
"باجی۔" سونو سب سے پیچھے تھی۔ مڑ کر دیکھا تو وہی لڑکا آواز دیتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ اور سب سے آگے آگے چلنے لگی۔
"کیا ہوا۔ رکو تو..."
"جلدی چلیں۔ وہ لڑکا پیچھے آ رہا ہے۔" وہ تو ہرنی کی طرح قلانچیں بھر رہی تھی۔
"ارے کون سا...؟" سب کے قدم رکے۔ مڑیں... کرن نے باقاعدہ آستینیں چڑھا لیں وہ دکان والا لڑکا بھاگتا آ رہا تھا۔
"باجی! آپ نے اسپیڈ پکڑ لی... یہ جوتے..." اس کے ہاتھ میں زنانہ سینڈل تھیں۔
"کس کی ہیں...؟" مریم نے پوچھا۔
"ان کی..." اس نے مسرت کی طرف اشارہ کیا۔
"خوامخواہ... میں نے تو خریدی بھی نہیں۔" وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو گئی۔
"باجی! میرے جوتے واپس کریں۔"
"تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ تم ہمیں چور سمجھ رہے ہو۔ ابھی بھرے بازار میں وہ جوتے لگاؤں گی کہ سر گنجا ہو جائے گا۔" کرن کو تو ایسا موقع اللہ دے۔ لوگ مڑ مڑ کر دیکھنے لگے۔ لڑکے نے ہاتھ میں پکڑی سینڈل مسرت کے سامنے پھینکیں۔
"باجی۔ یہ زنانہ سینڈل میرے کسی کام کی نہیں۔ میری نہ بہن ہے نہ محبوبہ۔ آپ میرے چپل اتار دیں۔"
سب سمیت سونو کی نظریں فوراً اپنے پیروں تک گئیں۔ وہ دکان دار کے سلیپر پہنے کھڑی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر باقی سب کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ شرافت سے مردانہ سلیپر اتار کر اپنے پہن لیے۔ سب کی قلقل کرتی ہنسی کچھ اور شرمندہ کر گئی۔
"سارا ایک عدد برقعہ بھی سلوا لو۔" نیا نے مشورہ دیا۔
"وہ بری میں آ جائے گا۔" اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ تب ہی اک لمبی ترنگی مائی ان کے سروں پر آسوار ہوئی۔

"باجی۔۔۔ اللہ کے نام پر دس روپے دے دو۔"

"اوہ معاف کرو مائی۔" مریم نے بے زاری سے ٹالا۔ مگر وہ اس کے بازو سے ہی لٹک گئی۔

"جیسی پریوں جیسی تمہاری صورتیں ہیں۔ اللہ ویسا ہی جوڑ بنائے۔ خوب صورت پیسے والا خوند دے۔ بٹوے بھر بھر گھر سے نکلو۔"

سب ہی نے سرعت سے اپنے اپنے پرس کھول کر دس دس روپے عنایت کیے۔

"باجی! میں نے پائل بھی لینی ہے۔" مسرت نے سارے ارمان اسی شادی پر نکالنے تھے۔

"ہاں مہندی پر سب پازیب پہنیں گے۔" نیا نے فوراً" تائید کی۔ ڈھیر ساری شاپنگ کے بعد آئس کریم اور برگر کھائے۔ مسرت نے تو دہی بھلے بھی لیے۔ یوں بازار میں کھانے کا پہلا موقعہ تھا۔ اسے تو لگ رہا تھا۔ ہر کوئی اسی کو دیکھ رہا ہے۔

گھر جا کر نیا کو رفعت آرا کی آمد کا پتا چلا۔

"اوہ۔۔۔ کیا تھا جو میں آج بازار نہ جاتی۔" اسے افسوس ہوا۔

"فکر نہ کرو۔ تصویر دے دی ہے۔ کہہ رہی تھی۔ ایک دو دنوں میں مہمان کو لے کر آؤں گی۔ شادی کی ان لوگوں کو بھی جلدی ہے۔ میرا بس چلتا تو سارا کے ساتھ تمہاری شادی کر کے سب کی زبانیں بند کر دیتی۔ خیر اب بھی بات بن جائے تو ہے۔ کہتے ہیں لڑکی کے نام زمین بھی کریں گے۔ جل بھنے گی تمہاری تائی۔ ایسے ہی ٹٹ پونجیوں میں بیٹیاں بیاہے جا رہی ہے۔"

"امی! پینڈو سے نہ ہوں۔" نیا نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ساری عمر کے شہر میں رہے ہیں۔ اللہ کرے انہیں تم پسند آجاؤ۔ ایک تو صدف نے پریشان کر رکھا ہے۔ کسی رشتے پر مانتی ہی نہیں۔ اب کہتی ہے کوئی پی ایچ ڈی ملا تو ہی کروں گی۔" نیا سے وہ دل کی ساری باتیں کر لیتی تھیں۔

● ● ●

"نچ لے۔۔۔ نچ لے میرے یار تو نچ لے۔"

"ایسا بازاری سا گانا۔ دفع کرو۔"

فوراً" ڈیک بند ہوا۔ دوسرا گانا لگایا۔

مہندی سے لکھ دوری ہاتھوں پہ سکھیو۔۔۔

"یہ ٹھیک ہے۔"

"خوامخواہ۔"

مشکل سے گانا سلیکٹ ہوا تو اسٹیپس پر جھگڑا۔

"گیند کی طرح لڑھکتی ہو۔ کسی اسٹیپ کو فالو تو کرو۔" کرن جھنجلائی۔

"ہاں تم تو شیما کرمانی کی شاگرد رہ چکی ہو۔۔۔" نیا کو غصہ آگیا۔

"پھر بھی کوئی ارھم۔۔۔ تھوڑی نزاکت۔۔۔ تمہارا ڈانس دیکھ کر تو لگتا ہے۔ بطخ دھپ دھپ چل رہی ہے۔"

"دفع ہو۔ میں نہیں کر رہی۔ آئی کہیں سے مادھوری ڈکشت۔"

نیا بالکل ہی واک آؤٹ کر گئی۔ منہ پھلا کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ جہاں مریم مشین رکھے نیا کی کرتی ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کے ارد گرد رنگ برنگے کپڑوں کا انبار تھا۔ کسی پر کرن لگنے والی تھی۔ کسی کی سلائی ٹھیک کرنے والی تھی۔ سارا کے جہیز کے کپڑے ٹانک کر سنبھالنے کا کام بھی جاری تھا۔

"سونو! تمہیں ڈانس آتا ہے؟" نیا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کرن نے ترپائی کرتی مسرت کو پکارا تو وہ بوکھلا گئی۔

"جی، تھوڑا بہت۔۔۔"

"بس پھر کھڑی ہو جاؤ۔ تمہاری ہائٹ بھی میرے ساتھ سوٹ کرے گی۔" اس نے براہ راست نیا پر حملہ کیا۔ وہ تلملا گئی۔ کوئی تگڑا جواب دینے ہی والی تھی کہ مریم نے اسے کرتی تھما دی۔

"لو۔ اب فٹنگ چیک کرو۔"

مسرت نے قمیص مانو کے سپرد کی کہ ترپائی وہ کرے۔ خود کرن کے ساتھ جا کر کھڑی ہو گئی۔ اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقعہ جو مل رہا تھا۔ مانو اناڑی پن سے ترپائی کرنے لگی۔

"آ۔۔۔ مر گئی۔۔۔ پھنس گئی۔۔۔" پردے کے پیچھے سے شور اٹھا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟"

"میری کرتی۔۔۔ ہائے میرا سانس۔۔۔"

"سب پردے کے پیچھے لپکیں۔۔۔ جہاں نیا کرتی پھنسائے ہانپ رہی تھی۔ نہ اوپر نہ نیچے۔ کھینچ کھانچ کر کرتی نیچے کی تو بازو ہوا میں معلق تھے۔

"میں مر گئی۔ احمقو۔ اسے پہنانے کے بجائے اتار دیتیں۔۔۔" وہ پردے کے پیچھے سے نکل آئی۔ کمرے میں موجود نفوس کی آنکھیں ابل آئیں۔ شلوار پر کرتی پہنے دونوں بازو لہراتی کوئی عجیب و غریب مخلوق تھی۔

"اب اتاریں گے کیسے۔۔۔؟" مریم نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"یہ فٹنگ تھی یا میرا گلا گھونٹنے کا انتظام۔۔۔"

"یہ صائمہ کی کرتی تھی۔۔۔ میں کترینہ کیف کی سمجھ بیٹھی۔"

اسی آہ و بکا میں کب وہ تین عدد خواتین ان کے سر پر آکھڑی ہوئیں۔ انہیں خبر ہی نہ ہوئی۔

"السلام علیکم۔"

سب کی سب ایک پل کو ساکت ہوئیں۔

"جی۔۔۔ ہمیں نایاب سے ملنا ہے۔ آپ میں سے کون ہیں؟" ان میں سے قدرے ینگ لڑکی نے ان کے تاثرات سے پریشان ہو کر پوچھا۔

"جو اس وقت سب سے زیادہ "نایاب" لگ رہی ہے۔ وہی آپ کا گوہر مقصود ہے۔"

کرن نے دانت نکالے۔ تو ان کی نظریں گھومتی ہوئی نیا پر جا ٹھہریں۔ نیا نے تیزی سے بازو نیچے کرنے کی زوردار کوشش کی۔ نتیجہ چر۔۔۔ ر۔۔۔ کی آواز ابھری۔ لیکن بازو نیچے آگئے تھے۔

"مانو! مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں لے جاؤ۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے بمشکل کہا۔ مانو جلدی سے اٹھی۔ جتنی جلدی اٹھی تھی۔ اس سے زیادہ تیزی سے بیٹھ گئی۔ نیا نے آنکھیں نکالیں۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس سے قبل کہ کوئی اور آگے بڑھتی۔ وہ وہیں براجمان ہو کر نیا کو دلچسپی سے دیکھنے لگیں۔ مریم نے جہیز کا دوپٹا اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ جسے اس نے تیزی سے اوڑھ لیا۔

"اچھا تو آپ نایاب ہیں۔ بالکل اپنی تصویر کی طرح ہیں۔" ان میں سے درمیانی عمر کی خاتون نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"آپ نے میری تصویر کہاں دیکھی۔" نیا نے بے چینی سے پوچھا۔

"رفعت آرا نے دکھائی تھی۔"

نیا کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

میرے اللہ یہ تو رشتے والی ہیں۔

"معافی چاہتے ہیں بغیر بتائے آگئے۔ لیکن بتا کر آتے تو آپ کو اتنے دلچسپ حلیے میں کیسے دیکھتے۔"

چھوٹی لڑکی نے ہنس کر کہا۔ جبکہ سب سے بڑی عمر کی خاتون بس اسے گھور گھور کر دیکھتی رہیں۔ تب لڑکیوں کی چھٹی حس بیدار ہوئی۔ انہیں اٹھا کر بے جی کے پاس لے گئیں۔ عالیہ کو پتا چلا تو گھبراہٹ میں ہاتھ سے گلاس ہی چھوٹ گیا۔ دل میں رفعت آرا کو ہزار ہا باتیں سنائیں۔ جس نے مہمانوں کی آمد کی اطلاع ہی نہ کی تھی۔

نیا مانو پر الٹ گئی۔

"تم سے کہہ رہی تھی انہیں ڈرائنگ روم میں لے جاؤ۔"

"لے تو جاتی مگر۔۔۔" مانو نے بے چارگی سے ترپائی والی قمیص اٹھائی جس کے ساتھ وہ اپنا دامن سی بیٹھی تھی۔

"میرے نصیب ہی خراب ہیں۔ اب اس حلیے میں دیکھ کر وہ رشتہ کریں گی۔" نیا روہانسی ہو گئی۔

"اب یہ کرتی کیسے اترے گی۔" مسرت نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"قینچی لے کر باقی بھی کاٹ دو۔" اس نے جل کر زور سے کہا۔ لیکن اس وقت سب نے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں۔ جب مہمانوں نے جاتے ہوئے کہا۔

"آپ جلد ہی ہمارے گھر آئیے گا۔ ہمارے بھائی کی ویران زندگی میں نیا جیسی چلبلی لڑکی ہی بہار لا سکتی ہے۔"

ان کے جانے کے بعد نیا نے خوب ہی لڈیاں ڈالیں۔

"دیکھا، ہمارے حسن کا شکار۔"

● ● ●

سارا کی شادی سادگی اور سہولت کے ساتھ نبٹ گئی۔ نہ بارات میں زیادہ لوگ تھے۔ نہ جہیز کا کوئی مطالبہ تھا۔ مہندی کا بھی کوئی کھڑاک نہ تھا۔ لڑکیوں نے گھر میں ہی رسم کرلی۔ گاؤں سے ساجد علی اور جنت بی بی آئے۔ لیہ سے آسیہ پھوپھو اپنی بیماری کی وجہ سے نہ آسکیں۔ اسرار تو پہلے ہی یہاں تھا۔ جنت تو مسرت کو دیکھ دیکھ کر ہولتی رہیں۔ اتنی ساری لڑکیوں میں بھی کتنی پیاری اور نمایاں لگ رہی تھی۔ جب مہندی پر اس نے کرن کے ساتھ ڈانس کیا تو ان کی آنکھیں ابل پڑیں۔ جی تو چاہتا تھا ڈنڈا لے کر وہیں اس کی ٹانگیں توڑ دیں۔ سب کے سامنے باتیں سنائیں۔ نجانے کیسے ضبط کیا۔

بری میں بھی زیادہ شوشانہ تھی۔ مناسب سی بری تھی۔ عالیہ نے سو سو نقص نکالے۔ تو صیف البتہ سب کو بے حد پسند آیا۔ ذہین آنکھوں والا خوش مزاج سادہ سا نوجوان تھا۔ چھوٹی سی داڑھی اس کے چہرے پر بھی بھی رہی تھی۔

لوگوں نے اپنے اپنے ذہن کے مطابق باتیں کیں اور سارہ بیاہ کر اپنے چھوٹے سے گھر میں چلی گئی۔ شادی میں صدف کا خوب صورت و پروقار انداز بہت سے لوگوں کو متوجہ کر گیا۔ مگر کوئی بھی صدف کے معیار پر پورا نہ اترا۔ نایاب کو لوگ پسند کر گئے تھے۔ اس لیے عالیہ خاصی ہواؤں میں تھیں۔ ولیمہ اور چوتھی کی دعوتوں کے بعد سارا اپنی سسرال کی دعوتوں میں مصروف ہوئی تو انہوں نے فوراً "لڑکے والوں کے ہاں جانے کی ٹھان لی۔ مسرت کے پرچے سر پر تھے۔ سو وہ گاؤں واپس نہیں گئی۔ یوں بھی اماں اور ابو جی سے تو مل ہی لی تھی۔ جنت اسے اس یقین کے ساتھ کہ وہ کسی ایک پر بھی عمل نہ کرے گی، ڈھیروں نصیحتیں دے کر رخصت ہوئیں۔

یہی وہ وقت تھا جو مسرت کے خیالات میں تبدیلی کا پیش خیمہ بنا۔

● ● ●

"وہ لوگ ہمیں اطلاع دے کر آئے تھے؟ ہم بھی بغیر اطلاع کے جائیں گے۔" یہ عالیہ کا فیصلہ تھا۔

"جو لڑکا گھر پر نہ ہوا تو؟" بے جی نے اعتراض کیا۔

"فون کر کے بلوالیں گے۔ اگر نہ ہوا تو ہم گھر بار تو دیکھ ہی لیں گے۔ اسی لیے تو آپ کے بیٹے کو ساتھ نہیں لے جا رہی۔ لڑکا پسند آگیا تو بعد میں مرد چکر لگالیں گے۔"

عالیہ سب کچھ خود ہی طے کر بیٹھی تھیں۔ گویا کسی اور کے مشورے کی ضرورت ہی نہیں۔ بے جی کو ان کی یہی باتیں بری لگتی تھیں لیکن انہوں نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ اس معاملے میں کچھ نہیں بولیں گی۔ عالیہ کو بے فکری یوں تھی کہ لڑکی تو پسند کی جاچکی تھی۔ عدیل انہیں لے کر جارہا تھا۔

چھوٹا گیٹ کھلا تھا۔ وہ آرام سے اندر چلے گئے۔

"گھر تو اچھا ہے۔" بے جی نے ستائشی نظروں سے سامنے پھیلی کوٹھی کو دیکھا۔ تو عالیہ کی گردن کچھ اور اکڑ گئی۔ سارا کے تین چار کمروں والے گھر کے مقابلے میں تو یہ محل ہی تھا۔

"یہ کون ہیں۔۔۔" عدیل کے متوجہ کرنے پر سب کی نگاہیں کوٹھی اور خوب صورت لان سے بھٹک کر ایک کونے میں گئیں۔ جہاں گھاس پر کوئی پچاس پچپن سالہ شخص تہمد اور دھوتی میں ملبوس کسرت کررہا تھا۔

"چوکیدار ہوگا۔" ناصرہ نے خیال آرائی کی۔ بے جی نے تحکمانہ انداز میں پکارا۔

"چوکیدار! ادھر آؤ۔"

چوکیدار نے حیرت سے سر اٹھا کر آنے والوں کو دیکھا۔ پھر یونہی حیران سی صورت بنائے قریب آگیا۔

اس کی توند بنیان پھاڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھی۔ عدیل کو بچپن میں سنی نظم یاد آگئی۔

"بابو جی کی توند تو دیکھو۔ جیسے تیل کا مٹکا کوئی۔"

"نہ تمہیں شرم نہیں آتی۔ گھر والے سب کچھ تم پر چھوڑ چھاڑ بے فکر ہو کر بیٹھے ہیں اور تم ہو کہ گیٹ کھلا چھوڑ کر بیٹھکیں نکال رہے ہو۔ کوئی چور ڈاکو گھس آئے اور لوٹ کر چلتا بنے۔۔۔ ایسے بے دید اور بدلحاظ ہیں آج کل کے نوکر۔ ہزاروں ڈکار جائیں گے اور وفاداری نام کو نہیں۔"

"آپ لوگ ہیں کون۔۔۔؟" مارے غصے کے موصوف کے نتھنے پھڑپھڑانے لگے۔

"ارے۔۔۔ رفعت آرا نے بھیجا ہے۔ لڑکا دیکھنے آئے ہیں۔" بے جی نے ہاتھ نچا کر کہا۔

چوکیدار کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے مڑ کر جلدی سے آواز لگائی۔

"فیضی۔۔۔ فیضی۔۔۔!"

اندر سے اک ملازم لڑکا بھاگتا ہوا آیا۔

"مہمانوں کو اندر لے جاؤ۔" چوکیدار نے پسینہ صاف کرتے ہوئے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"اندر جا کر تمہاری شکایت لگاؤں گی۔" بے جی نے مزید دھمکی دی۔

"بے جی! چھوڑیں ہمیں کیا۔ یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے۔ نکما چوکیدار رکھیں یا سیانا۔"

ناصرہ نے عالیہ کی تیوری چڑھی دیکھ کر ہلکی آواز میں سمجھایا۔ بے جی سمجھی تھیں یا نہیں اثبات میں سر ضرور ہلا دیا۔ اندر وہی تین خواتین تھیں۔ جن میں دو لڑکے کی بھابیاں اور ایک بھتیجی تھی۔ کچھ اور لوگ بھی تھے جن کا تعارف بعد میں کرایا۔ جن میں دو بہنیں اور باقی بھتیجے وغیرہ تھے۔ پہلے تو وہ انہیں دیکھ کر بوکھلا ہی گئے۔

"آپ۔۔۔ آپ نے بتایا ہی نہیں۔"

"ہم لوگ یہاں کسی سے ملنے آئے تھے۔ یاد آیا قریب ہی تو آپ کا گھر ہے۔" ناصرہ نے سبھاؤ سے بات کی۔ ایک دم بھگدڑ سی مچ گئی۔ ایک پاس آکر بیٹھتا تو دوسرا اٹھ کر بھاگ جاتا۔ تھوڑی دیر کے بعد کولڈ ڈرنکس آگئیں۔

"بدسلیقہ لگتی ہیں۔ اچانک آنے والے دو مہمان نہیں سنبھالے جارہے۔" بے جی نے سرگوشی کی۔

باضابطہ گفتگو کا آغاز ہوا تو وہ چوکیدار معقول حلیے میں بنا ٹھنا آکر بیٹھ گیا۔ بے جی کا منہ کھل گیا۔ اس سے قبل کہ وہ پوچھ لیتیں۔ عالیہ نے ٹہوکا دیا۔

"چپ کر جائیں، رشتے دار ہوگا۔"

"تب ہی پر تکلف سی چائے آگئی۔ ڈھیروں لوازمات کے ساتھ۔

"آپ سب یہیں رہتے ہیں؟"

"یہ کوٹھی تو ہمارے دیور کے نام ہے۔ چھٹیوں میں بچوں کے ساتھ ہم بھی آجاتے ہیں۔"

"بھائی ہمارا اکیلا ہے۔ ساری زندگی بہت کمایا۔ لاکھوں کا مالک ہے۔ بس اسی کمائی کے چکر میں شادی نہ کی۔" اس کے بڑے بھائی بتا رہے تھے۔

"بہت ذمہ دار اور شریف انسان ہے۔ اس گھر میں جو بھی آئے گی، خوش نصیب ہی ہوگی۔"

"چاچا جی! آپ کیا کرتے ہیں۔" عدیل نے چپ بیٹھے شخص سے پوچھا۔ جسے وہ چوکیدار سمجھے تھے۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"مختلف بزنس ہیں کچھ زمینیں ہیں۔"

"بس جی۔ سب کچھ لڑکی کا ہی ہے۔ سارے بھائی الگ الگ کما کھا رہے ہیں۔ کوئی کسی پر بوجھ نہیں۔ یہ تو چھوٹے بھائی کے اکلاپے کی وجہ سے ہم آجاتے ہیں۔"

"چاچا جی! آپ بھی کچھ لیں۔" عدیل نے بھری ٹرالی کی طرف اشارہ کیا۔

سب کھا پی رہے تھے۔ وہ بچارہ خالی چائے لیے بیٹھا تھا۔ اب کے سب نے چونک کر عدیل کو دیکھا۔

بے جی کرید کرید کر خاندان برادری کے بارے میں پوچھتی رہیں۔ چائے کی ٹرالی خالی ہو کر واپس چلی گئی۔ ان سے زیادہ گھر والوں نے کھایا۔

"لڑکا غالباً" گھر پر نہیں ہے۔ ہو سکے تو فون کر کے بلوالیں۔"

بہت دیر کے بعد بھی لڑکے کی رونمائی نہ ہوئی تو عالیہ نے کہا۔ وسیع ڈرائنگ روم میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

پھر لڑکوں کی طرف سے ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ اور دبی دبی ہنسی ابھری۔ پھر مردوں میں سے ایک نے کھنکار کر کہا۔

"یہ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان ہی کے رشتے کی بات کررہے تھے۔"

"کیا...؟" وہ سب اپنی اپنی جگہ اچھل پڑے۔ چوکیدار ہونق سا ہو کر انہیں دیکھ رہا تھا۔

• • •

"پھر کہتی ہیں' بے جی سٹھیا گئی ہیں۔ اسی لیے کہتی ہوں۔ تھوڑی تحقیق' تھوڑی پوچھ پڑتال کر لیا کرو۔ ارے لڑکیاں کیا بھیڑ بکریاں ہیں جو ہر آئے گئے کے سامنے کر دیں۔ ان رشتے کروانے والیوں کا کیا۔ مٹھی بھر پیسے چاہئیں۔ اوٹ پٹانگ رشتے دکھا دیں گی۔ کسی کے دل پر کیا گزرتی ہے انہیں کیا؟ سب کچھ بتا دیا۔ بس اک یہی نہ بتایا کہ لڑکا باپ کی عمر کا ہے۔"

سب مارے جوش کے لڑکے کے بارے میں تفصیل سننے اکٹھی ہوئی تھیں۔ بے جی نے گھر آ کر عالیہ کے خوب ہی لتے لیے۔

"اب مجھے کیا خبر تھی۔"

"تو خبر رکھنی تھی۔ لڑکی کی تصویر دے دی۔ لڑکے کی نہیں منگوانی تھی؟ عالیہ! یہ تیری سگی بیٹیاں ہیں۔ ان کے جذبات سے اس طرح مت کھیل۔"

مسرت نے نایاب کا تاریک پڑتا چہرہ دیکھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اوپر چلی گئی تھی۔

"تو تو خوش نصیب ہے جو گھر بیٹھے اتنا اچھا رشتہ مل گیا۔" نجانے کیوں اسے اماں کی بات یاد آ گئی تھی۔

• • •

"کیسے دودھ دہی کی فراوانی ہوا کرتی تھی۔ آنے والے مہمانوں کو بھی بھر بھر جگ ٹھنڈے دودھ کے پلائے جاتے۔ یہ بازاری مشروب تو کہیں بعد میں شروع ہوئے۔ ہوتے بھی ہوں گے تو گھر میں نعمت ہی ایسی تھی کہ کبھی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ اب تو خالص دودھ کا گھونٹ بھرنے کو ترس گئے ہیں۔ جوان بچے ہیں۔ ایک ایک گلاس بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پورا ہی نہیں پڑتا۔"

مسرت بے جی کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھی۔ پاس ہی ناصرہ دوپٹے پر کروشیے کی بیل بنا رہی تھیں۔

"ساجد علی کے گھر تو اب بھی اللہ کا بڑا فضل ہے۔"

"جی تائی! چار بھینسیں۔ تین ساہیوال نسل کی گائیں۔ کٹے' کٹیاں ان سے الگ۔" مسرت نے فخر سے بتایا۔

"اللہ محنت کا پھل دیتا ہی ہے۔ ساجد علی اکیلا ہے پر ہمت والا ہے۔ بس کر بچی! تھک جائے گی۔"

"بے جی! نہیں تھکوں گی۔"

"ہفتے کو کل تیرا پرچہ ہے۔ جا اب پڑھ لے۔ جس مقصد کے لیے آئی ہے اس پر نظر رکھ۔ اللہ تجھے ہر امتحان میں کامیاب کرے۔"

مسرت نے ان کے بال سمیٹ کر چٹیا بنائی۔ وہ یہاں بالکل بھی مہمانوں کی طرح نہیں رہتی تھی۔ اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ مقدور بھر سب کا ہاتھ بھی بٹاتی مہینے بھر سے اس نے مریم اور مائرہ کے ساتھ اکیڈمی جوائن کر لی تھی۔ یوں تیاری میں اور سہولت ہو گئی۔ کنگھا سنبھال کر واش بیسن پر ہاتھ دھونے لگی۔

"میں تو کہتی ہوں ناصرہ! اگلے سال کرن کے ساتھ ساتھ عدیل کی شادی بھی کر دیں۔" بے جی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ابھی تعلیم مکمل کرے۔ پھر نوکری۔ ایک دو سال کما لے بے جی۔"

"ہاں... اچھا ہے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ بیوی کی سو ضرورتیں ہوتی ہیں۔ اللہ کوئی نیک اطوار بچی کا نصیب اس گھر میں کھولے۔ یہ اپنی مسرت بھی سلیقہ مند اور ہنس مکھ لڑکی ہے۔ عدیل کا رشتہ کرتے ہوئے اس کو ذہن میں رکھنا۔" اگرچہ بے جی نے ہلکی آواز میں کہا تھا۔ مگر بات مسرت کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے دانستہ دیر لگائی۔ وہ ناصرہ کا جواب سننا چاہتی تھی۔ مگر وہ کسی دھاگے میں الجھ گئی تھیں۔ وہ اندر چلی آئی۔ شام کو چار سے چھ انہیں اکیڈمی جانا ہوتا تھا۔ اکیڈمی زیادہ دور بھی نہ تھی۔ تینوں پیدل ہی چلی جاتیں۔ اگرچہ گرمی میں اتنا سا چلنا بھی زہر لگتا تھا۔

"تمہاری تیاری تو ٹھیک ہے؟" تینوں واپس آ رہی تھیں۔ آج مسرت کا اکیڈمی میں آخری دن تھا کہ دو دن کے بعد اس کا پہلا پرچہ تھا۔

"لگتا تو یہی ہے۔" اس نے دوپٹے سے پسینہ صاف کیا۔ وہ مین روڈ چھوڑ کر اندر گلیوں سے ہو کر آتی تھیں۔

"سنو! تمہارا کوئی آئیڈیل ہے؟" مریم فائل کا چھجا بنائے ہوئے تھی۔

"آئیڈیل...؟"

"ہاں آخر تم نے کچھ تو سوچا ہو گا۔ کیسے شخص کے ساتھ تمہاری شادی ہونی چاہیے؟"

"شہر کا پڑھا لکھا خوب صورت نوجوان۔" مسرت نے دل ہی دل میں سوچا۔ ساتھ ہی عدیل کا خیال آیا۔ لیکن اس کے اندر کوئی کیفیت نہ ابھری۔ بس یوں جیسے عام سی بات ہو۔

"نہیں۔ میں نے کچھ نہیں سوچا۔"

"تمہارے گاؤں میں کوئی نہیں ہے؟ کوئی بانکا سجیلا..." مانو نے لقمہ دیا۔

مسرت کو شفیق یاد آیا مگر اس نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ تب ہی اس کی نگاہ دائیں طرف گئی۔

"لو... وہ آج پھر کھڑا ہے۔"

"کہاں...؟"

"وہ دانت نکوستا... کمبخت..."

"ٹھہر جاؤ' آج اس کا پتا بھی کر ہی لیتے ہیں۔" مانو نے دانت پیس کر ادھر ادھر دیکھا۔ جھپٹ کر اک بڑا سا پتھر اٹھایا اور ان کے منع کرنے سے قبل تاک کر دے مارا۔

نشانہ ایسا تھا کہ اسے لگنے کے بجائے بس چھو کر گزر گیا۔ اگلے لمحے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ ان کے پیچھے آرہا تھا۔ دگڑ۔۔۔ دگڑ۔۔۔ گلی ان کے قدموں کی دھمک سے گونج اٹھی۔ جب وہ گھر پہنچیں تو ایک کا پائنچہ نہیں تھا دوسری کا دامن، مسرت کی دوڑ البتہ ان سے تیز تھی۔ کتا انہیں گھر تک چھوڑ کر گیا تھا۔

سامنے بے جی کے پاس بیٹھے شفیق کو دیکھ کر تینوں ٹھٹک کر رکیں۔ مریم اور مائرہ تو فوراً" اوپر بھاگیں۔ جبکہ وہ رک گئی۔

"کیا بات ہے۔ ہوائیاں کیوں اڑی ہیں۔ سانس کیوں پھولی ہے۔" بے جی نے فوراً" تشویش سے پوچھا۔ جبکہ شفیق کی نگاہوں میں اسے دیکھ کر خوشگوار سا تاثر اُمڈ آیا تھا۔

"ک۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسی ہو۔۔۔؟"

"جی ٹھیک ہوں۔۔۔"

"پڑھائی کیسی جارہی ہے۔ پرچے کیسے ہوئے ہیں۔۔۔؟" ایسے ہی دو چار سوالوں کے بعد وہ دوبارہ سے بے جی سے باتیں کرنے لگا۔

مسرت نے کچن میں جا کر پانی کے دو گلاس بھرے۔ شفیق تھوڑی دیر ہی رکا۔ بے جی نے خاصی خاطر مدارات کی۔ مگر اصرار کے باوجود وہ رات کو نہ ٹھہرا۔

"خالہ نے کچھ چیزیں بھجوائی تھیں۔ وہ دینے آیا تھا۔ کچھ کپڑے ہیں۔ خالہ نے کہا تھا۔ پرچوں میں ضرورت ہوگی سلوا لینا۔"

"اچھا۔۔۔" مسرت نے جلدی جلدی کپڑوں کا شاپر کھولا۔ خوب صورت رنگوں اور پرنٹ والے لان کے چار سوٹ تھے۔

"پسند آئے۔۔۔؟" یہ سوٹ شفیق نے یہیں سے خریدے تھے۔ خالہ نے پیسے دینے چاہے مگر اس نے نہیں لیے تھے۔

"چلتا ہوں اور کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو بتا دینا۔" وہ سب سے مل کر چلا گیا۔

"کیسا سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ بات کر کے طبیعت خوش ہوگئی۔ میں نے جب دیکھا تو چھوٹا سا تھا۔ اے مسرت۔۔۔ اس کی کہیں بات وات طے ہے یا نہیں۔"

کپڑے دیکھتی مسرت نے ایکدم ٹھٹک کر بے جی کو دیکھا۔ وہ خاصی متاثر لگ رہی تھیں۔

"پتا نہیں۔" مسرت نے آہستگی سے کہہ کر باہر والے دروازے کو دیکھا۔ اچانک ایسا احساس ہوا جیسے کوئی بہت اپنا مل کر گیا ہو اور وہ اس سے اچھے طریقے سے ملی بھی نہیں۔

عمر صحن میں بھنگڑا ڈال رہا تھا۔ اماں نے بہت کچھ بھجوایا تھا۔ بادام کے شربت کی بوتلیں۔ سرسوں کے تیل کا کنستر۔۔۔ تربوز اور خربوزوں کی بوری۔ ڈھیر سارے ٹماٹر اور سبزیاں۔

"عالیہ! ناصرہ! لڑکیو باہر نکلو، سلمان سمیٹو، دیکھو تو ساجد علی نے کیا کچھ بھجوایا ہے۔" بے جی جوش میں

کہہ رہی تھیں۔

"آپا! پہلے تو یہ تربوز اور خربوزے کاٹ کر ٹھنڈے کرو۔ آج تو جی بھر کر کھائیں گے۔"

"تیل کا کنستر اندر کرو۔ خوامخواہ لوگ مانگنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑا مہنگا ہے۔ مسرت! شام کو تمہارے تایا گھر آئے تو انہیں بادام کا شربت بنا کر دینا۔"

"لو۔ ہمیں کیا لڑنا ہے بادام کا شربت۔"

مسرت خاموشی سے سنتی رہی۔ وہ جانتی تھی۔ یہ ساری سوغاتیں شفیق کے کھیتوں کی ہیں۔

رات کو ٹھنڈا ٹھار تربوز کھاتے ہوئے مریم اور مائرہ نے اسے گھیر لیا۔

"تم تو کہتی تھیں۔ کوئی بانکا سجیلا نہیں۔ تو یہ کہاں سے نکلا۔۔۔؟"

"پتا نہیں۔ میں نے تو کبھی اسے اتنے غور سے دیکھا نہیں۔" مسرت نے بے نیازی سے کہا۔

جی میں آیا کہ انہیں بتائے مگر چپ ہی رہی۔

• • •

وہ مسرت کا تیسرا پرچہ تھا۔ جب حارث گھر آیا۔ اس کی طبیعت خراب تھی اس لیے ایک دو چھٹیاں لے کر آیا تھا۔

"حارث! بچے تبادلہ ادھر کروالو۔ کب تک پردیس میں پڑے رہو گے۔ یہاں رہو گے تو باپ کو سہارا ہوگا۔" بے جی نے ہمدردی سے کہا۔ انہیں تو اسے دیکھ دیکھ کر ہول اٹھ رہے تھے۔ کیسا کمزور سا ہو رہا تھا۔

"نوکری کا معاملہ ہے بے جی! تبادلہ نہیں ہو سکتا۔" وہ کنپٹی دباتے ہوئے بولا۔ پھر ناصرہ سے پوچھنے لگا۔

"سارا اپنے گھر میں خوش ہے۔۔۔؟"

"شکر ہے اللہ کا، خوش باش ہے۔۔۔" وہ اطمینان بھرے انداز میں بولیں۔

"کرن کی کب تک کریں گے۔۔۔؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مریم نے واشنگ مشین لگا رکھی تھی۔ اب کپڑے نچوڑ نچوڑ کر پھیلا رہی تھی۔ حارث لاشعوری طور پر اسے دیکھنے لگا۔ کرن کے بعد اس کی باری تھی۔

"اللہ نے چاہا تو گرمیوں کے بعد۔۔۔" بے جی نے بتایا۔ حارث کی نگاہیں بے اختیار ماں کی طرف اٹھیں۔ وہ ان کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتی تھیں۔ نظریں چرا گئیں۔

"کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج کرواؤ۔ یہ معدے کا مسئلہ کیوں ہو گیا ہے۔" عالیہ نے بات بدلی۔

"بازاری کھانے کھا۔۔۔ کھا کر۔ اب معدہ بچارہ کیا کرے۔ تمہیں تو بیٹے کی کوئی فکر ہی نہیں۔" بے جی نے چڑ کر کہا۔

"تو کیا کروں میں ساتھ چلی جاؤں۔" عالیہ کو غصہ آنے لگا۔

"تم کب تک اسے گود میں لیے بیٹھو گی۔ جوان بچہ ہے۔ شادی کرو۔ بیوی آکر سنبھالے۔" بے جی نے دوٹوک بات کی۔ عالیہ کو تاؤ آگیا۔

"کیسے کروں۔ تین تین جوان بیٹیوں کے ہوتے۔"

"اب بیٹیوں کے لیے تمہیں کوئی بر نہ پسند آئے تو کیا بیٹے کو کنوارا بوڑھا کردو گی۔"

"تمہیں بہت جلدی ہے شادی کی۔" عالیہ کو حارث پر غصہ آنے لگا۔ جو بے جی کو بیٹھا دکھڑے سناتا رہتا تھا۔

"جلدی۔ ارے اس کے ساتھ کے کئی کئی بچوں کے باپ بن گئے۔ کب تک بازار کی روٹی کھا کر پیٹ خراب کرتا رہے گا۔"

"حارث بیٹا! تمہارے لیے دلیہ بناؤں یا ساگودانہ؟" ناصرہ نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے پوچھا۔

"کچھ بھی بنادیں۔" وہ بے زار سا ہونے لگا۔ "صدف کہاں ہے؟"

"سہیلی کی منگنی میں گئی ہے۔" عالیہ نے تیوری چڑھا کر بتایا۔ آج صبیحہ کی منگنی تھی۔ صدف تو لڑکے کی تصویر اور بائیوڈیٹا سن کر ہی پریشان ہوگئی۔ وہ صبیحہ کا پھوپھی زاد تھا۔

"صبیحہ! تم نے کیا دیکھ کر اسے پسند کیا ہے؟"

"خود کو دیکھ کر۔" وہ منگنی کی انگوٹھی پہنے مطمئن سی بیٹھی تھی۔

"کیا مطلب۔؟"

"بابا! آم کھاؤ پیڑ کیوں گنتی ہو۔"

"ان لوگوں نے صرف تمہاری نوکری کے لالچ میں یہ رشتہ کیا ہے۔ تاکہ ان کے سارے خاندان کو پال سکو۔"

"جانتی ہوں۔"

"تب بھی۔"

"ہاں۔ تب بھی۔ مجھے غور سے دیکھو۔ اس ڈھائی من کی دھوبن کو کون بیاہنے آئے گا۔ امی میری وجہ سے ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ بن چکی ہیں۔ باپ ہے نہیں۔ بھائی اپنی اپنی دنیا میں مگن۔ میں کب تک ماں کا صبر آزماؤں۔ نعیم آج جاب لیس ہے ساری زندگی تو نہیں رہے گا۔ اس کی بہنیں بیاہنے والی ہیں۔ ساری زندگی تو نہیں بیٹھی رہیں گی۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ کچھ مشکلیں ہوئیں تو آسانیاں بھی ہوں گی۔"

وہ آرام سے کہہ رہی تھی اور صدف کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ غلط ہے یا یہ سب۔

"تم سناؤ۔ تمہارے نواز شریف کا کیا حال ہے؟" صبیحہ نے موضوع بدلا۔

"پلیز۔ میرا تو مت کہو اور فروا اپنے جیٹھ کو سمجھاؤ۔ خوامخواہ اپنی انرجی، وقت اور پیسہ برباد نہ کرے۔ ہر موقعہ پر کارڈ، پھول اور تحفہ بھجوادیتا ہے۔"

صدف کا لہجہ سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔ فروا کو برا لگا۔ مگر وہ چپ رہی۔ نہ وہ صدف کو سمجھا سکتی تھی۔ نہ اپنے جیٹھ کو۔

"میں اب چلتی ہوں۔ زیادہ لیٹ ہوگئی تو بے جی کو اختلاج ہونے لگے گا۔" صدف اس محفل سے بور ہوگئی تھی۔ سو جلد ہی اٹھ گئی۔ گھر آئی تو عالیہ خاصی غصے میں تھیں۔

"بس سہیلیوں کی منگنیاں کرواتی رہنا۔ اب کچھ اپنے بارے میں بھی سوچ لو۔"

"سوچ لیں گے جلدی کس بات کی ہے۔" وہ پہلے ہی بے زار تھی۔

"مجھے نہیں۔ تمہارے بھائی کو جلدی ہے۔"

"امی! ایک بات ہوئی ہے' آپ خوامخواہ۔" حارث نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ان کا جملہ سن لیا تھا۔ "اس میں غصے والی کون سی بات ہے۔ ہر کوئی اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔"

"آپ حارث کی شادی کردیں۔" صدف نے جیولری اتارتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کی عقل کیا گھاس چرنے چلی گئی ہے۔" عالیہ نے سر پیٹ لیا۔ "وہ کون لڑکی ہوگی جو تین تین ساسوں اور نندوں کی موجودگی میں یہاں رہنا پسند کرے گی۔"

"اسے کون سا یہاں رہنا ہے۔ حارث ساتھ ہی لے جائے گا۔"

"رہنا بھی پڑے تو میں نے لڑکی ہی وہ پسند کی ہے کہ مسئلہ ہی نہ ہو۔" حارث کے منہ سے پھسلا۔ عالیہ حق دق رہ گئیں۔

"تم نے لڑکی پسند کی ہے؟"

"جی۔" حارث نے سنجیدگی کے ساتھ اعتراف کیا۔ صدف نے خوشگوار حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"کون۔؟"

"مریم۔" حارث نے اطمینان بھرے لہجے میں بتایا۔

"کیا۔؟" عالیہ چیخ اٹھیں۔ انہوں نے فوراً اٹھ کر دروازہ بند کردیا۔

"تمہیں اتنا اچھا خیال آکیسے گیا۔؟" صدف کہہ رہی تھی۔

"ارے بس کرو تم دونوں۔ دماغ چل گیا ہے۔ خبردار جو یہ بات دوبارہ منہ سے نکلی۔"

"امی! اس میں حرج کیا ہے۔ مریم گھر کی لڑکی ہے۔ آپ کے سارے خدشے تو اس کا نام سن کر ہی ختم ہوجانے چاہئیں۔" صدف کو ماں کے رد عمل پر حیرت تھی۔ حارث خاموشی سے ماں کا ذہن پڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔

"میں نے کہا ختم کرو۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ ایک میرا بیٹا ہے۔ اسے کسی کھاتے پیتے گھر میں بیاہوں گی۔"

"یوں کہیں بیٹے کو کیش کروانا ہے۔" حارث کے لہجے میں کسی قدر تلخی بس گئی۔ جواباً عالیہ نے اس کے خوب لتے لیے۔

"ساری دنیا بیٹوں کو اچھے گھروں میں بیاہتی ہے۔ اگر میں تمہارے لیے کسی امیر گھرانے کی خوب صورت لڑکی لانا چاہتی ہوں تو اس میں تمہارا ہی بھلا ہے۔"

"ہاں جیسا بھلا آپ نے ان کے ساتھ کیا ہے۔" وہ صدف کی طرف اشارہ کرتا اٹھ گیا۔ عالیہ کے تلوے پر لگی سر پر بجھی۔ حارث کو خوب سنائیں۔

مسرت سمیت سب کو پتا چل گیا کہ حارث شادی کرنا چاہتا ہے مگر عالیہ نہیں کر رہیں۔ جبار صاحب نے کچھ کہنا چاہا تو وہ چیخ اٹھیں۔

"مجھے اور میری بیٹیوں کو گھر سے نکال دو۔ پھر لے آنا بہو۔"

اب اس کے بعد وہ کیا کہتے۔ چپ چاپ بادام کا شربت پینے لگے۔ یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ حارث کس سے شادی کرنا چاہتا ہے کہ وہ دوسرے دن ہی واپس چلا گیا تھا۔ بے جی جلتی کلستی رہیں۔ مسرت کے پیپر ختم ہوئے تو وہ بھی گاؤں بھاگی کہ اتنے بہت سے دن رہنے کے بعد اداس ہو رہی تھی۔

● ● ●

دوپہر کو سوئی تو کھانے کے لیے بھی نہ اٹھی۔ رات کو جنت بی بی نے اٹھا کر دودھ کا گلاس پلایا۔ پی کر پھر سو گئی۔

"سونے دے، دو مہینوں کا رتجگا ہے۔ امتحان دینا معمولی بات نہیں۔" ساجد علی نے ٹوکا۔

اس کی آنکھ اگلے دن صبح صبح کھل گئی۔ واش روم سے نکلی تو وسیع صحن میں ٹھنڈی میٹھی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے گہرے گہرے سانس لے کر آسمان کو دیکھا۔ جو رزق کی تلاش میں نکلے پرندوں کی چہکاروں سے آباد ہو چکا تھا۔ ابھی ملگجا سا اجالا تھا۔ اس نے وضو کر کے آنگن میں جائے نماز بچھا کر نماز پڑھی۔ دعا کے بعد اٹھی تو دڑبے میں مرغیاں کٹ کٹا رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ اک ریلے کی صورت میں نکلیں اور پر پھڑپھڑا کر صحن میں چکرانے لگیں۔

"بی بی..." ملازم کنڈی کھڑکا کر دودھ کی بالٹیاں رکھ گیا۔ مسرت نے پہلی بار اتنا دودھ دیکھ کر ماشاءاللہ کہا اور بالٹیاں ڈھانپ کر رکھ دیں۔ اماں مکھن نکال چکی تھیں۔ اس نے چولہے پر چائے رکھی۔ تو ارد گرد گھروں کے بچے لسی لینے آنے لگے۔ مسرت نے زندگی میں پہلی بار انہیں بغیر چڑے لسی دی۔ چائے بننے تک اماں بھی آ گئیں۔ وہی چائے کی ایک پیالی لیتی تھیں۔ وہ باڑے سے آ رہی تھیں۔ اس لیے ہاتھ پاؤں دھو کر آ گئیں۔ خود اپنے لیے اس نے مگ بھر کر میٹھی لسی کا بنایا۔

"اماں! میں تو ترس گئی تھی۔ اس لسی کے جگ کے لیے۔ وہاں کبھی کبھار بناتے تو تھے مگر بس ایک ایک گلاس ہی حصے میں آتا تھا۔"

"تجھے ہی شوق تھا۔ یہاں کی نعمتوں سے منہ موڑ کر شہر جا کر رہنے کا۔"

"میں اس بار بہت اداس ہو گئی تھی۔"

جنت بی بی کو وہ تھوڑی بدلی ہوئی لگی۔ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"شاید زیادہ دن دور رہی ہے۔ اس لیے لگ رہا ہے۔" انہوں نے سوچا۔

"دوپہر کو ان کے ساتھ لپٹ کر لیٹ گئی۔ وہ چیختی رہیں۔

"پیچھے ہو جا۔ گرمی ہے۔ بجلی بند ہے۔"

"کہاں ہے گرمی، مجھے تو نہیں لگ رہی۔" وہ مزے سے کہتی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جنت بی بی کو حیرت تھی۔ وہ اس بار پچھلی بار کی طرح شہر کی باتیں نہ بتا رہی تھی۔

"آپ نے کپڑے بہت اچھے بھیجے۔"

"میں نے تو شفیق سے کہا تھا۔ اس بچارے نے مجھ سے پیسے بھی نہیں لیے۔"

"اچھا..." وہ چپ سی ہو گئی۔

"اس کی فصل خاصی ہوئی ہے۔ گھر دوبارہ بنوا رہا ہے۔ شہر سے نقشہ بنوا کر لایا ہے۔ قیمتی چمکتا ہوا پتھر سارے گھر میں لگوا رہا ہے۔ ویسا تو نمبردار کے گھر بھی نہیں ہے۔"

"اچھا۔" وہ نجانے کس سوچ میں تھی۔

"شام کو جا کر ماسی سے مل آنا۔"

"ہاں فاطمہ کی طرف بھی جاؤں گی۔"

فاطمہ نے بی ایڈ کر لیا تھا۔ اب گھر بیٹھ کر جہیز کی تیاری کے ساتھ ساتھ آنے والی ویکینسیز کا انتظار کر رہی تھی۔ مسرت نے اماں سے خوب سارا تیل لگوایا شام کو نہا کر پہلے خالہ زینب کی طرف گئی۔ وہ اسے دیکھ کر نہال ہو گئی۔ شفیق گھر پر نہ تھا۔ آدھا گھر گرایا جا چکا تھا۔

"خالہ! آپ ہماری طرف آ جائیں۔ یہاں کیسے رہیں گی؟"

"ابھی تو گزارا چل رہا ہے۔ نہ ہوا تو آ جاؤں گی۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب بتا میری دھی رانی! کیا کھائے گی۔ شہر جا کر اتنا سا منہ نکال لیا ہے۔ میں نے شفیق سے کہا تو تھا۔ تربوز شہر دے کر آئے۔"

"دے گیا تھا تربوز اور خربوزے بھی۔ بلکہ بہت اچھا کیا وہاں تو ہر چیز اتنی مہنگی ہے، سوچ سوچ کر خریدنا پڑتا ہے۔ اچھا خالہ! میں نے فاطمہ کی طرف جانا ہے۔" رزلٹ تک کا عرصہ اس نے گاؤں میں بڑے آرام سے اماں سے لڑے بغیر گزارا تھا۔

● ● ●

وہ باہر نکلی تو زبیر آدھا دڑبے میں گھسا انڈے چرا رہا تھا۔

"ٹھہر جا۔" اس نے پیچھے زوردار لات مار کر اسے اندر کیا۔ ساتھ دڑبے کا دروازہ بند کر کے کنڈی

لگادی۔ وہ دہائی دینے لگا۔

"باجی! اللہ کے واسطے... اندر بہت بو ہے۔"

"اچھی بات ہے پہلے بو سونگھ' پھر انڈا کھانا... اور میں بلاتی ہوں فاطمہ کو۔" مسرت نے ڈرا دیا۔

خود پائپ لگا کر صحن میں چھڑکاؤ کرنے لگی۔ زمین نے ایک دم تپش چھوڑی۔ پھر ٹھنڈی ہو گئی۔ سوندھی مٹی کی مہک چہار سو پھیل گئی۔ وہ گنگناتے ہوئے کبھی کبھی پھوار خود پر بھی ڈال دیتی۔ زبیر اب دروازے کو دھکے لگا رہا تھا۔ کنڈی ڈھیلی تھی اک جھٹکے سے کھل گئی۔ وہ بگٹٹ دروازے کی طرف بھاگا۔ مسرت اس کے پیچھے تھی۔ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو شفیق سے ٹکرا گیا۔ وہ جو پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی دروازہ پکڑ کر بمشکل خود کو روک پائی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" زبیر اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ وہ تیزی سے دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔ پانی ایک ہی جگہ بہہ کر دروازے کی سمت آنے لگا۔

"خالہ کہاں ہیں؟"

"باڑے کی طرف گئی ہیں۔" مسرت نے خجل سی ہو کر کہا۔

"کل گھر میں میلاد ہے۔ خالہ کو بتا دینا اور خود صبح سے آکر اماں کا ہاتھ بٹا دینا۔ تمہیں اپنے آپ تو خیال آئے گا نہیں۔"

"توبہ جل ککڑا نہ ہو تو..."

"سن لیا؟" شفیق نے انگلی سے دروازہ بجایا۔

"سن لیا ہے۔" مسرت چڑ کر بولی۔

"تو اتنا جل بھن کس لیے رہی ہو؟"

"اپنے گھر میں کھڑی ہوں۔ اپنی مرضی سے جل بھن بھی نہیں سکتی۔"

"شہر جا کر کچھ زیادہ ہی زبان دراز ہو گئی ہو۔" شفیق نے اس دروازے کو دھکا لگایا جس کی اوٹ میں وہ کھڑی تھی۔ دروازہ اس کے کندھے سے ٹکرایا۔

"کیا بات ہے؟" مسرت ایک دم چیخی اس سے قبل کہ وہ بات بتاتا۔ عقب سے جنت بی بی آگئیں وہ انہیں پیغام دے کر چلا گیا۔

"ہونہہ۔ میں تو کبھی نہ جاؤں صبح سے۔"

اس کے صبح سے جانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ جنت بی بی اسے گھر پہ چھوڑ کر خود چلی گئیں۔ اس تاکید کے ساتھ کہ دوپہر کو تیار رہے۔ وہ لینے آجائیں گی۔ نہ جانے کا تو سوال ہی نہ تھا۔ اس نے گھر کا کام سمیٹا' کپڑے بدل کر چھوٹی چھوٹی جھمکیاں پہن رہی تھی جس میں سوٹ کے ہم رنگ سبز نگ جڑے تھے' جب اماں آئیں۔ سبز دوپٹے کے ہالے میں اس کی موہنی صورت اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اماں نے دل ہی دل

میں بلائیں لیں۔

"اماں! ٹھیک ہے۔"

"ہاں دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھ لے۔"

شفیق کے گھر کے اندر باہر خاصا رش تھا۔ دیگیں پک رہی تھیں۔ باہر مردوں کا رش تھا اندر عورتوں کا۔ مسرت گھر میں داخل ہوتے ہی ہکا بکا رہ گئی۔ خوب صورت گیٹ اطراف میں صحن' درمیان میں لان۔ جس میں گھاس اور چند ایک پودے لگے تھے۔

"ارے... اس میں تو جھولا رکھنا چاہیے۔ وہ جو فلاں ڈرامے میں..." وہ بے ساختہ کہہ رہی تھی کہ اندر آتے شفیق پر نظر پڑ گئی تو منہ بنا کر بولی۔

"ہونہہ مجھے کیا۔"

وہ مسکراہٹ دباتا اندر چلا گیا۔ چمکتے ٹائلوں' کھلے کھلے روشن ہوادار کمرے' چمکتے سفید ٹائلوں سے مزین باتھ روم... مسرت نجانے کیوں چپ سی ہو گئی۔ اس دن اس نے پہلی بار فاطمہ سے عدیل کا ذکر کیا۔ بے جی کی بات بتائی۔

"اوہ۔ تو تم نے اپنی مرضی کا میدان مار لیا۔" فاطمہ کا لہجہ بجھ سا گیا۔

"پتا نہیں۔" وہ خود الجھی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب..."

"یہ محض ایک بات ہے۔ فاطمہ! شہر ویسے نہیں ہیں' جیسا کہ میں نے سوچا تھا۔"

"میں تم سے ہمیشہ کہا کرتی ہوں کہ ہر جگہ کے اپنے مسائل' اپنی سہولتیں ہیں۔ جو چیزیں یہاں وافر ہیں انہیں شہر والے ترستے ہیں۔ جو سہولتیں انہیں میسر ہیں۔ ہمارے ہاں کم ہیں۔"

"ہوں..." وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"مسرت... سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا..." فاطمہ نے کہا۔ "تمہارا رزلٹ کب آرہا ہے؟"

"آنے والا ہے۔"

"کالج میں داخلہ لوگی؟"

"شاید..." وہ خود ہی متذبذب تھی۔

جس دن اس کا رزلٹ آیا۔ وہ دن ساجد علی کے لیے سب سے زیادہ خوشی کا دن تھا اس نے سیکنڈ ڈویژن میں ایف اے کر لیا تھا۔ خود اسے بھی یقین نہ آتا کہ انگریزی میں تھوڑی سی گڑبڑ کا خدشہ تھا۔ ساجد علی نے سارے گاؤں میں مٹھائی بانٹی۔ خالہ زینب نے اسے دو سوٹ لے کر دیے اور جنت... ان کا دل انجانے خدشوں سے لرزتا تھا۔

"اب وہ شہر جانے کی ضد کرے گی۔"

انہوں نے پچھلے دو ماہ جو وہ شہر میں گزار کر آئی تھی۔ نجانے کیسے گزارے تھے۔

جبکہ مسرت اڑی پھر رہی تھی۔

• • •

"ساجد علی..." کمرے کی بے حد خاموش فضا میں جنت کی آواز بہت آہستگی سے ابھری۔ کسی گہری سوچ میں ڈوبی آواز۔ ساجد علی نے چونک کر بیوی کو دیکھا۔ وہ کب سے دودھ کا خالی پیالہ ہاتھ میں لیے گم صم سی بیٹھی تھیں۔ ساجد علی کو کل سے ہلکا بخار تھا۔ اس وقت بھی وہ دودھ کے ساتھ دوا لے کر چادر اوڑھے لیٹے تھے۔ جبکہ مسرت باہر برتن وغیرہ سمیٹ رہی تھی۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ پوچھتے۔ باہر کی کنڈی کھڑکی۔ دروازے کے پاس مرغی کا دڑبہ بند کرتی مسرت نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"کون...؟"

"شفیق..."

ایک پل کو مسرت ساکت سی ہوئی۔ پھر دوپٹہ پھیلاتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"ابو جی' اور امی اندر ہیں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں... دڑبے کے پاس جھک کر کنڈی لگانے لگی۔ کنڈی ڈھیلی تھی۔ بہت احتیاط سے لگانی پڑتی۔ سیدھی ہوئی تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ عین اس کے پاس کھڑا تھا۔ مسرت نے کترا کر نکلنا چاہا۔ شفیق نے دڑبے پر ہاتھ رکھ کر رستہ روک دیا۔

"ک... کیا بات ہے...؟" وہ کونے میں سمٹ گئی اور سراسیمگی سے اسے دیکھنے لگی۔ چاند اس کے عقب میں چھپ گیا تھا اور چاندنی کے غبار میں نہایا وجود اس پر حاوی ہونے لگا۔

"مجھے رستہ دو..." مسرت کی آواز ذرا سی لرزی۔

"تمہیں بتایا تھا' تمہارے رستے مجھ تک آتے ہیں۔" مضبوط پر اعتماد لہجہ۔

دیوار پر بیٹھی بلی نے اپنی کانچ سی آنکھوں سے ان دونوں کو گھورا۔

"کیوں بھاگ رہی ہو۔" وہ ایک قدم آگے بڑھا' یہ کئی قدم پیچھے ہٹی۔ پر نور چاندنی میں اٹھتی گرتی پلکوں کا نظارہ خوب تھا۔ اس سنجیدہ سے شخص کا دل خوامخواہ شرارت پر آمادہ تھا اور مسرت کا بس نہ چلتا تھا کہ مرغی کا دڑبہ کھلا ہوتا تو اسی میں گھس جاتی۔ شفیق نے دوپٹے سے جھانکتی لٹ کو انگلی سے ہٹانا چاہا۔ مسرت نے زور سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا۔ یہ بالکل غیر ارادی سی حرکت تھی۔ شفیق نے حیرت سے پہلے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر ہنس دیا۔ مدھم' دل میں اترتی' کسی راز سے پردہ اٹھاتی ہنسی۔

"بڑی جی دار ہو۔"

"میں اماں کو آواز دوں گی۔" مسرت کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی۔

"کیا کہو گی۔"

"تم مجھے چھیڑتے ہو۔"

شفیق کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ اس قہقہے کی آواز اندر تک گئی۔ جنت بی بی بے چین ہو کر باہر نکل آئیں۔

دروازہ تو بہت دیر ہوئی کھلا تھا۔ شفیق جلدی سے پلٹ کر سلام کرنے لگا۔

"وہ دڑبے کی کنڈی نہیں لگ رہی تھی۔ ہاتھوں میں تو بالکل ہی جان نہیں ہے۔ خالہ اسے کچھ کھانے کو نہیں دیتی ہو۔"

مسرت مسکراہٹ دباتی دوسرے کمرے میں گھس گئی۔

"ہاں ڈھیلی ہو گئی ہے۔ صبح ٹھیک کرواؤں گی۔" جنت بھانجے کو لے کر اندر کمرے میں آ گئیں۔

"آؤ جوان..." ساجد علی نے خوش دلی سے کہا۔

"آپ کی مزاج پرسی کے لیے آیا ہوں۔ اماں بتا رہی تھیں بخار ہے۔" وہ ان کی پائنتی کی طرف بیٹھ گیا۔

"یونہی معمولی سا ٹمپریچر ہے۔" انہیں جنت بی بی کا یہ بھانجا دل سے پسند تھا۔ محنتی' خوش اخلاق' ہر قسم کی اخلاقی گراوٹ سے دور۔ بزرگوں کا احترام کرنے والا جو اپنے کھیتوں میں کام کرنے والی مزدور لڑکیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔

"ستی! شفیق کے لیے چائے بنا لا۔" اماں نے وہیں سے آواز لگائی۔

"ہونہہ... میں کیوں بناؤں۔" اس نے چارپائی پر لیٹ کر بازو آنکھوں پر رکھ لیا لیکن تھوڑی ہی دیر میں بازو نیچے تھا اور اماں خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"کب سے بکواس کر رہی ہوں۔ آنکھوں کے ساتھ ساتھ کان بھی بند کر لیے ہیں۔ دیکھ رہی ہوں ستی! تو شہر جا کر کچھ زیادہ ہی مزاج دار ہو گئی ہے۔؟"

"اُفوہ۔ بنا رہی ہوں اماں!"

اسی ڈر سے کہ آواز شفیق تک نہ جائے وہ جلدی سے اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ جہاں سلنڈر گیس موجود تھی۔ جھنجلائے ہوئے انداز میں چولہا جلایا۔ کیتلی میں پانی ڈال کر رکھا۔ چینی پتی بے دریغ جھونکی' دودھ برائے نام ڈالا۔ ذرا سا ابال آنے پر کپ میں انڈیل دی۔

"رہنے دو' کیوں اتنی مشقت کر رہی ہو۔"

مسرت گھبرا گئی۔ وہ دروازے کے درمیان کھڑا تھا۔

"کیوں گھبراتی ہو۔ میں صرف مبارک باد دینے آیا تھا۔"

اس نے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر چھوٹی سی مخملیں ڈبیہ نکالی اور جھک کر اس کے پاس رکھ دی۔

"پچھلے سال بنوائی تھیں۔ دینے کی نوبت اب آ رہی ہے۔"

مسرت نے ذرا سا دیکھا۔ سونے کی چھوٹی چھوٹی بالیاں تھیں۔ جن میں تین سرخ نگ جڑے تھے۔

"میں کل اماں کو بھیج رہا ہوں۔ بی' اے' ایم اے' جو مرضی کرنا لیکن شادی کے بعد۔ دوسری بات میں چائے بہت اچھی پیتا ہوں۔ یہ بے دلی سے بنی چائے تم خود ہی پی لے لینا۔"

وہ کہہ کر رکا نہیں۔ باہر کا دروازہ کھلنے پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ تب اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر چائے کے کپ کو دیکھا۔ پھر ساتھ پڑی ڈبیہ کو جس میں بالیاں جگمگا رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈبیہ

اٹھالی۔

"گھنٹہ لگادیا۔ ایک چائے کی پیالی بنانے میں۔ بچہ یونہی سوکھے منہ اٹھ گیا۔ اب کیا چلہ کاٹنے بیٹھ گئی ہے۔"

"اماں۔۔۔" مسرت نے سر اٹھا کر زور زور سے بولتی اماں کو دیکھا۔ پھر ڈبیہ اس کی طرف بڑھائی۔

"کیا ہے۔۔۔؟" جنت نے ڈبیہ پکڑی۔

"وہ دے کر گیا ہے۔" مسرت رخ بدل کر چینی پتی کے ڈبے اٹھانے لگی۔

"ا۔۔۔ اچھا۔۔۔" جنت بی بی ایکدم غائب دماغ سی ہو گئیں۔ مسرت نے چور نظروں سے ماں کو دیکھا۔ جو بالیاں ہی دیکھے جا رہی تھیں۔ پھر اک طویل سانس لے کر ڈبیہ واپس کرتے ہوئے بولیں۔

"سنبھال کر رکھ دے۔"

خود کمرے میں چلی گئیں۔ ساجد علی نے گم صم بیوی کو دیکھا۔

"کیا بات ہے جنت! چپ چاپ ہو؟"

"کچھ سوچ رہی تھی۔" وہ اک طویل سانس لے کر بولیں۔

"خدا خیر کرے۔۔۔" انہوں نے بغور بیوی کا چہرہ دیکھا۔

"ساجد علی! ستی اب شہر جا کر داخلہ لینے کی ضد کرے گی۔"

"ہوں۔۔۔"

"میں نہیں چاہتی' وہ جائے۔" جنت نے دو ٹوک بات کی۔

"ہوں۔"

"زینب شادی کی بات کر رہی ہے۔" وہ شوہر کا ذہن پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"اچھا۔"

"ساجد علی۔۔۔"

"جنت۔۔۔ مسرت کو میرے پاس بھیجو۔"

ان کے لہجے میں اک فیصلہ کن کیفیت تھی۔ جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہوں۔ جنت اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ مسرت آئینے کے سامنے کھڑی بالیاں پہن کر دیکھ رہی تھی۔ ماں کو دیکھا تو جھجک کر اتارنے لگی۔

"پہنے رکھو۔۔۔" ماں کے کہنے پر اس کے ہاتھ رک گئے۔ چھوٹی چھوٹی بالیاں اس کے چہرے پر کیسی بھلی لگ رہی تھیں۔

"جا کر اپنے باپ کی بات سن لو۔"

وہ دوپٹہ اوڑھتی چلی گئی۔ جنت بی بی متفکر سی اس کی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

● ● ●

ٹھیک ایک سال بعد کرن کی شادی بھی ہو گئی۔ ان ہی دنوں سارا نے اک مقامی کالج میں بطور لیکچرار اپنی جاب شروع کی۔ عالیہ کو ہنسنے کا موقعہ مل گیا۔

"کیوں گزارا نہیں ہوتا۔"

"جی چاچی! اس مہنگائی کے دور میں کہاں گزارا ہوتا ہے۔ پھر اتنا پڑھنے کا کیا فائدہ جو آڑے وقت میں میاں کا ساتھ نہ دے سکوں۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"اسی لیے کہتی تھی۔ بیٹیوں کو کھاتے پیتے گھرانے میں بیاہو۔ اب بچہ سنبھالو گی یا نوکری کرو گی۔"

"سب ہو جاتا ہے چاچی! آپ سے اک بات کرنا تھی۔" سارا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میرے رشتے کے دیور ہیں ریحان۔۔۔ ابھی نوکری تو کوئی خاص نہیں ہے۔ لیکن امید ہے کہ بہت جلد اچھی نوکری مل ہی جائے گی۔ خاصے پڑھے لکھے ہیں گھرانا بھی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے نایاب اور صدف کو میری شادی میں دیکھا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ میں بات کروں۔۔۔"

چچی کے متوقع رد عمل سے ڈرتے ہوئے اس نے بات مکمل کی۔

"نہ بھئی۔۔۔ تم نے تو اتنا پڑھ لیا کہ ضرورت کے لیے نوکری کرنے چل دیں۔ میری نایاب کو تو کوئی شوق نہیں۔ رہ گئی صدف تو وہ کسی کی نہیں مانتی۔" انہوں نے یہی سوچ کر کہ سارا کے سسرال والے ہیں تو غریب ہی ہوں گے۔ چند جملوں میں بات ختم کر دی۔ سارا نے کچھ کہنا چاہا تو ناصرہ نے اشارے سے منع کر دیا۔

"آج آرہے ہیں نایاب کو دیکھنے۔ خاصے امیر ہیں۔ اللہ کرے بات بن جائے۔"

سارا نے دیکھا۔ نایاب کے اندر وہ جوش و خروش ماند پڑ گیا تھا۔ وہی فیشل' پیڈی کیور' مینی کیور۔ لیکن وہ بے حد بے دلی سے تیار ہوئی۔

مہمان نو دولتیوں والے کروفر کے ساتھ تشریف لائے۔ حسب معمول عالیہ جبار نے ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

"جاؤ چائے لے آؤ۔" سارا نے کچن میں آکر نایاب سے کہا۔ اس نے فوراً ٹرے نہیں اٹھائی۔

"نیا!" سارا نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"سارا! امی سے کہہ دو کہ یہ آخری بار ہے۔ اس کے بعد کبھی نہیں۔" نیا کے لہجے میں لرزش سی تھی۔ پھر وہ ٹرے اٹھا کر فوراً باہر نکلی۔ سارا کا دل خراب ہو گیا۔ بہت سی دعائیں کرتی وہ نیا کے پیچھے چلی آئی۔ وہ چائے سرو کر رہی تھی اور مہمان تیوری چڑھائے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ آج تو عالیہ بھی خاموش تھیں۔ حسب عادت بڑھ چڑھ کر بیٹی کی تعریفیں نہیں کر رہی تھیں۔

"چلیں۔" ان میں سے ایک خاتون نے بے زاری سے کہا تو سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے تیور ان کا جواب بتا رہے تھے۔ کوئی بھی انہیں رخصت کرنے نہیں گیا۔ اور وہ خاتون صحن میں ہی شروع ہو گئیں۔

"یہ کہاں بھیج دیا زبیدہ آپا نے۔ نہ علاقہ ڈھنگ کا' نہ علاقے والے۔ میں نے سوچا شاید لڑکی ہی خوب صورت ہو۔ وہ بھی۔۔۔"

اس عورت کی آواز اندر تک آئی تھی۔ نیا کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا۔ وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

سب اپنی اپنی جگہ گم صم بیٹھے رہ گئے۔

● ● ●

"امی! بہت بہت مبارک ہو۔ توصیف نے مقابلے کا امتحان پاس کرلیا ہے۔"

اس دن صبح ہی صبح سارا اور توصیف چلے آئے۔ زندگی انہی لوگوں کے لیے ہے جو مشکلوں پر قابو پانے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ توصیف کی تقرری ایڈیشنل مجسٹریٹ گوجرانوالہ ہوگئی۔ بے جی اور ناصرہ خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتیں۔ وہیں عالیہ کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے۔ یہ ان کا غرور تھا کہ بیٹیوں کا نصیب کہ ابھی تک کسی کی بات طے نہ کرسکیں۔ اسرار واپس چلا گیا۔ عدیل کی تعلیم مکمل ہوگئی۔ وہ آج کل جاب کی تلاش میں تھا۔

وقت ان کی زندگیوں کے مزید تین سال چرا کر گزر گیا۔

اس ساری سچویشن سے اگر کوئی حد سے زیادہ بے زار ہوا تو وہ حارث تھا۔ عالیہ کے پاس اسے بہلانے کا یہی طریقہ تھا کہ نت نئے رشتے اس کے لیے گنواتیں۔ پھر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیتیں۔ لیکن کب تک۔ وہ ماں کے حیلے بہانے سمجھ رہا تھا۔ تب ہی ایک دن جب عالیہ نے بتایا کہ وہ کل اس کے لیے لڑکی دیکھنے جارہی ہیں۔ تب اس نے بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں امی۔۔۔"

"ارے ضرورت کیوں نہیں۔ کیا میرے دل میں ارمان نہیں تمہارے سر پر سہرہ دیکھنے کا۔"

"ارمان نکالنے کا وقت اب گزر گیا امی۔ کیونکہ میں شادی کرچکا ہوں۔"

عالیہ کو غش آگیا۔

● ● ●

نایاب کی حالت اور حارث کی شادی کی خبر نے سارے گھر کو پریشان کردیا تھا۔ نیا نے اس کو کچھ زیادہ ہی دل پر لیا تھا۔ سارا سارا دن کمرے میں بند رہتی۔ کوئی کچھ کہہ دے تو غصے میں زور زور سے بولتی۔ چیزیں توڑتی۔ عالیہ کو تو دوبدو جواب دیتی۔ اپنی سبکی اور ذلت کا احساس چین نہ لینے دیتا۔ اسے لگتا۔ سب اسے ترس اور رحم کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ عالیہ سر پیٹ لیتیں۔

"میری کیا اپنی اولاد سے دشمنی تھی۔ اسی کا بھلا چاہا۔ مجھے کیا پتا تھا۔ یہ دن دیکھنے پڑیں گے۔"

بے جی انہیں دکھ سے دیکھ کر رہ جاتیں۔ بہت دل چاہتا انہیں چار چار سنائیں کہ تمہاری ہٹ دھرمی اور جلد بازیوں نے یہ دن دکھایا ہے۔ مگر گھر میں پہلے ہی اتنی پریشانی تھی کہ وہ بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکتیں۔

نیا کو صدف پر رشک آتا۔ کم از کم وہ اس کی طرح بار بار تماشا نہ بنی تھی۔ اس کے پاس خود کو مصروف رکھنے کے لیے جاب کا آسرا تو تھا۔ آرام سے تیار شیار ہو کر کالج جاتی۔ واپسی پر وہی اس کا کمرہ' اب تو اس نے سیکنڈ ہینڈ گاڑی بھی لے لی تھی۔ اب یہ تو کوئی اس کے دل سے پوچھتا جو سب کچھ سہہ کر خاموش بیٹھا تھا۔ اپنی ٹوٹتی اور کرلاتے جذبوں کو چھپائے بے نیازی سے خود میں مصروف تھی۔ کوئی ہنس کر کہہ دیتی۔

"صدف! اب اپنا رائٹ مین ڈھونڈ لو۔" تو مسکرا کر ٹال جاتی۔

"یار! زندگی شادی کے بغیر بھی اچھی گزر رہی ہے۔"

مائرہ نے ایم اے کرلیا تھا لیکن خود کو مصروف رکھنے کے لیے پچھلے تین سال سے کورسز پر کورسز کیے جارہی تھی۔ اسے نیا کی حالت سے خوف آتا۔ اسے یقین تھا۔ وہ بہت جلد سائیکو کیس بن جائے گی۔ بے جی مریم کے رشتے کے لیے سرگرداں تھیں۔ مگر نجانے کیا بات تھی کہ اس کی بار تاخیر ہی ہوئی جارہی تھی۔

چھٹی کا دن تھا۔ سارا صبح سے آئی تھی۔ اس کے بچوں نے گھر کی خاموش فضا میں اودھم مچا رکھا تھا۔

اب کیا سوچا ہے بے جی؟"

سارا کو گھر کے ماحول سے وحشت سے ہوئی۔ چچی کے پورشن سے کوئی بھی ادھر آکر نہ بیٹھتا۔ بس رسمی سلام دعا' رسمی باتیں' وہ محفلیں تو خواب و خیال ہی ہوگئی تھیں۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" انہوں نے اک سرد آہ بھری۔ ان کی نماز اور وظیفے میں اضافہ ہوگیا۔

"سب چچی کی غلط اپروچ کا نتیجہ ہے۔ کیا کمی تھی ریحان بھائی میں۔ معمولی جاب ہے۔ میں بھی تو اسکول ماسٹر سے بیاہی تھی۔ نصیب میں ہو تو سب مل جاتا ہے۔ آج وہی ریحان بھائی اتنی اچھی پوسٹ پر ہیں۔ ایک ہی جست میں آسمان چھونے کی خواہش نے چچی کو زمین پر لا پٹخا ہے۔ اب تو عقل کریں۔"

بے جی کے کمرے میں صرف وہی لوگ تھے۔ اسی لیے سارا کھل کر بولی۔

"مجھے تو چچا جان پر ترس آتا ہے۔ وقت سے پہلے ہی بوڑھے ہوگئے۔ جہاں بیٹھے ہوں وہیں سوچ میں ڈوب جاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں تو لڑکیوں کے رشتوں کے مسائل کچھ زیادہ ہی سنگین ہوچکے ہیں۔ اوپر سے یہ بے لگام خواہشیں اور نام نہاد آئیڈیلزم کے چکر۔ صدف میں کس بات کی کمی تھی۔ مگر خوب سے خوب تر کی تلاش میں وقت ہاتھ سے پھسلتا گیا۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔ پہلے تو لڑکیاں خاندان میں ہی کھپ جاتی تھیں۔ اپنے اپنوں کو ڈھانپ لیتے تھے۔ اب تو جسے دیکھو۔ خاندان سے باہر جھانک رہا ہے۔ اپنے خاندان کی لڑکیاں تو نظر ہی نہیں آتیں۔ گھر کی مرغی دال برابر' اسی لیے تو نفسا نفسی اور بے چینی کا عالم ہے۔ باہر سے ہیرے موتی چن کر لائیں گے۔ بھلے

بعد میں پتھر روڑے نکلیں۔" بے جی اک سرد آہ بھر کر بولیں تو ناصرہ پوچھنے لگیں۔

"ریحان کی شادی ہو گئی؟"

"ابھی تو نہیں ہوئی۔" سارا نے کچھ سوچتے ہوئے بتایا۔ "اب حارث بھائی کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے؟"

"تمہاری چچی کہتی ہیں کہ جیتے جی اسے بہو تسلیم نہ کروں گی۔"

"حارث نے انہیں زک بھی تو بڑی پہنچائی ہے۔ جو بیٹیوں کے بارے میں اتنے اونچے خواب دیکھتی تھیں۔ بیٹے کے بارے میں کیا کیا نہ سوچا ہو گا۔ امی! میں اک بات سوچ رہی تھی۔۔۔" سارا نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔ بے جی اور ناصرہ دونوں ہی اس کے انداز پر متوجہ ہوئیں۔

"نایاب کا تو جوڑ نہیں ہے' لیکن اگر ہم عدیل اور مانو کا۔۔۔"

"ارے خوامخواہ ہی۔۔۔" ناصرہ یکدم چمک اٹھیں۔ "میری پانچ بچیوں کے لیے ان کو تو خیال نہ آیا۔ اب مجھے کیا عدیل کے لیے دلہن نہ ملے گی۔"

"امی! اب جانے دیں' ہماری۔۔۔"

"ایسے ہی جانے دوں' یہ مجھ سے پوچھو یا اپنے باپ سے' تمہاری دفعہ' کرن کی دفعہ کیسے بار بار خیال آتا تھا' کوئی ایک بیٹی تو گھر میں رہ جائے' مگر میرے دیور دیورانی کو ایک بار بھی خیال آیا۔۔۔ چلو عالیہ کو چھوڑو۔۔۔ تمہارے چچا نے سوچا کہ کسی طرح بھائی کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔" ناصرہ سخت غصے میں آ گئی تھیں۔

"انہوں نے نہیں سوچا۔۔۔ تو آپ ہی۔۔۔"

"بس سارا! تمہیں کس نے کہا' ان معاملات میں دخل دو۔۔۔ تو صیف نے آنا ہے تو بتاؤ۔۔۔ میں کھانے کا انتظام کروں۔" وہ روٹھے پن سے کہہ کر اٹھ گئیں۔

سارا نے بے جی کی طرف دیکھا۔ وہ بے بسی کے ساتھ ہلکا سا مسکرائیں۔

"تم فکر نہ کرو۔ کچھ نہ کچھ اچھا ہی ہو گا۔"

تب ہی صدف چلی آئی۔

"سارا آئی ہے۔"

"آپ کو تو کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ میرے غریب خانے میں ہی جھانک لیں۔"

"اکثر سوچا۔۔۔ لیکن سوچتی ہی رہ گئی۔" وہ ہنس دی۔ سارا نے دیکھا' وہ اب بھی اتنی ہی جاذب نظر اور پیاری تھی۔

"پھر کیوں کوئی۔۔۔؟" لاشعوری طور پر اس کا ذہن ایک ہی دائرے میں گھومنے لگا۔

"سارا! یہ تو روئے جا رہا ہے۔" مریم اس کے سب سے چھوٹے بیٹے کو گود میں اٹھائے آ گئی۔ سارا کے اب تین بچے تھے' دو بیٹیاں' ایک بیٹا۔

"اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے' دانت نکال رہا ہے تو تنگ بہت کرتا ہے۔"

"نیا کو ساتھ لے جانا' سارا دن کمرے میں بند کڑھتی رہتی ہے۔" صدف کے جانے کے بعد بے جی نے آہستگی سے کہا۔ وہ سارا سے سرسری سا مل کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"جی اچھا۔" وہ بچے کو بہلاتے ہوئے نیا کے کمرے میں آ گئی۔ وہ اوندھے منہ بستر پر پڑی پاس رکھے رسالے پر بے توجہی سے انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"کیوں نیا! ہیرو کو پٹانے کا کوئی طریقہ نہیں ملا۔" سارا نے کمرے میں چھائی خاموشی توڑنے کو شوخی سے کہا۔ نیا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے سارا کو دیکھا۔ دوسرے پل نجانے کیا ہوا کہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سارا خود بھی آب دیدہ ہو گئی۔ اس کے بیٹے نے دونوں کو روتے دیکھ کر چیخ ماری اور آسمان سر پر اٹھا لیا۔

"بس کرو یار۔۔۔ دیکھو اس معصوم پر ترس کھاؤ۔ کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہو۔"

"مجھے حارث بھائی کی ٹینشن نہیں ہے۔ انہیں یہ بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔"

"تو اپنے لیے پریشان ہو۔ بے وقوف' دیکھنا خدا نے تمہارے نصیب میں بہت اچھا سا بندہ لکھا ہو گا۔" سارا نے اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا۔

"سارا! مجھے لوگوں کے سامنے تماشا بننے کا غم ہے۔ امی اب ایسے ایسے لوگوں کو بلانے لگی ہیں جن کی طرف ہم دیکھنا بھی گوارا نہ کریں' پھر۔۔۔ میں ہی کیوں؟ صدف کو تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔۔۔ وہ تو مزے سے اپنی زندگی خود جی رہی ہے۔"

اس نے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کرچی کرچی لہجے میں کہا۔

"توازن زندگی کے ہر معاملے میں ضروری ہے' زندگی کا حسن ہے' اور چاچی نے ہمیشہ ہر کام بہت انتہا پر جا کر کیا ہے' لیکن دیکھو۔۔۔ اب اٹھو۔۔۔ کسی بھی بات کو دل پر لینے کی ضرورت نہیں' مجھے فہد کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا اور کچھ کپڑے بھی خریدنے ہیں اور تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔"

نیا نے ٹالنا چاہا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔

کلینک پر خاصا رش تھا۔۔۔ انہیں انتظار کرنا پڑا۔ پھر فہد نے بھی خاصا ستایا۔۔۔ باری آنے پر سارا اسے اندر لے گئی' تو نیا کی توجہ پاس بیٹھی لڑکی نے کھینچ لی۔ شکل جانی پہچانی سی تھی۔

"آپ نے میٹرک کہاں سے کیا ہے؟" نایاب نے بے اختیار پوچھا۔ اس نے قدرے حیرت سے نایاب کو دیکھا' اور بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"کیوں؟"

"بس' مجھے لگا' آپ میری کلاس فیلو رہی ہیں۔"

اب کے اس نے غور سے نایاب کو دیکھا اور اسکول کا نام بتا دیا۔

"مسز خورشید' ہماری کلاس ٹیچر ہوتی تھیں۔" نیا ایکدم جوش میں آ گئی۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں کو ایک دوسرے کا نام یاد نہ تھا۔ پھر بھی باتیں شروع ہو گئیں۔

"بچے کو دکھانا ہے۔" اس نے اپنے ساتھ بیٹھے چھ' سات سالہ بچے کو جوس کا پیکٹ تھماتے ہوئے نیا سے پوچھا۔

"میری بہن نے۔" نیا نے مختصر جواب دیا۔ پھر پوچھا۔ "تمہارا بچہ ہے۔"

"ہاں۔۔۔ چار بچے ہیں۔ یہ سب سے بڑا ہے۔"

"ارے۔۔۔ شادی کب ہوئی؟"

"تقریباً" نو سال ہو گئے۔"

"اور تمہاری۔۔۔"

"ابھی نہیں ہوئی۔" نیا نے بدقت جواب دیا۔ پھر لولا' لنگڑا عذر بھی پیش کیا۔ "ہمارے خاندان میں شادیاں جلدی نہیں ہوتیں' پہلے تعلیم' پھر جابز وغیرہ۔"

"ظاہر ہے جب لڑکیوں کے رشتے وقت پر طے نہ ہوں تو بچاریاں کریں کیا۔۔۔ میری چھوٹی بیٹی بھی اگلے سال اسکول چلی جائے گی۔" اس کے لہجے میں استہزا آمیز فخر در آیا۔ کم از کم نیا کو تو یہی محسوس ہوا۔ اس کا دل چاہا کھینچ کر تھپڑ موٹی کے منہ پر دے مارے۔ خود پر بھی غصہ آ رہا تھا' ضرورت کیا تھی راہ و رسم بڑھانے کی۔ جب تک سارا باہر آئی اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"تمہیں کچھ خریدنا ہے؟"

"سارا! گھر چلو' خریداری پھر کبھی کر لینا۔" اس نے بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا' آئس کریم کھا لیتے ہیں' یہاں پاس ہی ایک۔۔۔" سارا کو اس کی موڈ کی خرابی کا اندازہ بخوبی ہو چلا تھا۔

"گھر پہ منگوا کر کھا لینا۔" نایاب نے فوراً" آگے بڑھ کر ٹیکسی بھی روک لی۔۔۔ سارا کو ناچار بیٹھنا پڑا۔ نایاب جو گھر آ کر کمرے میں بند ہوئی تو اسے توصیف کے آنے اور سارا کے جانے کا بھی پتا نہ چلا۔

● ● ●

اسٹاف روم میں مٹھائی کا ڈبہ کھلا تھا' سب منہ میٹھا کرنے کے ساتھ ساتھ انجم کو مبارکباد دے رہی تھیں' جبکہ وہ مسرور سی سب کے درمیان بیٹھی تھی' صدف کو گلاب جامن کا ذائقہ ہلکا سا کڑوا محسوس ہوا' حقیقت تو یہ تھی کہ صدف کے بیچ کی سب ہی شادی شدہ ہو چکی تھیں' ماسوائے صدف کے۔ اسی لیے اب سب کی توپوں کا رخ صدف کی طرف تھا۔

"مس صدف! اب آپ بھی مٹھائی کھلا ہی دیں۔"

"زندگی بہت چھوٹی ہے' کب تک چوائس میں ضائع کریں گی۔"

"چوائس میں تو کہتی ہوں' جو مل جائے اسی پر اکتفا کر لیں۔"

اک زبردست سا قہقہہ اسٹاف روم میں گونجا۔

"ارے صدف۔ ہاں کرے تو میں آج ہی اپنے ڈاکٹر بھائی کے لیے دست سوال دراز کر دیتی' لیکن افسوس ان کی کل منگنی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔ اس معاشرے کی لڑکیوں کا اول و آخر مسئلہ شادی کیوں ہے؟"

صدف کا موڈ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ "میں اپنا کماتی' اپنا کھاتی ہوں' اپنی نیند سوتی ہوں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ خوامخواہ کسی مرد کی غلامی کیوں قبول کروں۔"

"اف' اس قدر ڈل اور بورنگ لائف' یار ہمارا کیا قصور ہے کہ ہماری زندگی میں کوئی چاہنے والا نہ ہو۔ ساس' نندوں کی چپقلش' دیورانی جٹھانی کا حسد نہ ہو۔"

صدف کو اپنے سوال کا جواب نہ ملا تھا۔ بات ہنسی مذاق میں ٹل گئی' اسے اپنے سوال کا جواب شام کی ڈاک سے ملنے والے دو خطوں سے ملا۔

اس نے بیڈ پر رکھا وہ گلابی لفافہ اٹھایا' وہ بنا کھولے اس میں موجود کارڈ کے الفاظ پڑھ سکتی تھی۔ مگر بیڈ کے کنارے ٹکتے ہوئے اس نے کارڈ کھول لیا۔

آج 14 فروری تھی۔

یہ جو پلکوں پر رم جھم ستاروں کا میلہ سا ہے
یہ جو آنکھوں میں دکھ سکھ کے ساون کا ریلہ سا ہے
یہ جو تیرے بنا' کوئی اتنا اکیلا سا ہے
زندگی تیری یادوں سے مہکا ہوا شہر ہے
سب محبت کا اک پہر ہے
زندگی دھوپ چھاؤں کا اک کھیل ہے' بھیڑ چھٹتی نہیں
اور اسی کھیل میں دن گزرتا نہیں' رات کٹتی نہیں
تم نہیں جانتے خواہشوں کی مسافت سمٹتی نہیں
پیار کرتے ہوئے آدمی کی کبھی عمر گھٹتی نہیں
دل کی دہلیز پر عکس روشن تیرے نام سے
رت جگے آئینوں میں کھلے ہیں کہیں شام سے
اک دریا ہے چاروں طرف درمیان بحر ہے
سب محبت کا ایک پہر ہے

"یہ شخص تو تھکتا ہی نہیں۔" اس نے کارڈ لفافے میں ڈال کر ایک طرف رکھا اور دوسرا خط کھولا۔ یہ فروزاں کا خط تھا۔ جو شادی کے بعد کینیڈا شفٹ ہو گئی تھی' اکثر تو فون بھی نہ کرتی' لیکن کبھی کبھار

لمبا سا خط ضرور لکھتی بہت سی باتوں کے بعد اس نے لکھا تھا۔

"یار صدف! ایک محاورہ تو سمجھ میں آگیا۔۔۔ دور کے ڈھول سہانے' یہ عجیب ملک ہے' یہاں سروائیو کرنے کے لیے ہر کسی کو کام کرنا پڑتا ہے' یہ تو تصور ہی نہیں کہ بیویاں گھر بیٹھ کر عیش کریں اور مرد کمانے کے چکروں میں گھن چکر بن جائیں' یہاں ہر کوئی اپنی اپنی جگہ کولہو کا بیل ہے' پاکستان میں ہر کوئی مجھ پر رشک کرتا ہے' یہ کوئی نہیں جانتا کہ میں کیسی پر مشقت زندگی گزار رہی ہوں' تم سناؤ' سنا تھا صبیحہ کی شادی ہو گئی ہے' اور انجم بھی راضی ہے' اچھی بات ہے' زندگی ٹھہراؤ کا نہیں' تسلسل کا نام ہے' رشتے سے رشتہ جڑتا ہے تو نئے رشتے جنم لیتے ہیں' سب سے خوبصورت اور پیارا رشتہ تو اولاد کا ہے' اپنے بچوں کو دیکھتی ہوں تو لگتا ہے زندگی مکمل ہو گئی۔ پھر میاں بیوی کا رشتہ ہے' میں تو اسے گلاب اور کانٹے کا رشتہ کہتی ہوں' لیکن گلاب کی خوشبو ہمیشہ کانٹے کی چبھن پر حاوی ہو جاتی ہے' ہمیں غصہ آئے تو ہم بہت لڑتے ہیں' ایک دوسرے پر خوب چیختے چلاتے ہیں' تب میں خود کو کوستی ہوں' ضرورت ہی کیا تھی شادی کی' فضول کی غلامی۔۔۔ لیکن جب وہ رات کو میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے پوچھتا ہے۔"

"خفا ہو۔۔۔" تو آنسو بہہ نکلتے ہیں' اور جب وہ انگلیوں کی پوروں سے میرے آنسو صاف کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "پگلی! میں تو غصے میں کہہ گیا۔"

تو یقین جانو صدف مجھے سب بھول جاتا ہے۔

سمجھوتا زندگی کا حسن ہے' سراب کے پیچھے مت بھاگو' جو پاس ہے اسی میں اپنا آئیڈیل تلاشو' فروا سے بات ہوئی' بتا رہی تھی' تجمل بھائی اب بھی تمہارے منتظر ہیں' مجھے تم پر بے حد رشک آیا' ایسا کیا ہے تم میں؟ عام سی ہو' ایسی بہت سی خوبصورت لڑکیاں یہاں وہاں پھرتی ہیں' کوئی ان کے لیے عمر نہیں گنواتا' تم تو خوش نصیب ہو کہ خود کسی کی آئیڈیل ہو۔

فیصلہ کر لو صدف۔۔۔ وقت ریت کی طرح ہاتھ سے پھسلتا جا رہا ہے' ایک دن خالی مٹھی رہ جائے گی۔"

صدف نے خط تہہ کر کے کارڈ کے ساتھ ہی رکھ دیا' اس کے دل و دماغ پر اک خود ساختہ خاموشی طاری تھی' وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

● ● ●

یہ اوائل مارچ کے خوشگوار دنوں کا سلسلہ تھا' جب توصیف کا تبادلہ چشتیاں ہو گیا' سارا نے جاب چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ بچوں کی دیکھ بھال میں مسئلہ ہوتا تھا' مانو نے مختلف کورسز ترک کر کے ایک اچھے پرائیویٹ اسکول میں جاب کر لی' جبکہ مریم بہت پہلے سے سارا کی سیٹ سنبھال چکی تھی' ناصرہ کا ارادہ اب بہو لانے کا تھا' وہ مریم اور عدیل کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتی تھیں' سو داماد کے ساتھ ساتھ بہو کی تلاش میں سرگرداں تھیں' بے جی نے پھر صغری کو بلا لیا تھا' تب ہی عالیہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"صغری' کوئی معقول سا رشتہ ہو تو نیا کے لیے بھی دیکھنا۔"

انہوں نے پہلی بار معقول سے رشتے کی بات کی تھی' اور صغری کی پٹاری میں ایک معقول رشتہ موجود تھا' جو وہ مریم کے لیے لائی تھی۔

"میں کل ان سے جا کر بات کروں گی۔"

کچن سے نیا تیر کی طرح باہر نکلی۔

"اور کتنا تماشا بنائیں گی آپ؟"

"میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔" عالیہ نے آہستگی سے کہا۔

"دشمنی ہی کی ہے' جس طرح آپ نے اپنی بیٹیوں کو ارزاں کیا ہے؟ کوئی نہ کرتا ہو گا' خدا کے لیے اب اور ذلیل مت کروائیں' مجھے شادی نہیں کرنی' سنا آپ نے' اب اگر کوئی مجھے دیکھنے آیا' تو میں کچھ کھا کر مر جاؤں گی۔"

وہ غصے میں چیختی سیڑھیاں چڑھ گئی' سیڑھیوں سے اترتی مانو کے قدم ساکت ہو گئے۔ اسے نیا کے اس رویے سے خوف آتا تھا۔ بہت دیر کے بعد وہ سست روی سے چلتی نیچے آئی اور بے جی کے پاس آکر بیٹھ گئی' بے جی کی انگلیاں ساکت تھیں' تسبیح کے دانے خاموش' اور وہ خود نجانے کس سوچ میں ڈوبی تھیں' صغری جا چکی تھی' عالیہ بھی اٹھ گئیں۔

باہر گول گپے والا صدائیں لگا رہا تھا۔

"کھاؤ گی۔۔۔" بے جی نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔" وہ خاموشی سے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"آج اسکول نہیں گئیں؟"

"جی نہیں چاہتا۔"

"صبح سے کوئی نماز نہیں پڑھی۔" بے جی اس کی نبض شناس تھیں۔ "عالیہ کی ساری اولاد ہی نانہجار ہے' نہ دین کا پتا نہ دنیا کا۔"

وہ خاموشی سے ان کی ڈانٹ سنتی رہی۔

"اب جاؤ جا کر نماز پڑھو' ورنہ چپل کھینچ ماروں گی۔"

وہ بے دلی سے اٹھ کر سیڑھیوں تک گئی' مگر رک گئی' عین دروازے میں کوئی رکشہ آکر رکا تھا' تھوڑی دیر کے بعد آسیہ' یاسر کی امی اٹیچی گھسیٹتے اندر آگئیں۔

"بسم اللہ۔۔۔ بسم اللہ۔۔۔"

بے جی فوراً "پذیرائی کو اٹھیں۔

یہ حقیقت تھی کہ خود مانو نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ رات گئے انہوں نے چپکے سے اپنا مدعا بے جی کے سامنے رکھا' وہ یاسر کے لیے مانو کی بات کرنے آئی تھیں۔

مائرہ نے سر اٹھا کر ان تینوں کو دیکھا اور گردن جھکا لی۔

"مجھے ریجکشن سے ڈر لگتا ہے نیا!"

نایاب نے چونک کر اسے دیکھا... وہ سر اٹھا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی تھی۔

"میرے اندر تمہارے جتنا حوصلہ نہیں ہے کہ بار بار ٹھکرائے جانے کا عذاب سہہ سکوں... اور مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی بھی نہیں... تم... تم کیسے برداشت کر لیتی تھیں نیا... جب ہر ایرا غیرا منہ اٹھائے چلا آتا تھا... تمہیں بھیڑ بکری کی طرح جانچتا... تم میں، تمہارے گھر میں سو سو نقص نکال کر چلا جاتا... جیسے جیسے ہم لڑکیاں نہیں... کسی چھوٹی سی دکان کے گندے میلے شوکیس میں سجی گھٹیا برانڈ کی چیز ہوں، جس پر گاہک ایک کے بعد دوسری نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہ کریں... کیوں نیا... کیا کمی تھی تم میں کہ کوئی ایک... کوئی ایک بھی تمہیں محبت سے، قدر سے مانگ نہ سکا... صرف اس لیے کہ ہمیں محبتوں کی قدر کرنا نہ آئی... ہم نے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو اونچا کرنے کی کوشش کی... اپنے کالے رنگ کو سفید پینٹ کر کے خود کو کبوتر سمجھنے لگے... امی! آپ نے یہ کیوں نہ سوچا کہ جن آٹھ کنال والوں کو آپ یہاں بلا رہی ہیں... انہیں اپنے ہم پلہ لوگوں میں رشتہ نہ مل سکے گا...؟ وہ یہاں سات مرلے کے گھر میں کیا کرنے آئیں گے...؟ امی! آپ اپنی بیٹی کی ذلت بار بار کیسے سہہ گئیں... اور نیا تم... میں تمہاری جگہ ہوتی تو اب تک مر چکی ہوتی... میرے اندر تمہارے جتنا حوصلہ نہیں ہے۔"

آنسو قطرہ قطرہ اس کے رخساروں پر بہہ نکلے... نایاب خشک آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ وہ ان آنسوؤں کو پہچانتی تھی... یہ سارے آنسو اندھیاری راتوں میں اس کے تکیے میں جذب ہوتے تھے، وہ کہنا چاہتی تھی۔

"مانو! ایک بار نہیں میں تو کئی کئی بار مری ہوں۔"

"اور آپی! آپ۔" وہ صدف کی طرف مڑی۔ "محبتوں سے منہ موڑ کر اب تک کس کا انتظار کر رہی ہیں... آپ کے دل کی زمین اس قدر سنگلاخ کیوں ہے کہ وہاں کسی کی محبت کی ایک کونپل بھی نہ پھوٹ سکی... ایسا نہ ہو کہ وقت گزر جائے... آپ تھک جائیں اور ہمراہ صرف انتظار رہ جائے... خدارا توڑ دیجیے اس نام نہاد آئیڈیلزم کے بت کو... خوش فہمیوں سے باہر آجائیں... ان میں کچھ نہیں رکھا... آئیڈیل کیا ہے؟ خوبیوں سے مزین، خامیوں سے پاک شخصیت، جو ویسے کھاتا ہو... پیتا ہو... سوچتا ہو... اٹھتا بیٹھتا ہو، اس کی گفتگو کا انداز... سوچنے کا اسٹائل... کہاں سے ملے گا۔ ہماری سوچوں کے سانچے میں ڈھلا ایسا نایاب بندہ... وقت ریت کی طرح مٹھی سے پھسلتا جا رہا ہے... ایک بار ضرور سوچیں کہ ایسا نہ ہو کل کو آپ خود اسی جگہ کھڑی ہوں... جہاں آج تجمل صاحب کھڑے ہیں۔

ذرا سارا اور کرن کو غور سے دیکھیے گا... وہ لڑکیاں جو آپ سب کی نظر میں بے وقوف اور احمق ہیں... آج کس قدر مطمئن اور خوش باش ہیں... اپنے چھوٹے موٹے مسائل کے باوجود ان کی زندگیاں بہتے پانیوں کی طرح رواں دواں ہیں... خوش باش، شاداں و فرحاں... اور ہم کیا ہیں؟ ٹھہرے ہوئے پانی...

"میں تو ڈرتی تھی، بڑی دونوں کی موجودگی میں کیسے چھوٹی کی بات کروں، پر یا سر کی نوکری لگ گئی ہے، میں بھی گھر میں اکیلی ہوتی ہوں۔ عالیہ اور بھائی جبار سے بات آپ نے خود کرنی ہے۔" وہ ساری ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال کر خود ایک طرف ہو گئیں۔

● ● ●

سارے گھر میں عجیب سا سکوت طاری تھا۔ پھپھو منتظر تھیں اور سب خاموش، بے جی نے گویا کان اور زبان بند ہی کر لی تھی، اور عالیہ کو یہ سمجھ میں نہ آتا کہ وہ خود کو کس مقام پر کھڑا کریں۔ صدف کی بے نیازی، نایاب کا چڑچڑا پن، حارث کی شادی اور بڑی دونوں کی موجودگی میں مانو کا رشتہ، اس پر شوہر کی بے اعتنائی۔

"تم جانو اور تمہاری اولاد۔"

مانو سب دیکھ رہی تھی، سمجھ رہی تھی، اسے باپ سے بھی شکوہ تھا، ان ہی کی کمزوری تھی کہ ماں کو من مانی کرنے کی عادت پڑ گئی۔ ورنہ ان کی اس عادت نے ان تینوں کو کہاں کہاں خوار نہ کروایا تھا۔ وہ پہلے والی لاابالی مانو نہ تھی، وقت نے اور گھر کے حالات نے اسے وقت سے پہلے تو نہیں، مگر ضرورت سے زیادہ میچور کر دیا تھا۔

اسے لگ رہا تھا، یہ وقت خاموش رہنے کا نہیں۔

کسی ایک کو بولنا ہے۔

کسی ایک کو یہ جمود توڑنا ہے۔

اسے بروقت اک درست فیصلہ کرنا تھا۔

اور مائرہ نے بروقت اک درست فیصلہ کر لیا تھا۔

صبح بے جی کے سرہانے چائے کا کپ رکھتے ہوئے اس نے بے حد آہستگی سے کہہ دیا۔

"آپ پھپھو کو ہاں کہہ دیں۔"

بے جی کی تسبیح کرتی انگلیاں ساکت ہوئیں، انہوں نے سر اٹھا کر مانو کو غور سے دیکھا۔ وہ ان کی ساری پوتیوں میں سے سب سے زیادہ بے وقوف تھی، کم از کم انہیں تو لگتی تھی، کل تک لڑ لڑ کر گول گپے کھانے والی مانو کو حالات نے چپکے سے مائرہ جبار بنا دیا۔

بے جی مسکرائیں، انہوں نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"واٹ نان سنس... وہ احمق سا لڑکا۔" صدف کا رویہ حسب توقع تھا۔

"وہ احمق لڑکا اب بہت اچھی جاب کر رہا ہے۔" مائرہ کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

"ہمیں شروع ہی سے تم سے کوئی اچھی امید نہ تھی۔" نایاب جل بھن کر آدھی رہ گئی۔

کمرے میں وہ تینوں اور عالیہ تھیں، جو چپ تھیں، انہوں نے کھنکار کر کچھ کہنا چاہا، مگر انہیں لگا، وہ کچھ نہیں کہہ سکتیں۔

اس نے ایک نظر سب کے گم صم چہروں کو دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔

"اس سے قبل کہ یہ ٹھہرے پانی متعفن اور بدبودار ہو جائیں۔۔۔ اپنے اپنے بارے میں فیصلہ کر لیجیے۔۔۔ نیا! سارا آپی کے دیور اتنے بھی برے نہیں۔"

وہ کہہ کر رکی نہیں۔۔۔ فوراً" باہر نکل گئی۔ کمرے میں صرف اس کی باتوں کی بازگشت رہ گئی۔

یہ مائرہ کی باتوں کا اثر تھا۔۔۔ یا وقت ان کے غرور اور خوش فہمیوں کا جنازہ نکال چکا تھا۔۔۔ ایک دوسرے سے نظریں چرائے پہلے عالیہ کمرے سے باہر نکلیں' پھر نایاب۔۔۔ کمرے کے بیچوں بیچ صرف صدف رہ گئی۔

اس نے خود کو ہمیشہ بہت اونچائی پر تصور کیا تھا۔۔۔ آج پتا چلا اس کے قدم زمین پر نہیں خلا میں تھے۔۔۔ سو انجام سامنے تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھی۔ دھیمے قدموں سے چلتی وارڈروب تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔۔۔ اس کے ایک خانے میں وہ سارے تحفے اور کارڈ اوندھے سیدھے پڑے تھے' جنہیں اس نے کبھی کھولنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی۔ مگر نجانے کیوں اور کب یہاں سنبھال کر رکھنے لگی تھی۔۔۔ تب ہی نگاہ بھٹک کر آئینے تک چلی گئی۔

وہ اپنا خیال رکھتی تھی۔ تب ہی آنکھوں میں چمک اور چہرے کی شادابی برقرار تھی۔

مگر کب تک؟

اس نے خود کو کچھ سال آگے دیکھا۔

چہرے کی ماند پڑتی شادابی۔

آنکھوں سے مدھم ہوتی چمک۔

سر کے اڑتے بال۔

صدف کو نواز شریف شدت سے یاد آیا۔

اس نے گھبرا کر وارڈروب بند کر دی۔

● ● ●

بہت حبس زدہ موسم کے بعد بارش کھل کر برسی۔۔۔ ساری کثافت بہہ نکلی۔۔۔ اک روشن نکھری صبح ان سب کی منتظر تھی۔۔۔ خالص مٹی کی خوشبو سے در و دیوار مہک اٹھے تھے۔

"اف! کتنا کام ہے۔" عالیہ اپنی ڈھیر ساری شرمندگی کو بوکھلاہٹ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھیں۔ آج تجمل کے گھر والے آ رہے تھے۔ کرن تو صبح سے آ چکی تھی۔ سارا نے کالج کے بعد آنا تھا۔ اسے بے جی نے بطور خاص تاکید کی تھی کہ وہ اپنے رشتے کے دیور سے نایاب کے رشتے کی بات چلائے۔۔۔ سارا نے بتایا تھا کہ وہ لوگ ایک دو دن میں چکر لگائیں گے۔ پھپھو مثبت جواب پا کر اڑی پھر رہی تھیں۔۔۔ انہوں نے اسی وقت مانو کو بغل میں دبوچ کر چٹاچٹ بلائیں لیں۔۔۔ دو ہزار ہاتھ پر رکھے۔

رات کو اسرار کا فون آیا۔

"میں نے تو بہت ڈرتے ڈرتے اماں کو بھیجا تھا کہ پتا نہیں تم مانو یا۔۔۔"

"یونہی تم پر ترس آ گیا۔"

"بڑی مہربانی۔" وہ جل کر بولا۔

"تمہیں تو پتا ہے۔ مجھے سنگھاڑے اور مونگ پھلی بہت پسند ہے۔" مانو مزے سے بولی۔

"ولیمہ میں گول گپے بھی سستے ہیں۔"

"واؤ۔۔۔ پھر تو مزا رہے گا۔" اس نے چٹخارہ لیا۔

"ولیمہ میں گول گپے نہ رکھوا لوں۔"

"تمہیں میرا کتنا خیال ہے اسرار۔۔۔"

"پہلی بار تمہارے منہ سے اپنا نام سنا۔ اچھا لگا' ورنہ تم تو ہمیشہ مجھے لکڑ بھگا ہی کہتی تھیں۔"

"نہیں وہ تو۔۔۔" مانو کو کچھ نہ سوجھا تو فون ہی بند کر دیا۔ "اسی لیے بے جی کہتی ہیں سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

"توبہ۔ اس چھٹکی کے ساتھ آنا کوئی آسان کام ہے۔۔۔ ایک بار کپڑوں پر پاؤڈر گرا لیا۔ دوسری بار لپ اسٹک رگڑ لی۔۔۔ اب یونہی لے آئی ہوں۔۔۔ خالہ خود ہی بدلے گی۔" سارا دروازے ہی سے بولتی چلی آئی۔

"خالہ خود ہی تیار کر دے گی۔ تمہیں کون سا تیار کرنا آتا ہے۔" مریم نے آگے بڑھ کر اس کی بیٹی کو گود میں لیا۔ ننھے ابرار کو نانو نے سنبھال لیا۔

"تو صیف نہیں آیا۔" ناصرہ نے پوچھا۔

"ابھی تو بزی تھے۔۔۔ شام میں آئیں گے۔۔۔ کرن نہیں آئی؟" سارا نے ادھر ادھر دیکھا۔

"کرن کہاں؟ باورچن کہو۔۔۔ صبح سے بلا کر کچن میں گھسا رکھا ہے۔" کرن نے باورچی خانے سے دہائی دی۔

"اور ہم جو آپ کے شیطان صفت بچوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہ۔۔۔" مانو نے ہاتھ نچایا۔

"خبردار جو میرے معصوم بچوں کو شیطان کہا ہو۔۔۔ شادی ہونے دو۔۔۔ ایسا ہی گول گپا تمہاری گود میں بھی چپاؤں چپاؤں کر رہا ہو گا۔"

مانو بوکھلا کر گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوئی۔

"میں بے جی سے مل آؤں۔۔۔" سارا ان کے کمرے میں چلی گئی۔۔۔ جبار صاحب پاس ہی بیٹھے تھے۔۔۔ بے جی کچھ بے زار سی تھیں۔۔۔ اس سے مل کر کہنے لگیں۔

"اپنی چچی کو بھیجو۔۔۔ اسے کیا وزارت عظمیٰ مل گئی ہے۔۔۔ جو یوں آپے سے باہر ہوئی پھر رہی ہے۔"

سارا کچھ حیران ہوتی باہر آئی۔۔۔ چچی کو پیغام دیا۔ خود نایاب سے ملنے چلی گئی۔ جو اپنے کمرے میں ہی تھی۔۔۔ دھلا دھلایا سادہ سا چہرہ۔۔۔ سارا نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔

"ہم اپنی صلاحیتیں ہمیشہ غلط جگہ اور غلط لوگوں کے لیے ضائع کرتے ہیں۔ اٹھو' ان لوگوں کے لیے تیار

اجازت نہیں دوں گی۔ عدیل! حارث کو فون کرو۔ اس سے کہو کہ ہم سب اس کے منتظر ہیں۔۔۔ اور یہ کہ اکیلا نہیں بیوی کو ساتھ لے کر آئے۔۔۔ ہم سب اس گھر کی اکلوتی بہو کا استقبال کرنے کو تیار ہیں۔"

عالیہ نے بدک کر پیچھے ہٹنا چاہا۔۔۔ مگر بے جی نے بڑے زور سے جھپی ڈالی تھی۔ وہ ایک انچ نہ ہل سکیں۔

"اوہ جیو! بے جی آپ نے تو بہار بیگم کی یاد تازہ کر دی۔"

عدیل نے نعرہ لگایا' سب فون کی طرف لپک گئے۔۔۔ عالیہ اپنے ہی دام میں پھنس گئی تھیں' بے بسی سے ان کو فون کرتا دیکھنے لگیں' جبکہ بے جی رازداری سے جبار سے پوچھ رہی تھیں۔

"یہ بہار بیگم کون ہے؟"

"بنگلہ دیش کی وزیر اعظم تھیں شاید۔" عالیہ نے بے توجہی سے اپنی معلومات جھاڑیں۔ جبار صاحب نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا۔

"اب یہ گول میز کانفرنس ترک کر دیں۔ مہمان آچکے ہیں۔" مریم نے آکر اطلاع دی۔ ہنستی مسکراتی فروا سب سے مل کر فوراً صدف کے کمرے میں آگئی۔

"آخر محبت نے اپنا آپ منوا ہی لیا۔"

صدف متانت سے مسکرا دی۔

"ہم نے بھی پکا کام کیا ہے۔ موصوف نے انگوٹھی دے کر بھیجا ہے۔ وہ تو نکاح پر اصرار کر رہے تھے۔"

نیچے ہی ہڑبڑ مچی تھی۔ اگرچہ ان لوگوں نے باضابطہ ملاقات کے لیے بلوایا تھا۔ مگر وہ لوگ پھلوں اور مٹھائی کے ٹوکروں کے ساتھ باقاعدہ انگوٹھی پہنا کر رسم کرنا چاہتے تھے۔

"کوئی حرج نہیں' جب زبان دے دی تو پیچھے کیا رہ گیا۔" بے جی نے اجازت دی' انگوٹھی اتنی کھلی تھی کہ انگوٹھے میں پوری آئی۔

"لگتا ہے اپنی اتار کر بھجوا دی ہے۔" صدف بڑبڑائی۔

"وہ جلدی میں بس اندازے سے لے آئے۔" فروا نے ڈھٹائی سے کہا۔

"السلام علیکم!" حارث دروازے میں اپنا چھوٹا سا بیگ لیے کھڑا تھا۔

سب ہکا بکا رہ گئے' ساتھ ہی سب کی نگاہیں اس کے عقب میں بھٹکیں۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

"یہ راولپنڈی کیا گھر کے بچھوا ڑے ہے۔" سب سے پہلے عمیر اس کے گلے لگا۔

کچھ مہمانوں کی وجہ سے اور کچھ وہ لوگ ویسے ہی اس کو معاف کر چکے تھے۔ بہت جوش دلی سے' باپ سے گلے ملتے ہوئے وہ چپکے سے بولا۔

"شکریہ ابو۔۔۔"

کسی کو خبر نہ تھی کہ جبار صاحب اسے رات ہی کو فون کر چکے تھے۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا بے جی۔۔۔ ادھوری خوشیاں اچھی نہیں لگتیں۔" سارا نے کہا۔

ہو جاؤ' جو تم سے محبت کرتے ہیں۔"

نایاب شرمندہ سی ہو گئی۔۔۔ بہت بار سارہ سے مس بی ہیو کیا تھا۔۔۔ عالیہ گئیں تو بے جی نے تحکمانہ لہجے میں بیٹھنے کے لیے کہا۔

"بے جی بہت کام ہیں۔"

"ارے۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔ دنیا کیا تمہارے کندھوں پر کھڑی ہے۔"

عالیہ نے سوالیہ نظروں سے جبار صاحب کو دیکھا اور بیٹھ گئیں۔۔۔ بے جی کچھ لمحے خاموش رہیں۔ پھر مدھم لہجے میں پوچھا۔

"ادھوری خوشیاں اچھی لگتی ہیں؟"

عالیہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"بہنوں کی رخصتی اکلوتے بھائی کے بغیر ہو گی؟"

عالیہ نے سر جھکا لیا۔

"عالیہ! جبار' معاف کر دینے میں ہی بھلائی ہے۔ غور کرو تو اس سارے قصے میں حارث کا کچھ زیادہ قصور ہے بھی نہیں۔"

"پھر بھی اسے کم از کم باپ کو تو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔" جبار صاحب نے ناراضی دکھائی۔

"اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ والدین کے بغیر کر لیا۔۔۔ اب آپ کہتی ہیں کہ سب کچھ بھلا کر اسے گلے سے لگا لوں۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ میری طرف سے جائے جہنم میں۔۔۔ جہاں مرضی کھے (مٹی) کھائے۔۔۔ لیکن اس گھر میں قدم رکھا تو ٹانگیں توڑ دوں گا' یا گولی مار دوں گا۔" وہ بھڑک اٹھے۔ عالیہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"ارے کس کی جرات ہے' جو عالیہ کے جیتے جی اس کے بچے کی ٹانگیں توڑ دے' شادی کی ہے' کسی کی لڑکی نہیں بھگا کر لے گیا۔۔۔ آئے گا اور اسی گھر میں آئے گا۔"

"میں اسے عاق کر دوں گا۔"

"میں اپنی جان دے دوں گی۔" وہ سینہ ٹھوک کر میدان میں اتریں۔

"خس کم جہاں پاک۔۔۔" جبار صاحب کی ہٹ دھرمی پہلی بار سامنے آئی تھی۔ وہ ہنگامہ ہوا کہ سارا گھر اکٹھا ہو گیا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر انہیں خاموش کرایا۔ عالیہ بے جی کے گلے لگ کر پھپک کر رو دیں۔

"میرا اکلوتا پردیسی بچہ۔۔۔"

ساس بہو کا یہ ملن پہلی بار سب نے دیکھا تھا۔۔۔ انگشت بدنداں رہ گئے۔

بے جی بھی جذباتی ہو گئیں۔

"بس جبار۔۔۔ بہت ہو گیا۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "ماں کے دل سے کھیلنے کی

"کاش میری سدرہ اور زارا بھی آجاتیں۔" ناصرہ کو ان کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ "ان شاء اللہ شادیوں پر سب اکٹھے ہوں گے۔"

رات کو پچھلے صحن میں چارپائیوں پر سب بیٹھے تھے۔

"بھیا! بھابھی کو کہاں چھوڑ آئے ہیں۔" عمیر نے ہی جرات کی۔ لڑکیاں کچھ دور گول دائرہ بنائے ہلا گلا کر رہی تھیں۔

"کون سی بھابھی؟" اس نے لاپروائی سے پوچھا۔

"کیوں چھوڑ گئی؟ ایسی لڑکیاں..." عالیہ نے تنک کر کچھ کہنا چاہا' مگر بے جی کی گھوری نے خاموش کروا دیا۔ مریم سب کو چائے دینے آئی تھی۔ بھابھی کے ذکر پر متجسس سی ہو کر وہیں ٹک گئی۔

"ہماری بھابھی! موقعہ اچھا تھا' ساتھ ہی لے آتے۔" مریم نے ہمدردی سے مشورہ دیا۔ حارث نے اسے بری طرح گھورا۔

"تم سے دخل دینے کو کس نے کہا ہے؟"

مریم شرمندہ سی ہو کر خاموش ہو گئی۔

"اس گھر کی اکلوتی بہو ہے۔ اسے آنا چاہیے تھا۔" بے جی نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ بے جی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"اب جبکہ اسے قبول کر رہی رہے ہیں تو نخرے کس بات کے۔" عالیہ بڑبڑائیں۔

"امی! وہ کہتی ہے بارات کے ساتھ جاؤں گی۔"

"سب کچھ ہو گیا تو بارات یاد آگئی۔" بے جی کو بھی غصہ آگیا۔ "کورٹ میں نکاح پڑھواتے یاد نہ تھا۔"

"کورٹ میں نکاح' کس کا نکاح؟" حارث اچھل پڑا۔

"تمہارا اور کیا میرا؟" بے جی نے غصے سے دھپ لگائی۔

"میرا نکاح... آپ لوگ کیا خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"فون پر کیا بکواس کی تھی۔" عالیہ کو بیٹے کی اٹکھیلیاں ایک آنکھ نہ بھائیں۔

"کیا؟"

"یہی کہ آپ نے شادی کر لی ہے' اتنے مہینوں سے سب کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔" عمیر نے زچ ہو کر کہا۔

"وہ... وہ تو یونہی مذاق میں کہہ دیا تھا۔" اس نے دوبارہ بے جی کی گود میں سر رکھنا چاہا۔ مگر اب کہ بے جی نے اسے گود لینے سے صاف انکار کر دیا۔

"ایسی باتیں مذاق میں کرنے والی ہوتی ہیں۔"

"امی نے مجھے زچ کر دیا تھا... آج یہ رشتہ... کل وہ رشتہ... جبکہ میں بتا کر گیا تھا کہ..."

اس نے اک ناراض نظر ماں پر ڈالی... دوسری مریم پر... اس نگاہ کا مفہوم ہر کسی کی سمجھ میں آیا تھا۔ ماسوائے مریم کے' جو گزشتہ شرمندگی بھلا کر فوراً ہی بول اٹھی۔

"ارے... تو آپ نے محض ٹالنے کے لیے اتنا بڑا جھوٹ بولا... ہم سب کے جذبات سے کھیلتے ہوئے آپ نے ایک بار بھی نہ سوچا۔"

"ہم سب کے جذبات... کون سے جذبات؟" حارث نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ سٹپٹا گئی... نجانے کیوں اس لمحے حارث کی نگاہوں کا مفہوم بدلا بدلا سا لگا۔

"حارث! تم نے ہمیں کتنا تنگ کیا ہے۔" جہاں ایک طرف سکون کا سانس لیا' وہیں عالیہ کو تاؤ آگیا۔

"اور آپ نے مجھے..."

"شرم کرو... بچے والدین سے بدلہ لیتے ہیں۔" بے جی نے لتاڑا۔

"یہی تو آپ لوگ سمجھتے نہیں... ہم لوگ بڑے ہو چکے ہیں۔ آپ کب تک ہماری انگلی پکڑ کر چلائیں گے۔ اوسطاً عمر کے لحاظ سے آدھی تو گزر گئی۔" آخری جملہ زیر لب بڑبڑایا۔

"ہاں یہ نہ ہو کہ ہماری بھابھی گاتی پھرے... میں کیا کروں رام مجھے بڈھا مل گیا۔" عمیر نے بھول پن کے ساتھ حارث کے جذبات کی ترجمانی کی۔

"خوامخواہ... میرا ایسا گبھرو جوان بیٹا ہے' دیکھنا ان ہی سب کے ساتھ اس کے سہرے کے پھول کھلیں گے اگر..." عالیہ نے فوراً کہتے کہتے ناصرہ کی طرف دیکھا۔ "اگر ناصرہ کو اعتراض نہ ہو۔"

ناصرہ مریم کو ٹھوکے دینے لگیں۔

"کہنیاں کیوں مار رہی ہیں۔"

"یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" ناصرہ دانت پیس کر بڑبڑائیں۔ وہ غصے میں اٹھ کر اندر ہی چلی گئی۔ سب ایک ساتھ ہنس دیے۔

ہر قسم کی فکر اور خدشوں سے پاک۔

بے ریا' ہلکی پھلکی ہنسی۔

ہوا کہیں سے موتیے کے پھولوں کی مہک چرا لائی... چاندنی دھیرے سے گنگنائی۔ ست رنگے پروں والی تتلی آکر آنگن میں چکرانے لگی۔

عالیہ کی آنکھیں نم ہو گئیں... ناصرہ اپنی چار بیٹیوں کو رخصت کر کے بیٹھی تھیں۔ ان کے جذبات سمجھ گئیں۔ ہولے سے ان کا کندھا دبایا... دونوں نے کچھ دور بیٹھی ہنستی مسکراتی بیٹیوں کو دیکھا... دونوں کے جذبات ایک سے تھے۔

عالیہ نے چپکے سے سوچا۔

"دیر سے سہی۔۔۔ مگر درست فیصلوں نے زندگی کا بوجھل پن کم کردیا۔ یہ میرے آنگن کی تتلیاں تھیں۔ مگر انہیں اپنے رنگوں سے کسی اور گھر کے در و دیوار سجانے تھے۔۔۔ یہ میرے چمن کے پھول تھے۔۔۔ مگر ان کی خوشبو سے کسی اور آنگن کو مہکنا ہے۔"

یہی نصیب کا فیصلہ ہے۔

یہی خدا کا حکم۔

میرے آنگن کی تتلیو۔

میرے چمن کو پھولوں۔

خدا! تمہارے رنگوں کی آب و تاب، تمہاری خوشبو کی تازگی برقرار رکھے۔

ہمیشہ سکھ کا جھولا جھولو۔

یہی ماں کے دل کی دعا ہے۔

● ● ●

یہ اک مکمل گھر کا خوبصورت منظر تھا۔ اس نے دو کپ چائے نکالی۔ کپ چھوٹی سی اسٹرابری والی ٹرے میں رکھے۔ کیتلی دھو کر سلیب صاف کی۔ ٹرے اٹھا کر بتی بجھائی۔ کچن کا دروازہ اچھی طرح بند کیا۔ گھر کی دیگر فالتو بتیاں بجھاتی لاؤنج میں آگئی۔ لاؤنج کی نرم گرم فضا میں ٹی۔وی چل رہا تھا۔ فلور کشن پر نیم دراز ماہا ابھی تک دودھ کا گلاس سنبھالے بیٹھی ڈرامہ دیکھ رہی۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں، ڈرامے کے کسی منظر میں گم تھیں۔ آہٹ پر اس نے گردن گھمائی۔ ماں کو دیکھتے ہی جلدی سے دودھ کا گلاس منہ سے لگالیا۔

وہ صوفے پر کمبل اوڑھے لیٹا تھا۔

"جیو! سویٹ ہارٹ۔"

اس نے ٹانگیں سمیٹ کر اس کے لیے اپنے قریب ہی جگہ بنائی۔ وہ اس کا کپ دے کر اور اپنا سنبھالتی قریب ہی بیٹھ گئی۔ ٹرے تپائی پر رکھ دی تھی۔ اس نے اپنا کمبل مزید کھولا اور اس پر بھی پھیلا دیا۔ وہ ذرا سا مسکرائی اور بیٹی کو دیکھنے لگی۔ وہ اپنا دودھ ختم کرچکی تھی۔ نیند سے بوجھل آنکھیں، ڈرامہ کے اسرار میں الجھی تھیں۔

"ماہا! بس کرو۔ سونے کا وقت ہے۔ صبح اسکول کے لیے اٹھنے میں دس، دس نخرے کروگی۔" ماں نے ٹوکا تو وہ منہ بسورنے لگی۔

"امی! ڈرامہ تو ختم ہونے دیں۔"

اس نے کمبل کے اندر سے ہولے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ نرم گرم مانوس سا لمس، وہ مسکرا کر چائے

کے کپ میں جھانکنے لگی۔

"ماہا! سو گئی ہے۔" کچھ دیر کے بعد اس کی بھاری آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ماہا ڈرامہ ختم ہونے سے پہلے ہی سو چکی تھی۔

"آج چاندنی رات ہے، اوپر چلیں۔"

"یار! بہت تھک گیا ہوں۔۔۔" اس نے جماہی لی۔۔۔ وہ جانتی تھی، اس کا شوہر واقعی بہت محنت کرتا ہے۔۔۔ اس وقت سو کر اسے فجر سے پہلے اٹھ کر زمینوں پر جانا ہے۔ بغیر ناراض ہوئے اس نے ماہا کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں بیڈ پر لٹایا۔ لحاف ٹھیک کیا اور خود شال اوڑھتی باہر نکل آئی۔

"جلدی آنا۔۔۔" اس نے شال کا کونا کھینچ کر کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی سیڑھیاں چڑھتی اوپر آگئی۔ پورا چاند قریب ہی درخت کی پھننگ پر ٹکا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوئے چھوٹی دیوار کے پاس آگئی۔ دور تک پھیلے کھیتوں اور امرود کے باغوں پر اجلی چاندنی پھیلی تھی۔۔۔ سردی تھی، اس نے دونوں ہاتھ شال میں چھپا لیے اور سر اٹھا کر روشن چاند کو دیکھنے لگی۔ اک خوبصورت، الوہی سی مسکراہٹ مستقل اس کے لبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

"میں مسرت خاتون شادی کے اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی بہت خوش اور مطمئن ہوں۔۔۔ برسوں پہلے خواہشوں کے گرداب سے نکل کر ماں، باپ کا فیصلہ قبول کرکے جو آسودگی میرا نصیب بنی ہے، خدا ہر لڑکی کا مقدر کرے۔ اس دن جب ابا نے مجھے بلایا تو کتنی دیر میرا چہرہ دیکھتے رہے، پھر سوچا۔"

"تمہیں ہماری محبت پر شک ہے؟"

"ابا۔۔۔!" میرا دل چاہا، میں رو دوں۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔ تمہیں اپنے گھر کا ماحول پسند نہیں۔۔۔ تمہیں یہاں کی پابندیاں بری لگتی ہیں۔۔۔ لیکن مسرت! یہ اس گھر کا ماحول ہے۔۔۔ اسے میں نے اور تمہاری ماں نے بنایا ہے۔۔۔ لیکن وہ گھر جہاں تم جاؤں گی، وہاں کا ماحول تمہیں اور شفیق کو مل کر بنانا ہے، تم دونوں پڑھے لکھے ہو، سمجھ دار ہو، یہاں کی خوبیاں اپنانا اور خامیاں دور کرنے کی کوشش کرنا، صرف اس بات کا یقین رکھنا کہ میں نے تمہارے لیے اک روشن خیال شخص کا انتخاب کیا، جو ہر اچھے کام میں قدم قدم پر تمہارا ساتھ دے گا۔ تمہیں لگتا ہے تمہاری ماں تم پر بے جا پابندیاں لگاتی ہے، وہ غلط نہیں تھی، نہ وہ پابندیاں بے جا تھیں، یہ بات تب سمجھ میں آئے گی، جب اس مقام کو چھولوگی۔"

اور مجھے یہ بات اس وقت سمجھ میں آئی، جب میں نے ماہا کو پہلی بار گود میں لیا۔ میں نے ابا کے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا۔ شفیق میرے اندازوں سے بڑھ کر خیال کرنے والا شخص نکلا، ہم نے اپنے گھر کو جدید شہری انداز میں سجایا ہے، لیکن اپنی روایات سے منہ بھی نہیں موڑا۔ زندگی نے مجھے وہ کچھ دیا ہے، جس کی تمنا کوئی بھی لڑکی کرسکتی ہے، شہر کا سحر وہاں رہنے کے بعد ٹوٹ گیا، مجھے اپنی مٹی کی خوشبو اچھی لگتی ہے۔

آج شہر والے بچے سونو آنٹی کی طرف سے بھجوائی جانے والی سوغاتوں کے منتظر رہتے ہیں۔۔۔ چھٹیوں میں یہاں آنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔۔۔ لان میں لگے جھولے' باغ میں لگے مالٹے اور امرود۔۔۔ تربوز اور خربوزوں سے بھرے کھیت انہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔"

دور کھیتوں کے پار آگ کا الاؤ روشن تھا' فضا میں تازہ بنتے گڑ کی خوشبو گھلی ملی تھی' وہ ذرا سا مسکرائی' اور شال لپیٹتی نیچے چلی گئی۔

زندگی کی راہیں روشن اور واضح تھیں۔

• • • • •

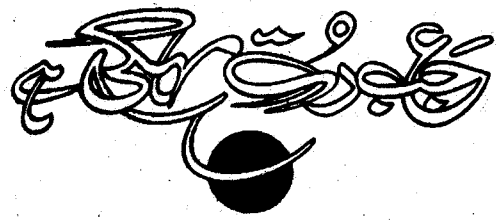

"تمہیں۔۔۔ تمہیں ایسا نہیں لگتا تیمور۔۔۔! اس شہر کے لوگ محبت کرنا بھول گئے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی نیلے سمندروں جیسی گہری آنکھوں میں خوف بادبانی کشتی کی طرح ڈولنے لگا تھا۔

تیمور نے گلاس وال پر پھسلتے بارش کے قطروں سے نظریں ہٹا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا' حالانکہ وہ اس لمحے ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لڑکی کی آنکھوں میں ڈولتا خوف تیمور کو ہمیشہ اضطراب میں مبتلا کر دیتا تھا۔

"مجھے ایسا نہیں لگتا۔" اس کا لہجہ سپاٹ سا تھا۔ نیلے سمندروں پر حیرت بارش کی طرح برس رہی تھی۔

"اب رشتوں میں مضبوطی' محبت میں وفا اور دوستی میں خلوص نہیں رہا تیمور۔"

"یہ صرف تمہاری اپنی سوچ کے زاویے ہیں۔"

"غلط نہیں ہیں۔" وہ تلخ سی ہو گئی۔ "کیا تم نے دیکھا نہیں پھولوں میں وہ تازگی ہی نہیں رہی۔ پتوں کا رنگ سبز نہیں زرد رہنے لگا۔ پرندے چہچہانا ہی بھول گئے ہیں۔ آسمان کا رنگ اب نیلا کیوں نہیں ہوتا' یہ۔۔۔ یہ اتنا مٹیالا اور زرد کیوں نظر آتا ہے۔ ہوا کے ہاتھ سے خوشبو کا دامن چھوٹ گیا ہے۔ زمین بانجھ ہو گئی ہے' اس کی کوکھ سے مٹی کی مہک جنم نہیں لیتی۔"

تیمور کے موبائل پر پیغام آنے لگا تھا' جبکہ وہ اب بھی کہہ رہی تھی۔

"تتلیاں ہمارے شہر کا رستہ بھول گئی ہیں تیمور۔۔۔! پھولوں نے کھلنا ہی چھوڑ دیا ہے' ہر نئی صبح کی آنکھ میں کیسی عجیب سی بے زاری اور اکتاہٹ ہے۔ جیسے وہ اس زمین پر اترنا ہی نہ چاہتی ہو۔ رات کی اوڑھنی پر ٹکے ستارے کون نوچ لے گیا ہے۔ چاند کی روشنی بہت مدھم ہو گئی ہے۔ کہیں چاند رات سے روٹھ نہ جائے تیمور! جس طرح مٹی سے خوشبو اور پھولوں سے تتلیاں روٹھ گئی ہیں۔"

تیمور نے پیغام پڑھ کر موبائل آف کیا اور سامنے بیٹھی لڑکی کو قدرے الجھن آمیز انداز میں دیکھا۔ وہ بولنے پر آتی تو یونہی اوٹ پٹانگ بولا کرتی تھی۔ شاید اسے خود بھی خبر نہ تھی' وہ کیا کہہ رہی تھی۔ اور خوف ان آنکھوں میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

"حقیقت پسند بنو اریج عثمان! تم اکیسویں صدی میں سانس لے رہی ہو۔ دنیا تمہاری انگلیوں کی پوروں میں سمٹ آئی ہے اور تم چاند' ستاروں' پھولوں اور خوشبوؤں کے لیے پریشان ہو رہی ہو۔"

"حقیقت۔۔۔ یہی تو حقیقت ہے تیمور آفندی کہ اب رشتے مجبوری اور غرض کی بنا پر نبھائے جاتے ہیں۔ محبت برائے فروخت کا بورڈ سجائے پھر رہے ہیں ہم سب' کیا محبت جیسی بانٹنے والی چیز خریدی و بیچی جا سکتی ہے۔ ہمارے قول و فعل میں اتنا بھیانک تضاد آ چکا ہے کہ میں سوچ کر ہی لرز جاتی ہوں۔ کہیں ہمارے اعمال ہماری سزا نہ بن جائیں۔" وہ ایک دم سہم سی گئی تھی۔

تیمور ہتھیلی پر دباؤ ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی اور اریج کی آئس کریم پگھل کر پانی ہو گئی تھی۔ حالانکہ یہ اریج کی ہی ضد تھی کہ وہ کافی کی جگہ آئس کریم کھائیں گے۔ مگر ہمیشہ کی طرح اس کی ذہنی رو بھٹک چکی تھی۔

اریج نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' مگر اس کے چہرے کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔ سنجیدگی کے علاوہ کچھ اور بھی تھا جو وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔ پھر معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔

"آئی ایم ساری تیمور!"

تیمور نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ ہر روز بچھڑنے سے ذرا پہلے وہ خود سے وعدہ کرتا تھا کہ اب وہ اس لڑکی سے دوبارہ نہیں ملے گا۔ مگر ہر روز یہ عہد آفس کی کسی فائل میں لپیٹ کر اپنی بے تحاشا مصروفیت میں سے کچھ لمحے اس دماغی طور پر کھسکی ہوئی لڑکی کے ساتھ برباد کرنے آ جاتا تھا۔

"چلیں۔۔۔" تیمور نے قدم بڑھا دیے۔ وہ خاموشی سے اس کے ہم قدم تھی۔ برستی بارش نے ان کا استقبال کیا۔

"دیکھو اریج عثمان! آسمان اب بھی بارش برساتا ہے۔"

نجانے کیوں تیمور کے لبوں سے یہ جملہ پھسل گیا۔ اریج نے ہاتھ پھیلا کر بوندوں کو اپنی گلابی ہتھیلی میں سمیٹا' انہیں دیکھا۔ پھر ہتھیلی اس کے سامنے کر کے بولی تو اس کی آواز میں ہلکی سی مایوسی در آئی تھی۔

"دیکھو! اب بارش کا پانی بھی شفاف نہیں ہوتا۔" تیمور نے پانی میں بھیگتے گلابی رنگ کو دیکھا' پھر اس

کے ٹھنڈے بھیگے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے ہوا۔

"تم دنیا کو اس نظر سے کیوں دیکھتی ہو اریج۔"

"تو کیسے دیکھوں؟" اس کے لہجے میں تھوڑی سی بے بسی اور تھوڑی سی معصومیت تھی۔

"میری آنکھوں سے دیکھو۔"

اریج نے نظر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور کچھ لمحے یونہی دیکھتی رہی۔

برستی بارش تھی اور خاموشی۔۔۔ اس کی گرفت میں اک نازک بھیگا سا لمحہ تھا۔ وہ اس کے سامنے تھی' جو بے خبری میں اس کی زیست کا عنوان بن گئی تھی۔

"کاش! میں یہ لمحہ چرا لوں۔" اک شدید خواہش اس کے دل میں جاگی' جسے اریج کی آنکھوں میں امڈ آنے والی بدگمانی نے اڑا ڈالا' وہ کہہ رہی تھی۔

"جانتے ہو تیمور! مجھے تمہاری آنکھوں میں کیا نظر آتا ہے۔"

تیمور کا پورا وجود سماعت بن گیا۔

"اسٹاک ایکسچینج کے اتار چڑھاؤ' حصص شیئرز' ڈالر کی قیمت۔" وہ ہنستی چلی گئی' یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ تیمور کے اعصاب تن گئے۔ آنکھوں میں در آئی ڈھیر ساری نمی کو آستین سے صاف کرتے اریج نے اسے دیکھا۔

"یہی موضوعات ہیں جن کے گرد تمہاری زندگی کے شب و روز گھومتے ہیں' تم یہی دیکھتے اور یہی سوچتے ہو۔"

"تمہارا مطلب ہے' میرے پاس کسی کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں۔" اس کی آنکھوں اور لہجے میں ہلکی سی خفگی در آئی۔

"تمہارے موبائل کی بیپ اور گھڑی پر دوڑتی نگاہ بتاتی ہے تمہارے پاس کسی کو دینے کے لیے کوئی ایک خالص لمحہ بھی نہیں۔" نجانے کیوں وہ اتنی سفاک ہو گئی تھی۔

"خالص لمحہ؟" تیمور کی استفہامیہ نگاہیں اس کے چہرے پر گڑ گئیں۔

"جس لمحے تم جس کے ساتھ ہو تو پورے کے پورے اسی کے ساتھ ہو۔" اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا' ان کے قریب پیڑ سے ٹیک لگا کر بارش کے رکنے کا انتظار کرتے شخص نے ایک دم گھوم کر ان کی طرف دیکھا۔ اریج بارش کی اوٹ میں گم ہو گئی۔ تیمور آفندی اسے روک کر کہنا چاہتا تھا۔

"ہاں' میں زندگی میں کبھی کسی کو کوئی خالص لمحہ نہ دے سکا۔ مگر وہ ایک لڑکی ہے اریج عثمان۔۔۔ میں اس سے جس لمحے ملتا ہوں تو پورا کا پورا اسی کا ہوتا ہوں۔" مگر وہ جانتا تھا اس کا بدگمان دل کبھی اعتبار نہ کرے گا۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے؟"

بارش میں اپنے قدم بڑھاتے ہوئے تیمور آفندی نے بے حد حیرت سے سوچا تھا۔

"جو اس شدت سے محبت کا متلاشی ہو وہ محبت کو پہچان نہ سکے۔ کیا محبت لفظوں کی محتاج ہے؟"

میں نے پہلی بار اسے بارش کی اوٹ سے دیکھا تھا۔ وہ کون تھی۔ کہاں سے آئی تھی۔ مجھے تو ساون کا بادل لگی۔

زمین کی کوکھ سے جنم لیتی مٹی کی خوشبو جیسی۔ بہت ہی ناخالص حلیے میں بہت ہی خالص لگی تھی مجھے۔

مجھے لگا۔ بارش کی اوٹ میں محبت انہونی سی خواہش اوڑھے کھڑی تھی۔

"جس لمحے تم جس کے ساتھ ہو تو پورے کے پورے اسی کے ساتھ رہو۔"

میں پورے کا پورا اس کی سمت گھوم گیا۔ شاید یہ خواہش میں اس کی آنکھوں میں پڑھنا چاہتا تھا۔ مگر بارش میرے اور اس کے درمیان چادر کی طرح تن گئی۔ زندگی میں پہلی بار مجھے برستا ساون اتنا برا لگا۔

نجانے کہاں سے آئی تھی۔ کہاں چلی گئی۔ ساون کے بادل اپنے نشان تو نہیں چھوڑتے۔

میں نے پلٹ کر اس خوبرو شخص کو دیکھا۔ میرے اندر ناگواری کی لہر سی اٹھی۔ میرا دل چاہا اپنے ہاتھ کو گھورتے آنکھوں میں بے تحاشا تحیر لیے کھڑے اس شخص سے پوچھوں۔

"اتنی خالص لڑکی کے پاس تنہا کیوں نہیں آئے' کسے ساتھ لے آئے تھے کہ وہ یوں خفا ہو کر چلی گئی اور کیا وہ ایسی تھی کہ تم اس کی خفگی مول لے سکو۔"

مگر وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔ شاید اسے خود بھی "تنہا" نہ آنے پر افسوس تھا۔ جب بھی ساون کے بادل پچھم سے جھوم کر اٹھتے ہیں' میرے قدم بے اختیار اسی ریستوران کے سامنے جا رکتے ہیں۔

مگر اس دن کے بعد وہ کبھی نہیں آئی۔

"مگر میں۔۔۔"

میں اب بھی وہیں کھڑا ہوں۔

نجانے کیوں؟

نیم تاریک کمرے میں اے سی کی کولنگ تھی۔ شیشے کی کھڑکیوں اور دروازے پر دبیز پردے پڑے تھے۔ اپنے ذہن کو تند و تلخ سوچوں کے نوکیلے پنجوں سے چھڑانے کی سعی کرتے ہوئے اس نے کروٹ بدلی تو نگاہ کرسٹل کی ڈانسنگ گرل پر جا ٹھہری۔

چند لمحے چپکے سے یونہی کھسک گئے۔ تب اس نے ہاتھ بڑھا کر بٹن دبا دیا۔ مدھم میوزک گونجا۔ نیاگوں

روشنی نے بڑھ کر گڑیا کو اپنے حصار میں لیا۔ وہ دونوں بازو آسمان کی سمت اٹھائے اک دائرے میں گھومنے لگی۔

اسے اپنا آپ بھی کرسٹل کی گڑیا ہی لگا۔ کتنے برس گزر گئے اسے ایک ہی دائرے میں چکراتے ہوئے۔ کبھی ایسا بھی ہو کہ یہ زندگی وقت کے سود و زیاں سے باہر نکل کر مسکرائے۔ کبھی تو دل کے لبوں پر وہ ہنسی پھوٹے جو بہار کی اولین خوشبو بھری ساعتوں سے بوجھل ہو۔ بظاہر بوجھل' درحقیقت بے حد ہلکی پھلکی اور معطر کہ خوشبو بوجھ نہیں ہوتی۔

وہی انہونی سی خواہش۔۔۔

اور جب بھی اسے گمان ہوتا کہ اس کے احساسات اور اس کے اندر پھوٹتی محبت' خالص محبت کی خواہش کرسٹل کی گڑیا کی طرح جامد' پتھریلی اور ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ ایسی ہی کوئی خواہش۔۔۔ انہونی سی خواہش اس کے اندر سر اٹھانے لگتی۔ پھر وہ لاکھ چاہتی کہ اس انہونی خواہش کو لپیٹ کر وارڈروب کے سب سے آخری خانے میں رکھ کر بھول جائے۔ مگر اس کے اندر طلب جاگتی تو پھر پھیلتی چلی جاتی۔

اور سب کتنی حیرت کے ساتھ پوچھا کرتے تھے۔

"اریج عثمان کس دنیا کی باسی ہے۔"

اور بہت دور تتلیوں کے دیس میں وائلن کی دھن پھیلنے لگتی۔

وائلن۔۔۔ جس کے سر ہمیشہ محبت میں ڈھل کر دکھ روتے تھے۔

اور اریج عثمان نے یہ دھن کئی مرتبہ سنی تھی۔

"کہاں۔۔۔؟"

شاید خواب میں' یہ دھن ہمیشہ اس کے اندر گونجتی تھی۔

مگر وہ یہ سب کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔

سب ہنس دیتے۔ مذاق اڑانے لگتے۔

"دیکھو! اریج عثمان پاگل ہو گئی ہے۔ اسے خوابوں میں اک انجانی دھن سنائی دیتی ہے۔"

جب پہلی بار اسے یہ دھن سنائی دی تو جم کے ہاں ڈرائی فروٹ میں سے کاجو چنتے ہوئے وہ بے اختیار ذکر کر بیٹھی تھی۔ جم نے اپنا وائلن اس کی طرف بڑھائے ہوئے کہا تھا۔

"کیا تم وہ دھن بجا سکتی ہو۔"

جم سنجیدہ تھا' مگر باقی سب ہنس دیے تھے۔ اس کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا تھا وہ جانتے تھے۔ اریج وائلن بجانا نہیں جانتی۔

بات تو کچھ بھی نہ تھی۔ مگر مذاق اڑانا ان کی عادت تھی' جہاں جم کے خواب ڈیمی مور اور بیلا کے ٹام کروز سے آگے نہ جاتے تھے وہاں اریج عثمان کو خواب میں انجانی دھن سنائی دیتی تھی۔ ان کے لیے تو باعث

حیرت بھی تھا۔ اور چھ برس گھرنے کے بعد وہ ان کو یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کے خواب آج بھی اس دھن کے اسرار میں گرفتار ہیں۔

وہ یہ بات تیمور آفندی کو بھی نہیں بتا سکتی تھی۔ وہ ہنستا نہیں، مگر اپنی آنکھوں میں ہلکا سا تبسم لیے وہ اس کی طرف جھک کر کہتی۔

"بی پریکٹیکل اریج عثمان۔"

تو اسے یہی لگتا کہ اس کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔

نجانے وہ اتنی نازک مزاج کیوں تھی۔ اور بہت بے اعتبار بھی۔

شاید اس کا مختلف ہونا اسے سب سے دور لے گیا تھا۔

جب بچپن میں سب فرینڈز، ویڈیو گیم یا اٹاری کے دیوانے تھے۔ آیا کی نظر بچا کر چپکے سے بھری دوپہر میں لان میں نکل آتی۔ اسے اس برف رنگ تتلی کا انتظار رہتا جو برف کی جھیل سے رستہ بھول کر سرخ گلابوں کے کنج میں نکل آتی اور اریج عثمان کی ننھی ہتھیلیوں پر اس کے پروں کو چھونے کی خواہش کی جگہ محض انتظار باندھ کر لوٹ گئی۔ اور وہ ہر روز اسی خواہش اور انتظار کو سنبھالے سرخ گلابوں کے کنج میں آ بیٹھتی تھی۔ اور جب تنگ مزاج گورنس اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں تک آتی اور اسے سادھوؤں کی طرح آلتی پالتی مارے پھولوں کو گھورتے پاتی تو ایکدم چیخ اٹھتی۔

"اوہ بے بی، آر یو میڈ۔۔۔ واٹ آر یو ڈوئنگ ہیئر، اتنی گرمی اور دھوپ۔۔۔ اگر مما نے دیکھ لیا۔۔۔ بلکہ ہم ان سے تمہاری شکایت کرے گا۔"

"پلیز روزی۔۔۔ میں سفید تتلی۔" وہ التجا کرنا چاہتی، مگر گورنس اسے بازو سے گھسیٹ کر اندر لے جاتی۔ امپورٹڈ شیمپو اور صابن سے نہلا دھلا کر اسے خوبصورت سفید فراک پہنا دیتی۔ ایک پل کو اسے غور سے دیکھتی، پھر اس کا گلابی گال چھو کر کہتی تھی۔

"تم تو خود سفید تتلی ہو بے بی۔"

But I have no wings (لیکن میرے تو پر ہی نہیں ہیں) اریج کے اندر افسردگی سی اتر آتی۔

دروازہ ایک دم کھلا تو اس نے یوں چونک کر ادھر ادھر دیکھا، جیسے اپنے یہاں موجود ہونے پر حیران ہو رہی ہو۔

"اریج! مائی لو۔"

اس نے اک طویل سانس لے کر بٹن آف کیا۔ گڑیا ایک دم ساکت ہوئی تو اسے لگا پورا کمرہ خالی ہو گیا ہے۔

"تم ابھی تک بستر پر ہو۔۔۔" مما نے پیار بھری خفگی سے اسے گھورا اور وہ سوچنے لگی، مما کے لہجے میں شیرینی کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے جانو۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی کو دھیرے سے چھوا، اک اجنبی سا لمس اس کو پیشانی پر محسوس ہوا۔

"آئی ایم فائن ممی۔" اس نے پیچھے ہٹ کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر انہیں دیکھا۔ بلیک ساڑھی، ڈائمنڈ کا سیٹ، فریش میک اپ اور جدید ہیئر اسٹائل میں وہ بہت تر و تازہ، ینگ اور اسمارٹ لگ رہی تھیں۔

"یو آر لکنگ سو سویٹ ممی۔" وہ بے اختیار گویا ہوئی۔

"تھینک یو ڈارلنگ۔" وہ نزاکت سے مسکرائیں۔

"آج تو فنکشن میں آپ کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔" اس نے لاڈ سے دونوں بازو ان کے گلے میں حمائل کیے۔ "مسز فیروز تو جل کر راکھ ہو جائیں گی۔"

"یو آر رائٹ ڈیر۔" ممی نے آہستگی سے اس کے بازو گلے سے نکالے۔ اریج شرمندہ ہو گئی۔ شاید وہ ہمیشہ کی طرح اوور ہو گئی تھی۔ لیکن وہ بھی کیا کرتی، اسے آج تک محبتوں میں حد بندی کرنا نہیں آئی تھی۔ وہ تو جس سے محبت کرتی، اسے بے حد و حساب چاہتی تھی۔

"لیکن تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ ہم آل ریڈی لیٹ ہیں جانو۔" ممی نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔

"مجھے کہیں جانا تھا ممی۔"

"اریج! آج تمہارے انکل عباس کی شادی ہے۔" ممی نے بے حد خفگی سے اسے دیکھا۔

"اوہ۔۔۔" وہ یوں چونکی جیسے بالکل بھول گئی تھی۔ حالانکہ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ روزی نے اسے ممی کے پارلر جانے کے بعد بھی یاد دہانی کروائی تھی۔

"سوری ممی! میں بھول گئی۔" اس کا لہجہ شرمندگی سے عاری تھا۔

"اریج۔۔۔!"

"ممی! اب تو خاصی دیر ہو گئی ہے۔"

"بالکل دیر نہیں ہوئی۔ تم فوراً اٹھو اور تیار ہو جاؤ۔" انہوں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"ممی! آپ فارینہ کو لے جائیں۔ میرا موڈ نہیں ہے۔" اریج کے لہجے میں بیزاری سی در آئی۔

"فارینہ عمر کے ساتھ جا چکی ہے۔ اور میں کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گی۔ وہاں سب تمہارا پوچھیں گے۔"

"کوئی نہیں پوچھے گا ممی! وہاں کسی کو کسی کی پروا نہیں ہوتی۔" اس نے لاپروائی سے کہہ کر ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول اٹھا لیا۔

"تم خود انہیں نظر انداز کرنے لگی ہو۔ نجانے کن خیالوں میں کھوئی رہتی ہو۔ حلیہ دیکھا ہے اپنا، کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔ تم نے پارلر کا چکر نہیں لگایا۔ تمہیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ تمہارے بالوں کا حشر ہو چکا ہے، لوگ مذاق اڑاتے ہیں، تمہارا اریج۔" ممی کو ایک دم غصہ آ گیا تھا۔

"ممی! غصہ مت کریں۔ اسکن پر سلوٹیں پڑ جائیں گی۔" وہ بے حد آرام سے گویا ہوئی۔ ممی کے چہرے سے غصہ ایک دم کافور ہو گیا' اریج مدھم سا مسکرائی۔

"پرامس' اگلی بار چلی جاؤں گی۔"

"واٹ نان سنس۔" ممی کھڑی ہو گئیں۔

"ممی! شائستہ آنٹی میں کیا برائی تھی۔ جو عباس انکل نے دوسری شادی کرلی۔" اریج نے بے اختیار سوال کیا۔

"یہ ہمارا ہیڈک نہیں ہے اریج! تمہیں چلنا ہے تو۔۔۔"

"سوری ممی! میں وہاں خود کو مس فٹ محسوس کروں گی۔"

ممی کچھ لمحے اسے غصے سے گھورتی رہیں' پھر سر جھٹک کر بنا کچھ کہے باہر نکل گئیں۔

اریج پیشانی مسلتے ہوئے اٹھی۔ روم ریفریجریٹر سے اورنج جوس کا پیک نکال کر وہ گلاس ونڈو کے قریب آ گئی۔ پردے کھینچ کر اس نے دھرتی پر اترتی رات کے ابتدائی قدم گنتے ہوئے عباس اور شائستہ کو سوچا۔ یہی انکل عباس تھے جو اک ڈنر پارٹی میں شائستہ فیروز کو دیکھ کر اپنا آپ بھول گئے تھے۔ دو سال کا دھواں دار عشق ان کی شادی پر جا کر رکا۔ اور آج وہی انکل عباس کہتے تھے۔

انہیں لائبہ فہیم کی سیاہ آنکھوں نے لوٹ لیا۔

"کیا محبت دوبارہ ہو سکتی ہے۔" اس سوال سے قبل اسے اس سوال کا جواب ڈھونڈنا تھا۔

"کیا محبت مر سکتی ہے۔ تین سال کے عرصے میں اپنا وجود کھو دینے والے جذبے کو محبت کہا جا سکتا ہے۔"

اور نجانے کیوں اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اسی حلیے میں "عباس ولا" پہنچ گئی۔

"آؤ ہنی! تم یہاں کیسے؟" شائستہ کی مسکارا سے بوجھل پلکوں کے نیچے براؤن آنکھوں میں تحیر سا جاگا۔ دوسرے پل وہ تحیر طنز میں بدل گیا۔

"تمہیں تو اس وقت اپنے انکل کی شادی کا فنکشن اٹینڈ کرنا چاہیے تھا۔" اس نے لپ اسٹک کے لباس سے ہم رنگ شیڈ چیک کرنے شروع کر دیے۔

وہ ششدر سی کھڑی اس عورت کو دیکھتی رہی' جس سے اپنے ذہن میں امڈ آنے والے سوالوں کا جواب لینے آئی تھی۔ سرخ سیلولیس میکسی میں بھرپور میک اپ کو وہ فائنل ٹچ دے رہی تھی۔ ہم رنگ لپ اسٹک سے اس کے گداز بھرے بھرے ہونٹ دہکنے لگے تھے' وہ اب بھی قیامت تھی۔

بالوں سے رولر اتارتے ہوئے اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنے عقب میں کھڑی ساکت و صامت اور گم صم سی لڑکی کو دیکھا۔

"میں اب بھی سمجھ نہیں پائی ہوں کہ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" اریج نے چاہا' وہ اپنے ذہن میں ابھرتے سوالوں میں سے کوئی ایک سوال اس کے سامنے رکھے۔

کوئی ایک گرہ تو کھلے۔

کوئی ایک الجھن تو سلجھ جائے۔

مگر اس کے سارے سوال پرندوں کی طرح اڑ گئے۔ بس خالی آسمان تھا اور باقی رہ جانے والی پھڑپھڑاہٹ۔

"وہ بڈھا سمجھتا ہے شائستہ اس کے بغیر مر جائے گی۔ ہونہہ۔۔۔ مائی فٹ۔۔۔ ہزاروں مرد آج بھی میرے طلب گار ہیں۔ میں دکھا دوں گی اسے۔"

وہ ہیر برش سے بال سنوار کر کھڑی ہو گئی۔ ذرا سا لہرا کر اس نے اپنے قیامت ڈھاتے حسن کو آئینے میں دیکھا اور تفاخر سے مسکرائی۔

"کیوں ڈارلنگ! میں کچھ غلط کہہ رہی ہوں۔"

"آپ۔۔۔ آپ تو محبت کرتی تھیں ان سے۔" وہ بمشکل کہہ پائی شائستہ کا نقرئی قہقہہ بیڈ روم کی خاموش فضا میں بکھر گیا۔

"کرتی تھی میری جان! مگر اب لگتا ہے' وہ صرف میری حماقت تھی۔ جلد بازی میں کیے جانے والے فیصلے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس شخص نے مجھے کریڈٹ کارڈ کی طرح استعمال کیا۔ میں نے بھی اسے ٹشو پیپر کی طرح ڈسٹ بن میں نہ پھینکا تو میرا نام شائستہ نہیں۔"

تلخ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اپنا چھوٹا سا پرس اٹھایا۔ تب ہی ملازمہ دستک دے کر آئی۔

"بیگم صاحبہ! جواد آپ کا گاڑی میں انتظار کر رہے ہیں۔"

"آتی ہوں۔" اس نے پلٹ کر ایک بار پھر تنقیدی نگاہوں سے اپنا جائزہ لیا۔ پھر اریج کی طرف پلٹی۔

"سوری ڈیر مجھے جانا ہو گا۔"

"میں بھی چلتی ہوں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"اریج ڈیر!" شائستہ نے آہستگی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"ہمارے طبقے کا مرد محبت نہیں کرتا۔ وہ محبت کر ہی نہیں سکتا۔ یہ صرف ضرورت کے رشتے ہیں' تم یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا لیکن۔۔۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔

"تیمور اچھا لڑکا ہے اور مختلف بھی۔" شائستہ نے اس کا گال تھپتھپایا۔ اور گڈ بائے کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

وہ خاموشی سے کھڑی سوچتی رہی' شائستہ نے تیمور کا ذکر کیوں کیا۔ سست روی سے چلتی ہوئی وہ گاڑی تک چلی آئی۔

"لیکن میں نے تیمور کے بارے میں ایسا کبھی نہیں سوچا۔" دروازہ کھولتے ہوئے وہ زیر لب بڑبڑائی۔
"تو کیا تیمور۔" اس کا ذہن عجیب سی سوچوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔
بہت دیر تک تاریک سڑکوں پر گاڑی دوڑانے کے بعد بھی اس کا دل گھر جانے کا نہ چاہا تو وہ جمشید کی طرف آگئی۔ گیٹ چوکیدار نے کھولا۔ جمشید اپنے چھوٹے سے خوبصورت لان میں تنہا بیٹھا تھا۔ اس کا وائلن بے حد خاموش سا گھاس پر پڑا تھا۔ اس کے گرد پھیلی اشیاء بتاتی تھیں وہ سب کچھ لمحے قبل یہیں تھے۔
"ہائے جم!" اپنے سامنے رکھے خالی گلاس کو بھرتے ہوئے جمشید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور مسکرایا۔
"ہائے اریج! تم تو دوستوں کو بھول ہی گئی تھیں۔"
"ایسی تو کوئی بات نہیں... کہاں گئے سب لوگ۔"
"ہارون اور جنون کا کنسرٹ ہے۔"
"اوہ... مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔" اس نے نجانے کیوں شکوہ کیا۔ جمشید نے سر اٹھا کر بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ جمشید نے بھی کچھ نہیں کہا۔
"کچھ لوگی۔" بہت دیر کے بعد جمشید نے پوچھا۔
"نہیں۔"
"تیمور کیسا ہے؟"
"مجھے کیا معلوم؟" وہ چڑ کر بولی۔
"کیا ہوا؟" اس کا مزاج عجیب تو تھا۔ مگر آج بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔
"میں تیمور کی سیکریٹری نہیں ہوں۔" وہ بگڑ کر بولی۔
"ہی از یور بیسٹ فرینڈ۔"
"جسٹ ایز یو جم۔"
جمشید کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "وہ تمہاری بہت کیئر کرتا ہے اریج۔"
"سو واٹ... تم نہیں کرتے۔"
جمشید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔
"تم نے کسی سے محبت کی ہے اریج۔" اس نے ایک دم پوچھا اور محبت کا جو روپ وہ ابھی دیکھ کر آئی تھی، اس کا دل چاہا دل کھول کر قہقہہ لگائے۔ مگر وہ بند لبوں سے اسے دیکھتی رہی۔ شاید محبت کی اتنی توہین گوارا نہ تھی۔
"مجھے محبت ہو گئی ہے اریج۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ اریج ساکت رہ گئی، پلکیں

بھی نہ جھپک سکی۔ حالانکہ وہ پوچھنا چاہتی تھی۔
"چھ ماہ قبل تمہیں سنہری بالوں والی لینا سے بھی محبت ہوئی تھی۔"
"مجھے رباب سے محبت ہو گئی ہے اریج۔"
نجانے کیوں اریج کو لگتا تھا، یہ وائلن نواز ایک سچا عاشق ضرور ہو گا، مگر شاید وہ سارے اندازے باندھتی ہی اسی لیے تھی کہ وہ غلط ثابت ہوں۔

وہ کب سے لیمونیڈ کا گلاس ہاتھ میں لیے وسیع و عریض لان میں برستے چھاجوں چھاج ساون کو دیکھ رہی تھی۔ سیاہ کولتار کی سڑک پر بارش آزادانہ ہوا کی پائل باندھے محو رقص تھی۔ یہاں اس کی تنہائی میں مخل ہونے والا کوئی نہ تھا۔
اسے بارش کی بوندوں میں اداسی ٹپکتی سنائی دی۔
تیز ہوا ناراض ہو کر پھولوں سے الجھنے اور ان کے پیراہن بکھیرنے لگی۔
ساون میں سرما کی جھڑی جیسی اداسی، تنہائی اور بیزاری نہیں ہوتی۔ وہ تو امید بھرا انتظار ہے۔
خوشی کا دوسرا رنگ۔
جلتی بلتی زمین کا قرار۔
بے زار اور تھکے، تپتے ذہنوں کا سکون۔
ساون کی تیز بارش میں کہیں دور بسنے والے محبوب کا انتظار نہ ہو تو ساون بے کار۔
اس کی تیز بوچھار میں کسی کنواری کے گلابی بدن کا رنگ نہ گھلے تو ساون بے رنگ۔
سکھیوں کی چنچل ہنسی، آم اور جامن پر پڑے جھولے نہ ہوں تو ساون پھیکا۔
پیڑوں کی گیلی شاخیں اوڑھ کر کوئی کوئل کسی کے من میں ہوک نہ جگائے تو ساون اداس۔
اس نے باہر برستی بے رنگ، پھیکی اور اداس بارش کو دیکھا۔
ساون میں تو بانٹ لینے کی خو ہے۔ شیئر کرنے کی کیفیت۔ وہ زمین سے اس کی تپش بانٹ لیتا ہے۔ محب سے محبوب کا انتظار۔
کسی کی آنکھ جو اداس ہے تو وہ اس آنکھ میں نمی بن کر پھیل جائے گا۔
کوئی ترس رہا ہے تو کھل کر برس جائے گا۔
اریج کا دل چاہا وہ باہر نکل جائے۔
ہنسے گائے، شور کرے۔
اس کی اداسی ساون کی ساری اداسی بانٹ لے۔

اس کا دل لانگ ڈرائیو پر نکل جانے کو چاہ رہا تھا۔
مگر ساری خواہشیں پوری ہونے کے لیے تو نہیں ہوتیں۔ مما نے سختی سے منع کیا تھا۔
"کاش تم کہیں اور برس جاتے۔"
اسے بارش کی ناقدری کا دکھ سا ہوا۔
بچپن میں جب سرمئی بادل کھل کر برستے تو بارش میں بھیگنے کی ہوک اسے لان کی طرف کھینچنے لگتی۔ مالی کی بیوی چولہے پر کڑاہی چڑھائے چھوٹے چھوٹے پکوڑے تلنے لگتی۔ اس کے ہر سائز کے چھوٹے بڑے بچے بارش میں چھپا چھپ ادھر سے ادھر بھاگتے۔ اور وہ بھی سب سے نظر بچا کر وہیں نکل آتی۔ چولہے کے پاس پھسکڑا مار کر پکوڑے کھانے' مگر وہ خوشی بس لمحاتی ہوتی۔ اسے ڈھونڈنے سارے گھر میں ملازم دوڑ پڑتے۔ اور روزی کسی جن کی طرح کوارٹر کے برآمدے میں نمودار ہوتی۔
کبھی جو مما موجود ہوتیں تو اپنا سر پیٹ لیتیں۔
"کیا ملتا ہے تمہیں ان جاہل' ان پڑھ اور گندے لوگوں میں بیٹھ کر۔"
اور وہ اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اسے گندے لوگوں میں بیٹھ کر کیا ملتا ہے۔
"سارے کپڑے بھگو لیے ہیں اگر بیمار ہو گئیں تو۔۔۔ روزی چینج کراؤ اس کو۔" وہ چیخ کر کہتیں۔ پھر زیر لب بڑبڑاتیں۔
"کیسا عجیب مزاج ہے اس لڑکی کا۔۔۔ شاید میں نے ہی غلطی کی۔" نجانے انہوں نے کون سی غلطی کی تھی۔ اس کے اندر تو ایک ہی سوال مچلتا رہتا' جواب بھی یونہی اس کے لبوں تک آ گیا تھا۔

"ساون میں نہا کر بھی کوئی بیمار ہوتا ہے ممی۔" دوسرے پل اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ ممی نے اسے بری طرح گھورا۔
وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھی۔ ورنہ خبر تو ہوتی کہ کمرے کا ماحول کب تبدیل ہو گیا۔ خوش گپیوں میں مصروف افراد کے تیور کیوں بدلے۔ اول تو ان کا اکٹھے ہونا ہی حیران کن تھا۔ عامر بے حد سنجیدہ تھا۔ فارینہ بے حد خفا اور مما بے حد خوش' فارینہ کو کچھ سمجھاتی ہوئی۔
"لیکن یہ سب بہت جلد ہو رہا ہے۔ میں اس کے لیے مینٹلی تیار نہیں ہوں۔" تنک چڑھی فارینہ اس وقت پریشان اور بوکھلائی ہوئی تھی۔
"نو ماہ ٹھیک ٹھاک عرصہ ہوتا ہے۔ خود کو تیار کر لو۔" مما کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔
"مگر ابھی ہمیں ورلڈ ٹور پر نکلنا تھا۔" اس نے مدد طلب نگاہوں سے عامر کی سمت دیکھا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔
"بعد میں اس قابل رہ جاؤں گی۔" وہ تنک کر بولی۔
"تمہیں کچھ نہیں کرنا فارینہ۔" مما نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ابھی مجھے کچھ نہیں کرنا۔" فارینہ طنزیہ انداز میں کہہ کر اپنا ہاتھ چھڑا کر کھڑی ہو گئی۔
"میں خود ڈاکٹر زویا سے بات کروں گی۔"
"تمہیں کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے فارینہ۔" ممی کا لہجہ بے حد سخت تھا۔ فارینہ نے عامر کو دیکھا اور پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ عامر اس کے پیچھے لپکا تھا۔ مگر مما کی آواز پر رک گیا۔ وہ تحکمانہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
"مجھے یہ بچہ چاہیے عامر! اس لیے تمہیں اور فارینہ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"جی ممی!" وہ آہستگی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔
"بچہ۔۔۔" اریج بری طرح چونکی۔ پھر ممی کی طرف پلٹی۔
"ممی! کس بچے کی بات کر رہی ہیں آپ؟" ممی نے مسکرا کر کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں اور اطمینان بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔
"شی از پریگنینٹ۔"
"رئیلی ممی!" وہ جوش میں ان کے قریب آ بیٹھی۔ "دیٹس گریٹ" اسے واقعی بے حد خوشی ہوئی تھی۔
"فارینہ تیار نہیں ہے۔ جھنجھٹ کہتی ہے احمق۔۔۔ اسے ابھی اندازہ ہی نہیں کہ ماں بننا کیا ہے؟"
"تو کیا وہ۔۔۔"
"خیر' یہ تو میں ہونے نہیں دوں گی۔ یہ بچہ اس دنیا میں ضرور آئے گا۔" وہ مصمم لہجے میں گویا ہوئیں۔
"ممی! آپ گرینڈ مدر بن جائیں گی۔ اتنی جلدی۔" وہ جانتی تھی ممی اپنی عمر کے بارے میں کتنی کونشس ہیں۔
"کوئی بات نہیں' مجھے اچھا لگے گا۔"
اریج نے حیرت سے اسے دیکھا۔ میک اپ سے مبرا دھلا دھلایا چہرہ' چہرے کے نقوش میں اک مانوس نرمی کا سا تاثر۔
اسے پہلی بار سامنے بیٹھی عورت ماں لگی۔
"اور تم نے کیا سوچا ہے اریج۔" وہ بہت دیر تک یونہی انہیں دیکھتی رہتی' اگر ممی بول نہ اٹھتیں۔
"کس بارے میں؟" وہ پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔
"شادی کے بارے میں' عامر تم سے چھوٹا تھا مگر اس نے شادی کر لی' اپنے پپا کا بزنس بھی سنبھال لیا اور تم وہیں کی وہیں ہو اریج۔" ممی نے بہت سالوں سے اسے اس کے حال پر چھوڑ رکھا تھا' آج پھر گھیر کر بیٹھ گئیں۔
"میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ممی!" وہ کیوٹکس کھرچنے لگی۔
"تو فیصلہ کیوں نہیں کر لیتیں' کتنے لوگ تم میں انٹرسٹڈ تھے مگر تمہاری بے اعتنائی و بے رخی کی وجہ سے سب ہاتھ سے نکل گئے۔ آخر تم چاہتی کیا ہو۔ یونیورسٹی تم نے چھوڑ رکھی ہے کہ موڈ نہیں' آفس تم نہیں

جاتیں کہ بزنس تمہارا مزاج نہیں اور کچھ نہیں تو شادی ہی کرلو۔"

"شادی ضروری ہے ممی؟" وہ بے زار سی ہوگئی۔

"بہت ضروری ہے اور اس بات کا ادراک تمہیں تب ہوگا جب میں نہیں رہوں گی۔" ممی زور دے کر بولیں۔

"ممی پلیز! نو اموشنل بلیک میلنگ۔"

"اریج مائی لو۔" انہوں نے محبت سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"تمہارے پپا کے بعد ان کا بزنس میں نے سنبھالا تھا' ورنہ سب برباد ہوجاتا۔ میں چاہتی تو شادی بھی کرسکتی تھی مگر نہیں کی..... صرف تم دونوں کی خاطر۔ اب سارا بزنس عامر کے ہاتھ میں ہے۔ بزنس کی تمہیں کوئی شدبد نہیں' ایجوکیشن تم نے کمپلیٹ نہیں کی' شادی تم کرنا نہیں چاہتیں' آخر میں تمہاری سیکورٹی کے لیے کیا کروں۔ یہ فارینہ تمہیں ہر چیز سے بے دخل کردے گی۔"

"ممی! عامر میرا بھائی ہے۔" اس کے لہجے میں رشتوں کا مان بول رہا تھا۔ ممی نے مضمحل سا مسکرا کر ہاتھ ہٹا لیے۔

"تم بہت انوسینٹ ہو اریج! اسی لیے میں چاہتی ہوں تم شادی کرلو۔" وہ خاموش ہی رہی۔

"تیمور کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

"اچھا ہے لیکن....."

"لیکن....." ممی نے اس کی بات قطع کی۔ "اریج! تم کس قسم کے آئیڈیلزم کا شکار ہو۔ یہ آئیڈیل کچھ نہیں ہوتے۔ باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور....."

"تو دوغلے لوگوں کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جائے ممی؟" اس نے سر اٹھا کر سوال کیا۔

"اعتبار تو کرنا پڑتا ہے جانو۔"

اور وہ یہی سوچتے ہوئے اٹھ گئی تھی کہ "اعتبار ہی تو نہیں آتا۔"

❖ ❖ ❖ ❖

"میں آج بہت خوش ہوں تیمور!"

خوشی نیلگوں آنکھوں میں ننھی بچی کی طرح کھیل رہی تھی۔ تیمور نے اس کے گلابی لبوں پر کھلتی مسکان کو دیکھا تو مسکرا دیا۔ آج پھر بہت سے مصروف لمحوں میں سے چند لمحے خاص اس لڑکی کے لیے نکال کر لایا تھا۔

"لنچ پر چلیں۔" تیمور نے کہا تو وہ جوان دنوں اس سے چڑی ہوئی تھی' اس وقت اتنی خوش تھی کہ فوراً اس کے ساتھ چل دی۔ اپنے غموں کے ساتھ ساتھ خوشی بھی تیمور کے ساتھ شیئر کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی اسے۔

"خوشی کا سبب جان سکتا ہوں میں۔"

"میں پھپھو بننے والی ہوں۔"

"اوہ یہ تو اچھی خبر ہے۔" اس نے ویٹر کو اشارہ کیا اور اس سے کھانے کا پوچھنے لگا۔

"ایزیو وش....." اریج نے آرام سے کہہ دیا۔ اسے بالکل اندازہ نہیں ہوا کہ تیمور نے ہر ڈش اسی کی پسند کی منگوائی تھی۔

"مگر یہ خوشی تو فارینہ اور عامر کی ہے۔"

"کیوں..... میرا اس سے کوئی تعلق نہیں؟" وہ خفا سی ہوئی۔

"کب تک دوسروں کی خوشی میں خوش ہوگی۔ تم اپنے لیے کوئی فیصلہ کیوں نہیں کرلیتیں۔" تیمور نے اچانک کہا تھا۔ وہ ایک پل کو گڑبڑا سی گئی پھر سنبھل کر بولی۔

"مجھے اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔"

"آج سے دس سال کے بعد بھی نہیں۔" اریج ہنس دی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے' آج سے دس سال بعد تم یہاں بیٹھے مجھ سے یہ سوال کررہے ہوگے۔"

"ہو بھی تو سکتا ہے۔" اس نے ٹٹولتی نگاہوں سے اریج کو دیکھا۔

"محبتوں میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔"

"نہیں تیمور!" وہ سنجیدہ ہوگئی۔ "ہمارے طبقے کے مردوں کی محبت میں گنجائش ہی تو نہیں ہوتی۔ نیلی آنکھوں کے بعد کالی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔ دو سال بھی نہیں لگتے محبت دم توڑ دیتی ہے۔"

"اتنی بے اعتنائی کہاں سے آگئی ہے تمہارے اندر۔"

وہ خاموشی سے ویٹر کو سرو کرتے دیکھتی رہی۔ ویٹر گیا تو مسکرا کر بات بدل گئی۔

"پتا ہے تیمور! جب ممی نے یہ خبر سنائی کہ میں پھپھو بننے والی ہوں تو مجھے لگا' خدا ابھی ہم لوگوں سے مایوس نہیں ہوا۔ فارینہ جو بھی کہے لیکن وہ میرے لیے بہت اہم ہوگا۔ مجھے تو ابھی سے اس کا بہت انتظار ہے۔" وہ کھانے کے دوران مسلسل اپنی خوشی کا اظہار کررہی تھی۔

تیمور خاموش ہوگیا۔

تب ہی انہوں نے رباب اور جمشید کو دیکھا۔ وہ انہیں دیکھے بنا دوسرے کونے میں چلے گئے تھے۔

"رباب اور جمشید اب ہمیشہ ساتھ نظر آتے ہیں۔" تیمور نے یونہی تبصرہ کیا۔

"ہاں جم کو رباب سے محبت ہوگئی ہے۔" وہ ہنس دی۔ بے حد طنزیہ ہنسی تھی پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"تیمور! لوگوں کو اتنی بار محبت کیسے ہوجاتی ہے۔"

"مجھے اگر معلوم ہوتا کہ میرا واسطہ اریج عثمان سے پڑنے والا ہے تو میں بزنس میں ڈگری لینے کے بجائے محبت میں پی ایچ ڈی کرلیتا۔" وہ بے چارگی سے گویا ہوا تو اریج کھلکھلا کر ہنس دی۔

"سوری تیمور! میں ہمیشہ تمہیں یونہی بور کردیتی ہوں۔"

تیمور نے قدرے غور سے اسے دیکھا۔ وائٹ جینز اور پنک ٹی شرٹ میں وہ ہمیشہ سے زیادہ فریش لگ رہی تھی' وہ مسکرایا۔

"تمہارے ساتھ میں کبھی بور نہیں ہوتا۔" اریج مسکرا کر پلیٹ پر جھک گئی۔

گرمیوں کے لمبے' بے کیف سے دن تھے۔ رباب اور جمشید کا افیئر زوروں پر تھا۔ فواد ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر چلا گیا۔ تیمور اپنا ذاتی بزنس اسٹیبلش کرنے میں مصروف تھا۔ پھر بھی ہر دوسرے دن وقت نکال کر اس سے ملنے چلا آتا۔ ممی اور عامر بزنس میں مگن تھے اور فارینہ بے حد چڑچڑی اور بدمزاج ہوگئی تھی۔ اپنی ذرا بھی کیئر نہیں کرتی تھی۔ جیسے جیسے وقت قریب آرہا تھا' وہ کچھ اور لاپروا ہوئی جارہی تھی۔

اے سی کی کولنگ میں بھی اسے گرمی لگتی' ہلکے ہلکے کپڑوں کے لمبے لمبے گاؤن پہن کر اپنے کمرے میں گھسی اپنی فرینڈز کے سامنے ممی کو گولیاں دیتی رہتی۔

اک وہ تھی کہ "عدن" کے استقبال کی تیاریوں میں مگن تھی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ کس خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا تھا۔ ہر خوبصورت اور قیمتی چیز خرید کر اس نے کمرہ بھر دیا تھا۔ ممی اس کے جنون پر مسکراتیں اور فارینہ مزید بے زار ہوجاتی۔ نجانے کیوں اسے آنے والے بچے سے چڑ تھی۔ اس کے بے ڈھنگے پھیلے ہوئے وجود کو دیکھ کر عامر کو اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

انہی دنوں جب سب بے حد مصروف تھے' اسے نعمان مل گیا۔ اس کا یونیورسٹی فیلو' اسے ابھی تک جاب نہیں ملی تھی تو اس شاعر صفت انسان نے اک فلاور شاپ کھول لی۔ باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ سابقہ سیلز گرل جاب چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

"نعمان! میں کیوں نہ کام کرلوں اس کی جگہ۔" وہ ایک دم بولی تو نعمان سر تھام کر رہ گیا۔

"ہر اوٹ پٹانگ کام تمہیں کیوں اچھا لگتا ہے اریج بی بی۔"

"کیا ہرج ہے۔"

"اریج عثمان اب پھول بیچیں گی۔ کچھ ہوش کی دوا لیں محترمہ! آپ کا تو پتا نہیں لیکن اگر آپ کی ممی کو پتا چل گیا تو وہ مجھے میری دکان سمیت دریا برد کردیں گی۔"

"کچھ بھی نہیں ہوگا' وہ اتنی مصروف ہیں کہ انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔" وہ ہر صورت یہ تجربہ کرنا چاہتی تھی۔

"تم اپنے آفس میں کوئی اپنے مطلب کی جاب کیوں نہیں ڈھونڈ لیتیں۔" وہ جھنجلایا تو اریج خفا ہوگئی۔

"اچھا بابا..... جیسے تمہاری مرضی لیکن دیکھو میں زیادہ پے نہیں کرسکوں گا۔" نعمان مجبور ہو کر بولا تھا۔

"تم کچھ بھی مت دینا۔" وہ خوش ہوگئی اور پھر ایک مصروفیت ہاتھ آگئی۔

حالانکہ اگر ممی یا عامر کو پتا چل جاتا تو وہ اس کا وہ حشر کرتے کہ وہ یاد ہی کرتی۔ انہی دنوں شاپ پر وہ نوجوان آیا۔ وہ سادہ خاموش نوجوان اک ادھ کھلا گلاب خریدتا اور وہیں دروازے کے باہر چھوڑ کر چلا جاتا تھا۔

پہلے دن نعمان اندر آیا تو اس کے ہاتھ میں لمبی ڈنڈی والا گلاب تھا۔

"یہ باہر گرا تھا۔"

"یہ تو۔" اس نے حیرت سے گلاس ڈور سے باہر سنسان سڑک پر نگاہ دوڑائی پھر خاموش ہوگئی۔ اور پھر یہ معمول سا بن گیا۔

اس نے ایک دن حیران ہو کر نعمان سے پوچھا۔

"اگر اسے پھول یہیں چھوڑ کر جانا ہوتا ہے تو خریدتا کیوں ہے وہ؟" تو وہ کندھے اچکا کر آرام سے کہنے لگا۔

"ایک سے بڑھ کر ایک خبطی اس دنیا میں موجود ہے' ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔"

مگر وہ رہ نہ پائی تو ایک دن پوچھ ہی بیٹھی۔

اور اس کا جواب.....

وہ بس حیرت سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

اور اسی شام تیمور کے ساتھ آئس کریم کھاتے ہوئے اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"ایسا نہیں لگتا تیمور! مڈل کلاس کا مرد خالص محبت کرسکتا ہے۔"

گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے تیمور نے گردن موڑ کر اسے دیکھا جو گاڑی کے بونٹ پر چڑھی' ٹانگ پر ٹانگ رکھے لاپروائی سے کون کھا رہی تھی' اس کے کھلے بال ہوا کی شرارت سے بکھرے جارہے تھے۔

"آخر وہ کون سا جذبہ ہے جو مجھے اس لڑکی کی ہر ناپسندیدہ بات بھی برداشت کرنے پر مجبور کردیتا ہے۔ یہ ہمدردی' مروت یا مجبوری نہیں تو پھر کیا یہ محبت نہیں ہے؟ اگر ہے تو اسے اس کا احساس کیوں نہیں ہوتا۔ محبت اس کے سامنے مسکراتی ہے اور وہ اسے یہاں وہاں تلاشتی پھر رہی ہے۔"

مگر تیمور آفندی کو بھی ضد سی ہو چلی تھی۔ وہ بتائے گا نہیں' اسے خود کھوجنا ہوگا۔

"اسے..... میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"تم فلاور شاپ پر کیا کررہی ہو؟"

یہ اس کی بات کا جواب نہیں تھا مگر وہ سٹپٹا گئی۔

ساری دنیا بے خبر ہو سکتی ہے مگر یہ تیمور آفندی۔
مگر وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولی تھی۔
"یونہی جسٹ فار انجوائے منٹ..... کچھ دنوں میں چھوڑ دوں گی۔ مگر وہ میرا سوال....." اس نے فوراً بات بدلی۔
"کیا دے سکتا ہے یہ مڈل کلاس مرد ایک عورت کو۔ محدود سوچ' محدود ذہن' مسائل کا انبار' ہر روز بگڑتا بجٹ' تنگ نظری اور بچوں کی لائن۔"
"اس کے باوجود تیمور مجھے لگتا ہے وہ ایک دوسرے سے وفا کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس اب بھی وقت ہے۔" اریج اب بھی وہیں اٹکی تھی۔
"مجبوراً" ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہنا وفا نہیں ہے اریج! وفا تو یہ ہے کہ سارے راستے کھلے ہوں اور انسان پھر بھی کہیں نہ جا سکے۔ محبت پہلے لمحے میں اپنی تکمیل کر لیتی ہے اریج! اس کے لیے لمبے چوڑے وقت کی بھی ضرورت نہیں۔" تیمور کا لہجہ سنجیدہ و خوبصورت تھا۔ اریج ایک پل کو تھم سی گئی۔
"پھر بھی تیمور....." اس کے ذہن میں وہ اجنبی نوجوان اٹکا تھا۔
تیمور نے مڑ کر دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں گاڑی پر ٹکائے اور براہ راست ان نیلی جھیلوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔
"محبت کسی طبقے کی میراث نہیں اریج عثمان! محبت کرنے کے لیے ایک خالص سچا اور کھرا دل چاہیے ہوتا ہے جو کسی کے پاس بھی ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ کوئی مل اونر ہو یا اسکول ماسٹر۔"
اریج اس کا ایک لفظ بھی نہ سن پائی تھی' بس اک مدھم گمبھیر مگر مضبوط لہجہ تھا۔ وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ اس کے وجود سے پھوٹتی خوشبو نے اریج کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی ہتھیلیوں پر پسینہ سا اتر آیا۔
تیمور نے اس کے چہرے کے گلابی پن اور لبوں کے کنارے اتری ہلکی سی کپکپاہٹ کو دیکھا تو مبہم سا مسکرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ گاڑی کے اوپر سے اپنے گلاسز اٹھاتے ہوئے نارمل سے لہجے میں گویا ہوا۔
"چلو تمہیں کسی سے ملواتا ہوں۔"
وہ خاموشی سے گاڑی میں آ بیٹھی۔ وہ ابھی تک متحیر تھی۔ کئی بار ڈانس پارٹی میں جمشید اور فواد کے ساتھ اس نے رقص کیا تھا مگر کسی کی قربت اس کے اندر جمی برف کو پگھلا نہ سکی تھی مگر یہ تیمور.....
اس نے چاہنے کے باوجود نظروں کا زاویہ بدل کر تیمور کی سمت نہ دیکھا۔ بس خاموشی سے سامنے نظریں جمائے بیٹھی رہی۔
گاڑی اک خوبصورت اور شاندار بنگلے کے پورچ میں رکی تو ایک گرم دن کی نسبتاً" خوش گوار شام خوبصورت لان میں اتر رہی تھی۔
"یہ کہاں لے آئے ہو تیمور.....؟"

"آؤ تو ابھی ملواتا ہوں۔"
لان میں جوس پیتے دونوں افراد خوش گوار سی مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کو کھڑے ہو گئے۔
"زہے نصیب۔ آج تیمور صاحب کہاں سے رستہ بھول پڑے۔" مرد کی آواز اس کی شخصیت کی طرح بھرپور اور جاندار تھی جبکہ عورت بے حد نازک' خوبصورت اور کومل سی تھی پھر اس کے لبوں پر کھلتی بھرپور مسکراہٹ۔
"بھئی آج سنڈے تھا' مجھے لگا بھابھی نے اپنے ہاتھوں سے کچھ اہتمام کیا ہو گا۔" تیمور نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اہتمام تو نہیں مگر تمہارے طفیل ہمیں بھی کچھ نصیب ہو جائے گا۔" وہ ہنس دیے۔
"اریج! یہ ظہیر بھائی ہیں' میں جو اپنا ماربل کا بزنس اسٹارٹ کر رہا ہوں' اس میں یہی میرے پارٹنر ہیں اور یہ ان کی وائف ڈاکٹر تابندہ ظہیر ہیں۔"
"اور یہ کیا ہوا بہار کی ہیں۔" اریج کا تعارف نہ کروانے پر ظہیر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔
"اوہ سوری' یہ اریج ہیں۔" تیمور نے تعارف کروایا۔
"خاصا مبہم سا تعارف ہے۔ بہرحال کیسی ہو اریج؟" ڈاکٹر تابندہ نے مسکرا کر پوچھا تھا۔
"آئی ایم فائن۔" وہ کہہ کر تیمور کو دیکھنے لگی۔ نجانے وہ اسے یہاں کیوں لایا تھا۔ وہ اور ظہیر باتوں میں مگن ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر تابندہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"آؤ ہم کچن میں چلتے ہیں۔"
اریج کو یاد نہیں اس نے آخری بار اپنے گھر کا کچن کب دیکھا تھا اور اب تابندہ نے کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کرتے خانساماں کو مارکیٹ کچھ چیزوں کی لسٹ دے کر بھیج دیا اور خود فریزر کھول کر اندر سے چیزیں نکالنے لگیں۔
"کیا کرتی ہو تم؟"
وہ جو سجے سجائے کچن کا جائزہ لینے میں مصروف تھی' چونک گئی۔
"کچھ بھی نہیں۔"
"تیمور تمہارا کزن ہے۔"
"نہیں فرینڈ۔"
"جسٹ فرینڈ۔" وہ مسکرا کر پوچھنے لگیں۔ اریج متذبذب سی انہیں دیکھنے لگی' آخر اس سوال کا کیا جواب دے۔ وہ بھی گویا اس کا تذبذب بھانپ گئیں۔ تب ہی مڑ کر برنر جلانے لگیں۔
"آپ خود ہی کوکنگ کریں گی۔"
"عام طور پر تو وقت ہی نہیں ملتا۔ صبح ہسپتال' شام میں کلینک پھر ظہیر بھی بہت مصروف ہوتے ہیں۔ بس کبھی کبھار ہی مل بیٹھنے کا موقع ملتا ہے' اس لیے ظہیر گھر پر ہوں تو میں ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے کچھ

نہ کچھ ضرور بناتی ہوں۔ ویسے میں اچھی کوکنگ کرلیتی ہوں۔ تیمور کو میرے ہاتھ کے کچے قیمے کے کباب بہت پسند ہیں' ابھی بھی وہی بنا رہی ہوں۔"

"آپ کے بچے؟" اس نے یونہی بات برائے بات کی لیکن ڈاکٹر تابندہ کا مسکراتا چہرہ تاریک ہوگیا۔

"ہمارے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔"

"اوہ۔۔۔ آئی ایم ساری۔" وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"اٹس اوکے' ہمیں تو دس سال ہوگئے اس حقیقت کو تسلیم کیے ہوئے۔" انہوں نے فرائنگ پین چولہے پر رکھ کر فریج سے کیک نکال کر ٹرالی میں رکھا۔

"دس سال۔۔۔ آپ کی شادی کو اتنا عرصہ ہوگیا ہے۔" اریج کو حیرت سی ہوئی۔ دیکھنے میں وہ خاصی ینگ نظر آتی تھیں۔

"ہاں اور شادی کے کچھ عرصے کے بعد ہی مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی۔"

"ظہیر بھائی کو بھی معلوم ہے۔"

"ظاہر ہے' میں ان سے چھپا تو نہیں سکتی تھی بلکہ اس کے بعد ہی انہوں نے میرا میڈیکل میں ایڈمیشن کروایا تھا تاکہ میں مصروف ہوجاؤں اور مجھے اس کے بارے میں سوچنے کا بھی وقت نہ ملے۔ حالانکہ جو کمی ہے وہ ہے اسے سوچنے کے لیے وقت نکالنے کی ضرورت تو نہیں پڑتی۔" ان کا لہجہ پھیکا سا تھا اور وہ بے حد متحیر سی سوچ رہی تھی۔ اس کے باوجود ظہیر نے اس عورت کے ساتھ دس سال گزار دیے۔

"میں نے بہت چاہا کہ ظہیر دوسری شادی کرلیں۔" تابندہ بتا رہی تھی۔

"میں بخوشی اجازت دینے کو تیار تھی مگر میری کوئی ضد' کوئی دلیل ان کی محبت کو ہرا نہ سکی۔ نجانے کیسی محبت ہے ان کی۔ وہ کہتے ہیں' تم اس کمی کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو تو میں کیوں نہیں۔ اگر خدا نے اولاد دینا ہوتی تو تم ہی سے دیتا۔"

تابندہ رول تلنے لگیں۔ وہ میز کی سطح پر نظریں جمائے نجانے کس سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

"میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی' تم بتاؤ کہیں انگیجڈ ہو۔۔۔" ڈاکٹر تابندہ نے بات بدلی۔

"نہیں۔۔۔" اریج نے مختصراً کہا پھر پوچھنے لگی۔

"آپ کوئی بچہ ایڈاپٹ کیوں نہیں کرلیتیں۔"

"ظہیر تو چاہتے ہیں مگر میں چاہتی ہوں کہ وہ دوسری شادی کرلیں۔ اپنی اولاد کی بات اور ہوتی ہے۔ دیکھیں ہم دونوں میں سے کس کی محبت جیتتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ! کچھ رحم کریں مہمانوں پر یا انہیں یونہی بھگانے کا ارادہ ہے۔" ظہیر کچن میں جھانک کر بولے۔

"بس میں ابھی لے کر آئی' دو منٹ۔"

باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ انہوں نے کباب اور رول ٹرالی میں سجائے۔

"آپ کے سسرال والے؟" اریج وہیں اٹکی تھی۔

"سارا زمانہ ایک طرف اور ظہیر کی محبت ایک طرف۔" ڈاکٹر تابندہ کے لہجے میں تفاخر سا امڈ آیا۔ "آؤ چائے پیتے ہیں۔"

وہ خاموش سی ان کے ساتھ باہر آگئی۔ تیمور نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی' وہ نظرانداز کرکے تابندہ کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔

واپسی پر تابندہ نے بہت اصرار کے ساتھ اسے دوبارہ آنے کا کہا تھا۔ تیمور نے اس کی طرف سے اگلے ویک اینڈ پر آنے کا وعدہ کرلیا۔

"کیسے لگے یہ لوگ تمہیں؟" واپسی پر تیمور نے پوچھا تھا۔

"ویری نائس۔۔۔" اس نے ایمانداری سے اعتراف کیا۔

"اگلے ویک اینڈ پر چلوگی۔"

"دیکھیں گے۔" وہ رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ وہ جانتی تھی تیمور اسے یہاں کیوں لایا تھا۔

❖ ❖ ❖ ❖

اگلی صبح اک نئی خبر اس کی منتظر تھی۔

رباب کو فواد نے پرپوز کیا تھا اور اس نے فواد کا پرپوزل قبول کرلیا تھا۔ جمشید بے حد ڈسٹرب تھا اور ہمیشہ کی طرح اس کے آنسو اریج ہی کو صاف کرنے تھے' اس نے فون کرکے نعمان سے معذرت کی اور جمشید کی طرف آگئی۔ جو اپنے بیڈروم میں حلیہ بگاڑے اپنے جلے ہوئے دل کو گرم گرم تلخ کافی سے کچھ اور جلا رہا تھا۔ اریج نے پردے ہٹا کر بیڈروم کے یاسیت زدہ ماحول کو بدلنے کی کوشش کی۔ سی ڈی پلیئر میں روتی دھوتی سی ڈی نکال کر اسپائسی گرل کا نیا البم لگا کر والیوم فل کردیا۔ پھر اس کے ہاتھ سے مگ چھینتے ہوئے بولی۔

"چلو آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔"

"تم میرا مذاق اڑانے آئی ہو۔" جمشید کی سرخ آنکھوں میں خفگی اتر آئی۔

"نہیں' تمہیں تسلی دینے کہ ٹھیک دو ماہ بعد تمہارا رستہ کوئی سنہری بالوں یا کالی آنکھوں والی روک لے گی تو تمہیں رباب یاد بھی نہیں آئے گی' اس لیے ڈرامہ مت کرو۔" اس نے کپ سائیڈ ٹیبل پر پٹخا۔

"تم اتنی سفاک کیوں ہوگئی ہو اریج! میں نے رباب سے واقعی محبت کی تھی۔"

"تمہیں ہر لڑکی سے واقعی محبت ہوجاتی ہے' اس تیسری سے بھی ہوجائے گی' اس لیے فوراً اٹھ جاؤ۔"

اس گرم شام انہوں نے آئس کریم کھائی کم پگھلائی زیادہ تھی۔ وہ بات بے بات اسی کا تذکرہ کر رہا تھا۔
واپسی پر جمشید نے وائلن پر اسے کئی خوبصورت دھنیں سنائیں۔ وہ گم سی ہو گئی' کتنا عرصہ ہو گیا اسے وہ خواب دوبارہ نہیں آیا تھا اور وہ دھن اس کے ذہن میں کچھ بھی نہیں آیا' بس اک احساس سا تھا۔
جمشید کا وائلن خاموش ہو گیا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی اور نجانے کیا سوچ کر اس نے رباب کو فون کیا تھا۔ وہ مسرور سی فواد کے پرپوزل کے بارے میں بتانے لگی۔
"لیکن رباب! تم تو جمشید سے محبت کرتی تھیں۔"
"ہاں کرتی تھی۔" وہ ہنس دی۔ "دراصل تب جمشید کہہ رہا تھا کہ اس کے ڈیڈی کے ساتھ اس کی صلح ہونے والی ہے لیکن اب پتا چلا کہ اس کے ڈیڈی اس سے اتنے تنگ آ گئے ہیں کہ اسے عاق کرنے والے ہیں پھر فواد کا پرپوزل آ گیا اور تمہیں تو پتا ہے یار اس کی فیملی کیا چیز ہے اور خود اس کا فیوچر کتنا برائٹ ہے۔ مما کا خیال ہے میرے لیے فواد ٹھیک رہے گا' وہ امریکہ سے آ جائے تب انگیجمنٹ ہو گی۔"
اریج نے گڈ بائے کہہ کر موبائل آف کر دیا اور سوچنے لگی۔
"فواد کے واپس آنے تک اگر رباب کو کوئی اور فواد سے بہتر مل گیا تو کیا وہ فواد کو بھی بھول جائے گی۔"
ان ہی سوچوں میں الجھتی وہ گھر پہنچی تو ملازم نے بتایا کہ عامر اور ممی فارینہ کو لے کر اسپتال گئے ہیں۔
"وہ تو صبح سے ہی چلے گئے تھے۔" وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر رہ گئی۔
آج سولہ اگست تھی اور ڈاکٹر نے فارینہ کو یہی ڈیٹ بتائی تھی۔ اس نے فارینہ کے لیے ڈھیر سارے پھول خریدے اور اسپتال آ گئی۔
ممی اور عامر ویٹنگ روم میں تھے۔
"ممی۔۔۔" وہ ان کے قریب جا رکی۔ ممی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر آہستگی سے گویا ہوئیں۔
"فارینہ کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔"
"اوہ گاڈ۔۔۔" اریج نے مضمحل سے عامر کو دیکھا پھر اس کے بالوں پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے تسلی آمیز انداز میں بولی تھی۔
"ڈونٹ وری عامر! سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
عامر نے یونہی اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر ادھر سے ادھر چکرانے لگا۔
"مگر ممی! ڈاکٹر تو کہتی تھیں کہ۔۔۔"
ممی اس کی بات سننے کے بجائے باہر آئیں۔ ڈاکٹر شفاء طارق کی طرف متوجہ ہو گئیں' وہ ان کے قریب آ کر رک گئیں۔
"آئی ایم ساری مسز عثمان! ہم بے بی کو نہیں بچا سکے۔ بیٹا تھا مگر مردہ۔"
اریج کو لگا ساری کائنات تھم گئی ہے۔

اس نے پل پل اس کا انتظار کیا تھا' اسے لگتا تھا یہ بچہ ان کے گھر کی فضا کو خوش گوار بنا دے گا۔
"یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔" اس کے ہاتھ سے پھول گر کر فرش پر بکھر گئے۔
"فارینہ ٹھیک ہے؟" عامر پوچھ رہا تھا۔
"یس شی از آل رائٹ۔۔۔"
وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ اس کی بے یقین نگاہوں نے سامنے کھڑے تینوں افراد کے مغموم و پریشان چہروں کو دیکھا اور بھاگتی ہوئی وہاں سے باہر نکل گئی۔

❖ ❖ ❖ ❖

"تم نے دیکھا۔۔۔ تم نے دیکھا تیمور۔۔۔ وہ اس دنیا کو دیکھے بغیر چلا گیا' اس نے ایک نظر بھی کسی کو دیکھنا گوارہ نہیں کیا۔ وہ یونہی روٹھ کر چلا گیا۔ وہ جانتا تھا یہاں کوئی اس کا منتظر نہیں' یہاں کسی کو اس کی ضرورت نہیں لیکن تیمور! میں نے اس کا انتظار کیا تھا۔ مجھے ضرورت تھی اس کی۔۔۔" اسے رونے کے لیے وہی کندھا ملا تھا۔
"سنبھالو خود کو اریج! فارینہ کو دیکھو' اس نے کتنی جلدی خود کو سنبھال لیا ہے۔"
"میں نے اس کا نام ہی غلط رکھا تھا۔ "عدن" جنت کا پھول۔" وہ جنت کا پھول تھا اس گھٹیا سی دنیا میں کیا کرنے آتا۔"
"چلو اریج! ڈاکٹر تابندہ کے ہاں چلتے ہیں۔" تیمور نے اسے بہلانا چاہا۔
"نہیں تیمور! پھر کبھی چلیں گے۔" وہ کھڑی ہو گئی۔
"اریج۔۔۔" تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔ "آؤ کہیں دور چلتے ہیں' بہت دور جہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی نہ ہو۔" اس نے پہلی بار کوئی فرمائش کی تھی۔
"کہاں زمین کے آخری کنارے تک یا سورج سے اپنا دکھ بانٹنے۔۔۔ ہم جہاں بھی گئے تیمور تنہا نہیں ہوں گے۔ اگر سورج نے بھی ہمارا دکھ نہ بانٹا تو کہاں جائیں گے۔"
تیمور نے اسے کھینچ کر واپس بٹھایا اور جھنجلا کر پوچھنے لگا۔
"کس قسم کی باتیں کرتی رہتی ہو تم' یہ سب فارغ دماغ کے کرشمے ہیں' بے مقصد جینے کے نقصانات۔ اریج عثمان! کل تم میرے ساتھ چلو میں تمہارے لیے کوئی جگہ نکال لوں گا۔ اگر تم زیادہ عرصہ یونہی فارغ رہیں تو بالکل پاگل ہو جاؤ گی۔"
"مجھے اس کی ضرورت نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔
"اریج! چلو کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس چلیں۔" تیمور نے بے حد محبت بھرے لہجے میں کہا تھا مگر وہ بھڑک اٹھی۔
"تمہارا خیال ہے کہ میں پاگل ہو گئی ہوں۔"

"سائیکاٹرسٹ کی ضرورت صرف پاگلوں کو نہیں ہوتی اریج! بعض اوقات ہمارے اندر بندھ جانے والی کوئی چھوٹی سی گرہ ہمارے لیے نفسیاتی پرابلم بن جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو....."

"فار گاڈ سیک تیمور! مجھے مت دو یہ لیکچر، مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے چڑ کر بات قطع کی۔

"اریج! مجھے کیا سمجھتی ہو تم؟" تیمور نے لب بھینچ کر سوال کیا۔ اچانک اسے لگا وہ اس لڑکی کے پیچھے خوامخواہ خوار ہو رہا ہے۔

"مجھے جانا ہے۔" وہ بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"میرے سوال کا جواب دو اریج!"

اریج نے اسے دیکھا اور بنا جواب دیے چلی گئی۔ تیمور لب بھینچے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

میں نے اسے دوسری بار ایک فلاور شاپ پر دیکھا۔ شیشے کے اس پار بے تحاشا پھولوں کی تازگی اور خوشبو کے درمیان گھری وہ اک خوبصورت تتلی لگ رہی تھی۔ مجھے لگا وہ رستہ بھول کر یہاں آ گئی ہے، پھر اس خوشبو نے کمند ڈال کر مجھے شاپ کے اندر دھکیل دیا۔

وہ اپنے کام میں مصروف تھی اور میں اسے مسحور سا دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا، اس سے پوچھوں۔

"اچھی لڑکی! تمہیں وہ خالص لمحہ ملا یا نہیں۔" تب ہی اس نے ذرا فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا تھا۔

"آپ کو کون سے پھول چاہئیں۔"

میں نظروں کا زاویہ بدل کر خوبصورت، شوخ و رنگ پھولوں کو دیکھنے لگا۔

"میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔" میری نگاہ کا پنچھی بھٹک کر اس کی گھنی پلکوں پر خیمہ زن ہوا۔

"آپ کو کس کے لیے پھول لینا ہیں۔" وہ متانت سے پوچھ رہی تھی۔

"رستہ بھول کر آئی اک انمول تتلی کے لیے، پھول جس کا گھر اور خوشبو جس کا پیراہن ہے۔" اک ہلکا سا تبسم نیلی جھیل پر نرم پھوار کی طرح برسا۔

"اپنی گرل فرینڈ کے لیے۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ لڑکی جس سے محبت کرتے ہیں؟"

"کسی کی عیادت کے لیے۔" میں نے بات بنائی۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

گلابی نرم ہونٹ کے کنارے چھپا تل اپنی چھب دکھانے لگا۔

میرا دل چاہا، میں ذرا سا جھکوں اور.....

"کسی کی عیادت کے لیے پھول لے جانے والے اتنا نہیں سوچتے۔"

تب ہی ایک شخص تیزی سے اندر داخل ہوا، ایک بوکے لیا اور چلا گیا۔

"یہ عیادت کے لیے آیا تھا۔" اس نے گویا جتایا تو میں ہنس دیا۔

"جو میں کہنا چاہتا ہوں، اس کا اظہار کرنے سے پھولوں کی زبان بھی قاصر ہے۔" اس نے پلٹ کر ادھ کھلے گلابوں کا گلدستہ اٹھایا۔

"کہتے ہیں پھول خاص طور پر سرخ گلاب محبت کی زبان سمجھتے اور سمجھاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے۔" وہ سمجھ جائے گی، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

کون کہتا ہے محبت کی زباں ہوتی ہے
یہ حقیقت تو نگاہوں سے عیاں ہوتی ہے

میں نے اک ادھ کھلا لمبی ڈنڈی والا گلاب لیا، پے منٹ کی اور باہر نکل آیا۔ بہت دیر تک وہیں کھڑے رہنے کے بعد باہر نکل آیا۔ بہت دیر تک وہیں کھڑے رہنے کے بعد میں نے مڑ کر خالص لمحے جیسی انمول لڑکی کو دیکھا اور وہ لمبی ڈنڈی والا گلاب شیشے کے دروازے کے پاس رکھ کر چلا گیا۔

یہ میرا معمول سا بن گیا تھا۔

نجانے وہ پھول اسے ملتا تھا یا ہوا کا رزق بن جاتا تھا، لیکن میرا دل چاہتا، وہ کبھی تو پوچھے۔

"تمہیں یہ پھول یہیں چھوڑ جانا ہے تو خریدتے کیوں ہو؟"

مگر وہ خاموشی سے اک ادھ کھلا گلاب میری سمت بڑھاتی۔ مگر یہ خاموشی بے حد متبسم ہوتی۔ اور یہ تبسم اس کی نیلگوں آنکھوں میں بادبانی کشتی کی طرح ڈولتا رہتا۔

"کیا تم ابھی تک اسے اپنی بات نہیں سمجھا پائے؟" اک بادلوں بھری اداس سی شام میں اس نے اچانک پوچھا تھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"آخر تم اس سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اچھی لڑکی! میرے پاس تمہیں دینے کے لیے بہت سے خالص لمحے ہیں۔" وہ ششدر سی رہ گئی۔

میں اپنا پھول اسی کے ہاتھ میں بھول کر باہر نکل گیا۔ اگلے دن میں نے اسے خط میں وہ شام پوسٹ کر دی تھی۔ جب میں نے صرف اسے سوچا تھا۔

نجانے وہ خط اسے ملا یا وہ شام پوسٹ آفس کی کسی ٹیبل پر گری رہ گئی۔ مگر وہ پھر کبھی وہاں نظر نہیں آئی۔

میں نے اس فلاور شاپ کو اپنے اندر وہیں سنبھال کر رکھ لیا۔ جہاں اس پہلی بارش کو سنبھال رکھا تھا۔

وہی فرانسیسی دریچہ' وہی سبز بیل سفید پھولوں سے لدی ہوئی۔ ہوا نے ہلکی سی شرارت کی اور سارے پھول دیوانہ وار اس پر برسنے لگے۔ مگر وہ مبہوت سی کھڑی تھی۔

دریچے کے اس پار سے آتے وائلن کے اداس سر اسے اپنی طرف بلا رہے تھے۔ اس نے گردن موڑ کر ماربل کی سفید سیڑھیوں کو دیکھا۔ اسے لگا یہ سیڑھیاں اسے دریچے تک لے جائیں گی۔ اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ پھر دوسری' پھر تیسری۔ اس کی نگاہیں کھلے دریچے کے اس طرف نیم تاریکی کو کھوج رہی تھیں۔ اچانک اسے لگا اس کے قدموں تلے سے سیڑھیاں کھسک گئیں' اس نے گھبرا کر نیچے دیکھا تو لڑکھڑا گئی۔ اس سے قبل کہ گر جاتی۔ کسی نے اسے بازوؤں میں سمیٹ کر سنبھال لیا تھا۔

"سنبھل کر..." وہی مدھم سی سرگوشی۔

اس سے قبل کہ وہ پلٹ کر دیکھتی' آنکھ کھل گئی۔ کچھ لمحے گھورتی رہی' پھر گردن گھما کر چیختے چلاتے فون کو دیکھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف رباب تھی۔

فوراً "بستر سے نکلو اور کلب پہنچو۔

"رابی! میں..."

"نو ایکسکیوز' بس ہم تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔" اس نے فون بند کر دیا۔ چار و ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ تیار ہو کر باہر نکلی تو ممی نہیں تھیں۔ عامر اور فارینہ ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ اس نے جاتے جاتے سنا۔ فارینہ چیخ رہی تھی۔

"اگر انہیں بچہ چاہیے تو میں کیا کروں۔"

"یہ ممی کی خواہش ہے فاری۔"

"تو انہیں کہو خود ٹرائی کریں۔ مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں۔"

"شٹ اپ فاری۔ تم حد سے بڑھ رہی ہو۔"

"یو شٹ اپ... میں کوئی..." وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

"ممی بھی کمال کرتی ہیں ابھی وقت ہی کتنا گزرا ہے۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچا تھا۔ کتنے بے کیف سے دن' ہفتوں اور مہینوں میں ڈھل کر گزر گئے تھے۔ تیمور کو اپنی فیکٹری کے لیے جاپان سے مشینری منگوانا تھی۔ ڈیلنگ کے لیے وہ خود گیا تھا اور جانے سے پہلے اس سے ملنے آیا تھا' مگر کچھ خفا سا لگتا تھا۔

کتنے عرصے کے بعد وہ کلب آئی تھی۔ سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ رباب کے ساتھ فواد کی موجودگی سرپرائزنگ تھی۔

"تم امریکہ سے کب آئے؟" اسے احساس ہوا' وہ ان سب سے کتنی بے خبر رہنے لگی ہے۔

"ابھی چند دن ہوئے' لیکن تم کہاں رہتی ہو؟ رباب بتا رہی تھی۔"

وہ بس مسکرا دی۔ آرکسٹرا نے خوبصورت سی دھن بجائی تو وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے فلور کی طرف بڑھ گئے۔ وہ قدرے ہٹ کر صوفے پر جا بیٹھی۔ کسی نے اس کے ہاتھ میں سوفٹ ڈرنک کا گلاس تھما دیا تھا۔ تب ہی جمشید اس کے پاس آ بیٹھا۔

"ہائے اریج۔"

"ہائے جم۔" اس نے خوشدلی سے مسکرانے کی کوشش کی۔

"وَآ ر لکنگ سو پریٹی۔" جمشید نے سر تا پا اس کا جائزہ لیا۔

"تھینکس۔" اس نے خالی گلاس ایک طرف رکھ کر نارمل سے لہجے میں کہا تھا۔

"تمہیں رباب کے ساتھ فواد کو دیکھ کر جیلسی فیل نہیں ہوئی؟" اریج نے گردن گھما کر ایک دوسرے میں گم ان دونوں کو دیکھا۔

"سوچ کر ہوتی تھی' دیکھ کر نہیں ہوئی۔" وہ آہستگی سے ہنسا۔

"اچھا!" اریج کھلکھلا کر ہنس دی۔

وہ اس کے یوں کھلکھلا اٹھنے پر دم بخود سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"تیمور یونہی تو تمہارے پیچھے پاگل نہیں۔"

"واٹ ڈو یو مین۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ تب جمشید نے آہستگی سے اس کا گال چھو کر کہا۔

"بہت خوبصورت ہو تم' یوں لگتا ہے مجھے تم سے محبت ہو جائے گی۔"

وہ ایک پل کو ساکت ہوئی اور دوسرے پل اس کا ہاتھ جھٹک کر فلور سے نیچے اتر گئی۔ جم نے اسے پکارا' مگر وہ بھاگتی ہوئی بیرونی دروازہ کراس کر گئی۔

اسے جمشید سے ایک دم شدید کراہیت کا احساس ہوا تھا۔ اسے شدید رونا آ رہا تھا اور گاڑی میں بیٹھ کر خوب روئی بھی تھی۔

یہ کیسی محبت تھی جو کبھی لینا سے ہو جاتی ہے' کبھی رباب سے تو کبھی اریج سے۔ یہ نہیں تو وہ سہی' وہ نہیں تو کوئی اور...

"سب ایک جیسے ہیں' سب ایک جیسے' کسی کو کسی کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب وقت گزاری کے مشغلے ہیں۔ خود غرضی کے رشتے' جھوٹ' فریب' ڈھکوسلے میں کیسے کسی پر اعتبار کروں' کیسے؟" وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار مار کر روتی رہی۔

ملازمہ اسے کھانے کے لیے بلانے آئی تھی۔ وہ کتاب بند کر کے کمرے سے باہر آ گئی' آج کل اس کا یہی مشغلہ تھا۔ لائبریری سے کتابیں لے آتی اور سارا دن پڑھتی رہتی۔ انسانوں سے چڑ کر اس نے کتابوں

میں پناہ ڈھونڈی تھی۔ لاشعوری طور پر اس کے قدم ڈائننگ روم کے باہر ہی رک گئے۔ شاید اپنا نام سنا تھا۔ ایک پل کو تعجب بھی ہوا۔ نجانے کتنے عرصے کے بعد ڈنر پر وہ تینوں موجود تھے۔

"جو کچھ آپ اس کے لیے کر چکیں' وہ بہت ہے۔ مزید میں عامر کی حق تلفی کرنے نہیں دوں گی آپ کو۔" فارینہ کا لہجہ تلخ سا تھا۔

"یہ میرا اور عامر کا معاملہ ہے فارینہ! تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں۔" ممی کا لہجہ رکھائی لیے ہوئے تھا۔

"یہ صرف آپ کا اور عامر کا معاملہ نہیں ہے اور میں کیوں نہ بولوں آخر' میں بھی اس گھر کی ایک فرد ہوں۔"

"عامر! خاموش کرواؤ اپنی بیوی کو۔"

"ممی! فاری کچھ غلط تو نہیں کہہ رہی۔" عامر کے جواب نے ایک پل کو ممی کو خاموش کروا دیا۔

"تم محض ایک کوٹھی اور تھوڑے سے بینک بیلنس کے لیے اتنا جھگڑا کر رہے ہو عامر جبکہ سب کچھ تو تمہارے پاس ہے۔"

"بات اصول کی ہے ممی۔"

"اصول' میرے اپنے اصول ہیں عامر' اگر وہ اس گھر میں رہتی ہے تو اسے اس کا حق مل کر رہے گا۔" مما کا لہجہ سخت اور بے لچک تھا' اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ بات اسی کے متعلق ہو رہی ہے' مگر گفتگو سے وہ کچھ بھی اخذ نہیں کر پائی تھی۔ اگر ممی جائیداد میں سے کچھ حصہ اسے دینا چاہتی تھیں تو اس کا حق تھا۔ عامر یا فارینہ کے اس طرح بھڑک اٹھنے کی کوئی توجیہہ اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

"ممی! بہتر ہے اس کی شادی کر دیں۔" عامر نے کہا تھا۔

"یہ تمہارا ہیڈک نہیں ہے۔ وہ میری بیٹی ہے اور میں جانتی ہوں کہ مجھے اس کے لیے کیا کرنا ہے۔"

"شی از ناٹ یور ڈاٹر ممی! (وہ آپ کی بیٹی نہیں ہے) اور میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں کہ اپنی سگی اولاد کے مقابلے میں آپ ایک لے پالک کو ترجیح کیوں دے رہی ہیں؟"

"شٹ اپ فارینہ۔" ممی چیخ اٹھی تھیں۔ اور باہر کھڑی اریج گویا' وہ پورے قد کے ساتھ زمین پر آ گری ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖

بے یقینی سی بے یقینی تھی' وہ گویا عرش سے فرش پر آ پڑی تھی۔ زندگی کے اتنے برس وہ جس نام کو اپنے نام کے ساتھ اپنی شناخت کی تکمیل کے لیے استعمال کرتی رہی۔ وہ اس کا نہیں تھا۔ وہ کیا تھی؟

ماسٹر صلاح الدین کی بیٹی۔

شادی کے سات برس گزر جانے کے بعد اولاد نہ ہوئی تو مسز فرزانہ عثمان نے اسے گود لیا تھا۔ اور اسے شہزادیوں کی طرح پروان چڑھایا۔ سیٹھ عثمان لڑکا گود لینا نہیں چاہتے تھے' ایک لے پالک ان کی پوری جائیداد کا وارث ہو' یہ انہیں گوارا نہ تھا۔ سو انہوں نے اریج کو گود لے لیا۔ محض اپنی چہیتی بیوی فرزانہ کی ضد پر۔ جو اس بچی کو گود کی گرمی تو نہ دے سکیں' مگر اس بچی نے ان کے گھر کا سونا پن ضرور بانٹ لیا۔ مگر یہ کسی کے لیے حتیٰ کہ اریج کے لیے بھی اچنبھے کی بات نہ تھی کہ پپا اس پر توجہ کیوں نہیں دیتے۔ یا ممی اسے اپنے سینے سے کیوں نہیں لگاتیں کہ اس نے اپنے گرد موجود ہر بچے کو گورنس کی نگرانی میں ہی پروان چڑھتے دیکھا تھا۔ اسے کبھی نہیں لگا کہ وہ اس کی ممی نہیں ہیں۔

انہوں نے اس کی ہر ضرورت کو پورا کیا تھا۔ اور جب خدا نے خود انہیں بیٹے کی نعمت سے نوازا تب بھی انہوں نے اریج کو کوئی کمی نہ آنے دی تھی۔ بس اس کا اپنا مزاج ہی کچھ اور تھا' وہ ہر کسی سے دور ہو گئی تھی۔ ہر چیز سے بے زار' اس نے سب سے ملنا چھوڑ رکھا تھا اور یہ بات تو طے تھی کہ وہ جب بھی پریشان ہوتی' وہ خواب مسلسل و متواتر اس کی بے چین نیند میں دستک دیتا تھا۔ مگر اب اسے اس تسلسل پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس فرانسیسی طرز کے دریچے پر' اس پر جھکی سفید پھولوں سے لدی بیل پر' وائلن کی دھن پر' اسے سنبھال لینے والے شخص پر۔

تین دن کے بعد ممی نے اسے دیکھا تو ٹھٹک سی گئیں۔

وہ از خود ان کے کمرے میں آئی تھی۔

"اریج کیا ہوا؟" اتنا زرد چہرہ' وہ حیران سی ہو گئیں۔

"ممی! مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"یہاں آؤ میرے پاس' پہلے بتاؤ' تمہیں ہوا کیا ہے' بیمار ہو۔"

پچھلے دو دن وہ اتنی مصروف رہی تھیں کہ گھر میں جھانکنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا' وہ ان کے قریب آئی اور گھٹنوں کے بل ان کے قریب بیٹھ گئی۔ ممی کی گود میں کچھ فائلیں دھری تھیں۔ انہوں نے یونہی آگے جھک کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"اریج تم ٹھیک تو ہو۔"

"ٹھیک ہوں ممی! مجھے کیا ہوا ہے۔" اس کی مسکراہٹ پھیکی سی تھی۔ ممی نے ہاتھ ہٹا لیے۔ اور گود میں پڑی فائل اس کے سامنے کی۔

"اریج! میں نے ڈیفنس والی کوٹھی' اور اسلام آباد والا بنگلہ تمہارے نام کیا ہے' بینک میں تمہارے نام کا اکاؤنٹ ہے' جس میں۔۔۔"

"ممی!" اس کے بول اٹھنے پر وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ممی! میں کس کی بیٹی ہوں؟" اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ کر اچانک پوچھا تھا۔ ممی ششدر سی

رہ گئیں۔

"ممی! مجھے بتائیں انہوں نے مجھے آپ کو کیوں دے دیا۔"

"اریج! تم میری بیٹی ہو۔" ممی کی آواز مدھم سی تھی۔

"ممی۔" وہ مضمحل سی مسکرائی۔ "فیکٹ از فیکٹ، مجھے بتائیں ماسٹر صلاح الدین کون ہیں، کہاں ہیں، پلیز ممی۔" وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

ممی نے ایک طویل سانس لے کر آنکھیں بند کیں۔ انہیں لگا اب اریج سے چھپانا ناممکن ہے۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ منتظر تھی۔

"میرا تعلق ایک متوسط گھرانے سے ہے۔ اتفاقاً" شادی سیٹھ عثمان سے ہوگئی۔ ماسٹر صلاح الدین میرے دور پرے کے کزن تھے۔"

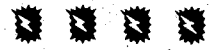

وہ گھر سے نکلی تو کالی کالی بدلیاں پچھم سے اٹھی تھیں اور اب چھاجوں چھاج برستا مینہ اس کے رستے میں حائل تھا۔ بچے اس کی گاڑی کے گرد بارش میں اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے، کچھ دور آم والا ریڑھی پر، پیلے سبز آم سجائے دھوتی اور بنیان میں ملبوس بارش میں بھیگتا ہوا اونچی آواز میں گا رہا تھا۔

بھاگاں والیو، آم۔

مولا آم۔

آم کھاؤ آم۔

سامنے والوں کی بیٹھک کا دروازہ کھلا تھا اور ایک نوجوان صوفے پر ٹانگیں بچھائے خاموشی سے برستے ساون کا لطف لے رہا تھا۔ اس کے ڈیک پر فل آواز میں گانے چل رہے تھے۔ تب ہی ایک نوجوان ہاف جینز اور ٹی شرٹ میں گاتا ہوا گزرا۔

"ساون برسے... ترسے دل..."

اریج نے ہارن بجا کر اپنی طرف متوجہ کیا تو جہاں وہ ٹھٹک کر رکا، وہیں بیٹھک والے لڑکے نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا، آم والا بھی گانا بھول کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ماسٹر صاحب کا گھر کون سا ہے؟"

"ماسٹر صاحب۔" نوجوان نے قدرے تعجب سے گاڑی میں بیٹھی لڑکی کا حلیہ ملاحظہ کیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "گلی میں نیم والا گھر ان ہی کا ہے۔"

"تھینک یو۔"

اریج نے گردن گھما کر گلی میں دیکھا۔

پختہ گلی کشادہ تھی۔ وہ گاڑی اندر لے گئی۔ نیم کے درخت کے نیچے لوہے کی کرسی بھیگ رہی تھی۔ وہ گاڑی سے نکل کر بھاگتی ہوئی نیم کے درخت کے نیچے آگئی۔ سبز پتوں کو چھو کر شاخوں میں سے رستہ بناتی بارش کی بوندیں اسے بھگونے لگیں۔

اس نے لب کاٹتے، ہتھیلیاں مسلتے ہوئے پلٹ کر نیلے دروازے کو دیکھا۔

اس کا دل رک رک کر دھڑکنے لگا۔

بند دروازے کے پیچھے اس کے لیے نجانے کیا تھا۔ وہ اپنی کیفیت کو کوئی نام نہ دے پائی۔

عجیب سا ڈر اور خوف، عجیب سی جھجک

"اگر انہوں نے مجھے تسلیم ہی نہ کیا۔"

اسے لگا اگر ایسا کچھ ہوا تو وہ واپس نہ جا پائے گی۔ اس کا وجود یہیں بکھر جائے گا۔

اس کی ہتھیلی نے بہت ڈرتے ڈرتے دستک دی۔

دوسری طرف پختہ صحن پر گرتی بارش کی آواز کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

اس نے بے تاب ہو کر دروازہ دھڑ دھڑایا۔

دوسری طرف قدموں کی چاپ ابھری۔ کسی بچے نے بہ عجلت دروازہ کھولا۔

"اندر آجائیں۔" وہ اسی عجلت میں کہہ کر بھاگ جانے کو مڑا، پھر ایک دم ٹھٹک کر رک گیا۔ سر تا پا اس کا جائزہ لیا۔

"ماسٹر صاحب ہیں؟"

"ہیں، اندر آجائیں۔" اس نے تہذیب سے جواب دیا۔

وہ اندر چلی آئی، پختہ کھلے سے صحن میں ایک طرف جامن کا بڑا درخت پھیلا تھا۔ اس کے سبز پتے ہوا کی تال پر محو رقص تھے۔ ٹپ ٹپ پکی ہوئی جامنیں نیچے گر رہی تھیں۔ درخت کے نیچے بڑا سا پرندوں کا پنجرہ تھا جس میں کئی رنگ کے ننھے منے آسٹریلین طوطے پر پھیلائے ادھر سے ادھر اڑتے ماحول کی خوبصورتی اور رنگینی میں اضافہ کر رہے تھے۔ چائنیز ڈو محو رقص تھی۔ برآمدوں کا سرخ فرش بھیگ کر کچھ اور سرخ ہوگیا تھا۔ ستون کے ساتھ لپٹی سبز بیل سے آتشی گلابی پھول ٹوٹ ٹوٹ کر بارش کے پانی میں رنگ گھول رہے تھے۔ دائیں طرف سے اوپر جاتی ہر سیڑھی پر چھوٹے چھوٹے گملے دھرے تھے۔ جن میں قسم قسم کے پودے ماحول کو تر و تازہ کر رہے تھے۔ فضا میں بارش کی خوشبو کے ساتھ پکوان تلنے کی خوشبو پھیلی تھی۔

وہ بچہ سامنے والے کمروں میں غائب ہوگیا تھا۔ اریج نے قدم اٹھائے، تب ہی نگاہ دائیں طرف قدرے الگ تھلگ بنے کمروں کی طرف اٹھ گئی، جہاں گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے باریش بزرگ صورت شخص محو مطالعہ تھا، اس کی پوری توجہ ہاتھ میں پکڑی کتاب پر مبذول تھی۔

اریج کا دل دھڑک دھڑک کر بے تاب و بے کل ہو رہا تھا۔

"کیا یہی ہیں؟"

اس کے قدم بے تابانہ ان ہی کی طرف اٹھ گئے۔

دروازے سے روشنی آنا معدوم ہوئی تو ماسٹر صاحب نے چونک کر سر اٹھایا۔ جینز اور شرٹ میں ملبوس اجنبی لڑکی کو دیکھ کر وہ چونک کر سیدھے ہوئے۔

"کس سے ملنا ہے بیٹی؟" ان کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید کوئی قرۃ العین کی یونیورسٹی فیلو ہوگی مگر وہ تو ابھی یونیورسٹی سے لوٹی ہی نہ تھی۔

وہ اپنی بھیگی نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی۔

ماسٹر صاحب کو الجھن سی ہونے لگی تھی۔

"کیا بات ہے بیٹی!"

"آپ۔۔۔ آپ ماسٹر صلاح الدین ہیں۔۔۔" اس نے اٹک اٹک کر پوچھا۔ اس کی نگاہیں ترس ترس کے ان کے جھریوں زدہ چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

ماسٹر صاحب بری طرح چونکے۔

"کہہ۔۔۔ کہہ دیں۔۔۔ آپ ہی ہیں۔"

انہیں لگا انہوں نے اگر انکار کیا تو وہ لڑکی مر جائے گی۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اریج دو قدم آگے بڑھی۔ انہوں نے کچھ پوچھنا چاہا مگر وہ ضبط کا بندھن کھو بیٹھی۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے ان کا جھریوں زدہ ہاتھ تھاما اور اس پر اپنی پیشانی ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا بابا؟ کیوں کیا؟ میرا وجود اتنا بڑا بوجھ تھا آپ کے لیے؟ کتنی آسانی سے مجھے دوسروں کی جھولی میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں بیٹی رحمت ہوتی ہے' آپ نے کیوں اس رحمت کو ٹھکرا دیا بابا۔۔۔ اور پھر مڑ کر خبر بھی نہ لی۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ بچی کس حال میں ہے۔"

"کون۔۔۔ کون ہو تم۔۔۔؟" وہ گڑبڑا سے گئے۔

"میں۔۔۔" اس نے بھیگا ہوا چہرہ اوپر اٹھایا۔ "میں آپ کی بیٹی ہوں بابا۔۔۔ وہ بیٹی جسے بیگم عثمان کی جھولی میں ڈال کر آپ بھول گئے تھے۔" ماسٹر صاحب ششدر سے رہ گئے۔

"تم۔۔۔"

"آپ مجھے اب بھی نہ ملتے تو میں مر جاتی بابا! آپ کو نہیں پتا' میں نے کیسے زندگی گزاری ہے۔ میں ان سب کے درمیان اجنبی تھی۔ میں ان میں سے نہیں تھی بابا۔۔۔"

وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی اور اس کے عقب میں کھڑی خوش بخت دم بخود کھڑی تھیں۔

ابھی ابھی نومی نے آکر بتایا تھا کہ کوئی پینٹ والی لڑکی بابا سے ملنے آئی ہے' وہ کڑاہی چڑھائے بیٹھی تھیں۔ کچھ حیران سی ہو کر وہ سب چھوڑ چھاڑ کر آئی تھیں اور اب دم بخود کھڑی تھیں۔

"بابا! چپ کیوں ہیں' بولیے نا۔ کیا اب بھی اپنی بیٹی کو گلے سے نہیں لگائیں گے۔ میں بہت ترسی ہوں بابا! وہ لوگ بہت اچھے تھے مگر میرے نہیں تھے۔" بابا کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی۔ انہوں نے جھک کر اس کے سر پر بوسہ دیا تو جیسے اس کی سسکیاں تھم سی گئیں۔

بابا نے سر اٹھا کر ساکت کھڑی خوش بخت کو دیکھا۔

"خوش بخت بیٹا! بہن کو لے جا کر قرۃ العین کا کوئی سوٹ نکال دو۔ اس کے کپڑے گیلے ہیں' بیمار ہو جائے گی۔"

"جی۔۔۔" انہوں نے بے حد چونک کر بابا کو دیکھا۔ انہوں نے سنجیدگی سے اشارا کیا تو انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"چلو گڑیا۔۔۔"

"میرا نام اریج ہے۔" اس نے اٹھتے ہوئے بتایا پھر سوالیہ نظروں سے بابا کو دیکھا۔

"آپی ہے تمہاری خوش بخت۔۔۔"

اریج بے اختیار پلٹ کر ان کی طرف بڑھی پھر جھجک کر رک گئی۔

"میں بہت ترسی ہوں ان رشتوں کو آپی!"

خوش بخت نے مسکرا کر اسے گلے سے لگا لیا پھر ساتھ لے کر ایک کمرے میں چلی گئیں۔ کمرے میں ڈبل بیڈ' رائٹنگ ٹیبل اور وارڈروب تھی۔ رائٹنگ ٹیبل پر کتابوں کے ساتھ چھوٹا ٹیپ ریکارڈر اور بہت سی کیسٹس پڑی تھیں۔

"یہ عینی اور نور کا کمرہ ہے۔"

"عینی اور نور؟" اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"تمہاری بہنیں' عینی تو تمہاری ہم عمر ہی ہوگی۔ نور البتہ چھوٹی ہے۔"

"ہم عمر کیا مطلب۔۔۔؟ یا تو وہ مجھ سے چھوٹی ہوگی یا بڑی۔" اریج نے چونک کر پوچھا۔

"ایک آدھ سال کی چھوٹائی بڑائی کیا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے وارڈروب کھولی۔

"عینی انگلش میں ماسٹرز کر رہی ہے' نور میٹرک کے ایگزام کے بعد فارغ ہے۔"

"کہاں ہیں دونوں؟" اسے مزید بے تابی نے گھیر لیا۔ اتنے سارے لوگ اس کے اپنے تھے اور اس نے اک عمر تنہائی کا زہر پیا تھا۔

"عینی یونیورسٹی میں ہوگی۔ بارش کی وجہ سے لیٹ ہو گئی ہے۔ ارمغان بھی ابھی تک نہیں آیا۔ شاید عینی کو لینے چلا گیا ہو۔ نور صبح ماموں کے ہاں گئی ہے' کل آئے گی۔"

"ارمغان!" وہ سب کچھ ہی جان لینا چاہتی تھی۔
"ہمارا اکلوتا بھائی....." خوش بخت نے روانی میں بتایا پھر ٹھٹک کر بولی۔
"تمہارا بھی....."
"یہ عینی کے کپڑے ہیں، تمہارے پورے ہوں گے، کوئی نکال لو۔" انہوں نے اس کی چوائس پر چھوڑا مگر وہ فوراً بول اٹھی۔
"کوئی سا بھی نکال دیں آپی!"
خوش بخت نے لائٹ پنک میرون ایمبرائیڈری والا کاٹن کا سوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ تب ہی نومی بھاگتا ہوا آیا۔
"امی! آپ کو بابا بلا رہے ہیں۔" اس نے چونک کر خوش بخت کو دیکھا۔
"یہ میرا بیٹا ہے نومی۔"
"آپ کی شادی ہو گئی ہے۔" اس نے بے حد حیرت سے نازک اور کامنی سی خوش بخت کو دیکھا۔
"ظاہر ہے اسی لیے تو یہ میرا بیٹا ہے۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اچھا تم کپڑے بدلو، میں بابا کی بات سن کر آتی ہوں۔"
ان کے جانے کے بعد وہ کچھ لمحے سوٹ ہاتھ میں لیے یونہی کھڑی رہی۔
"آئی ایم ساری ممی! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں انہیں نہیں ڈھونڈوں گی مگر میں رہ نہ سکی۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔
کپڑے بدل کر باہر آئی تو بارش ہلکی ہو گئی تھی۔ نومی پنجرے کے پاس کھڑا توتوں سے ان ہی کی زبان میں باتیں کرتے ہوئے بھاگ بھاگ کر جامنیں اکٹھی کر رہا تھا۔
اسے سجے سجائے نیم تاریک بیڈ روم کی سرد تنہائی یاد آ گئی۔ تو وہ ستون کے پاس رک کر نومی کو دیکھنے لگی۔ بارش میں پورے کا پورا بھیگا۔ خوش اور مگن، وہ یہاں ہوتی تو اس کا بچپن بھی اتنا ہی خوبصورت اور بے فکر ہوتا۔ اسے اپنی بارش میں بھیگنے کی حسرت یاد آئی اور مالی کی بیوی کے پاس اس کے بچوں میں گھس کر پکوڑے کھانا۔ وہ مسکرا دی، تب ہی پکوڑوں کی خوشبو نے اس کی رہنمائی کی تو وہ سائیڈ پر بنے کچن کی طرف بڑھی۔ چھوٹا سا صاف ستھرا کچن تھا۔ خوش بخت آپی پکوڑے کڑاہی سے نکالنا بھول گئی تھیں۔
"آپی....." اریج نے پکارا تو وہ چونک گئیں۔
"پکوڑے سارے جل گئے۔"
"اوہ....." وہ کچھ خفیف سی ہو کر پکوڑے نکالنے لگیں۔
"کیا سوچ رہی تھیں؟" اریج ان کے پاس بیٹھی۔
"کچھ خاص نہیں۔"
"آپ کو میرا یہاں آنا برا تو نہیں لگا۔" اک ہلکا سا خوف تھا۔

"پگلی! برا کیوں لگے گا، لو پکوڑے کھاؤ۔" انہوں نے پہلے نکالے گئے پکوڑے اس کے سامنے رکھے۔
"بابا....."
"وہ ظہر کی نماز پڑھنے گئے ہیں۔" خوش بخت نے بتایا تو وہ خاموش ہو کر نجانے کیا سوچنے لگی۔ خوش بخت نے چولہا بند کیا اور فریج سے دہی نکال کر رائتے کے لیے پھینٹنے لگی۔
"آپی! آپ کو پتا تھا کہ آپ کی کوئی اور بہن بھی ہے۔" اس نے اچانک سوال کیا۔ خوش بخت کا ہاتھ ایک پل کو تھم گیا۔
"ہاں....."
"ارمغان! عینی اور نور کو....." اس نے اگلا سوال کیا۔ خوش بخت نے ایک نظر اس کے خوبصورت چہرے پر ڈالی۔ بے تحاشا رونے سے اس کی آنکھیں سرخ سی ہو رہی تھیں۔
"نہیں....."
"آپی....."
"باتیں تو ہوتی رہیں گی اریج....." خوش بخت نے نرمی سے اس کی بات قطع کی۔
"ابھی وہ لوگ آتے ہوں گے۔ چلو برآمدے میں میز لگا دیں، وہیں بیٹھ کر کھائیں گے۔ مزا آئے گا۔"
تب ہی نومی بھاگتا ہوا آیا۔ اس کے ہاتھ میں جامنوں سے بھری پلیٹ تھی۔
"امی! دیکھیں میں نے کتنی ساری جامنیں اکٹھی کر لیں۔"
"اچھا۔ انہیں دھو کر ٹیبل پر رکھو، ماموں اور خالہ آتے ہی ہوں گے۔" خوش بخت نے کہا تو وہ سنک کی طرف بڑھ گیا۔ پلیٹ ایک طرف رکھی، کن انکھیوں سے اریج کو دیکھتے ہوئے ماں کے کندھے پر جھکا۔
"امی! یہ کون ہیں۔"
"یہ بھی تمہاری خالہ ہیں۔" خوش بخت نے بتایا تو اریج نے مسکرا کر اس کی سمت دیکھا۔
"کون سی کلاس میں پڑھتے ہو نومی.....؟"
"کلاس تھری....."
"یہاں میرے پاس آؤ....." اریج نے پکارا تو وہ جھجکتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔ اریج اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگی۔ ذہین اور ہوشیار بچہ تھا۔
خوش بخت نے پکوڑے، جامنیں، رائتہ اور املی کی چٹنی برآمدے میں ٹیبل پر رکھ دی۔ ابھی وہ لوگ بیٹھے ہی تھے کہ ارمغان اور عینی آ گئے۔ بارش رک گئی تھی۔
"وہ مارا..... مجھے پہلے ہی پتا تھا۔" ارمغان نے نعرہ لگایا۔
"اف آج تو بھوک بھی زوروں کی لگی ہے۔" عینی نے کہا اور آگے بڑھ آئی۔ ارمغان موٹر سائیکل کھڑی کرنے لگا۔ عینی اجنبی صورت دیکھ کر ٹھٹک گئی مگر خوش دلی سے سلام کیا تھا اور سوالیہ نظروں سے خوش بخت کو دیکھا۔

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
ایک رابطہ اپنوں سے
PAKISTANIPOINT

"یہ اریج ہے۔" خوش بخت اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو رہیں۔ تب ہی ارمغان سر کے بال جھٹکتا ہوا برآمدے میں آیا اور وہیں ٹھٹک گیا۔

"کیا یہ میرا تخیل ہے؟"

"آپ۔" وہ جو ہر پل خوشبو کی طرح اس کے ساتھ ہوتی تھی جسے ہر برستی بارش میں اسی ریستوران اور فلاور شاپ پر ڈھونڈا کرتا تھا۔ وہی جس کے نام اس نے اپنی ہر شام لکھی تھی۔

وہی جس کی خاطر اس نے اپنی زیست کے ہر لمحے کو سنبھال رکھا تھا۔

ادھ کھلے گلاب کی کہانی۔

خالص لمحوں جیسی انمول لڑکی

یہ خواب تھا یا گمان

یہ سراب تھا یا حقیقت

"ارے تم۔۔۔" اریج کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ خوش بخت نے ان دونوں کو دیکھا۔

"ارمغان۔۔۔ یہ یہ۔ اریج ہے۔ ہماری بہن۔۔۔"

ارمغان کو لگا' ہزاروں بم ہیں جو اس کے وجود کے اندر پھٹے تھے۔ اس نے وہیں کھڑے اپنے وجود کو ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتے دیکھا۔

کسی نے حال پوچھا تھا ہمارا
کسی کی آخری بس جا رہی ہو
کوئی اسٹاپ پر تنہا کھڑا ہو
مسلسل رات گہری ہو رہی ہو
ہمارا حال ایسا ہے سمجھ لو
کسی کو کوئی یاد آتا ہی نہ ہو
کسی کو کوئی شے بھاتی ہی نہ ہو
کسی کا کوئی بھی اپنا نہ ہو
کسی کا کوئی بھی ساتھی نہ ہو
ہمارا حال ایسا ہو گیا ہے
کہ جیسے اپنا سب کچھ کھو گیا ہے
شگفتہ ناؤ ڈولی جا رہی ہے
نہیں ابھرا بھنور میں جو گیا ہے

بھنور کو جب کوئی ساحل سمجھ لے
کوئی مقتل کو ہی منزل سمجھ لے
وہی اپنا حال دل سمجھ لے
ہمارا حال ایسا ہے سمجھ لو
نجانے میں کہاں کھڑا ہوں
شاید زمین کے آخری کنارے پر
میرے قدم لڑکھڑا رہے ہیں مگر۔۔۔ اپنے ڈولتے وجود کو سورج نہیں تھام سکتا۔

سورج۔ جو میرے اتنا قریب ہے کہ میں پگھل کر اپنے ہی قدموں میں آپڑا ہوں۔ ابھی کچھ لمحے پہلے مجھے میرے ہونے کا احساس تھا۔

میں وہیں کھڑا تھا' اپنے دھیان کی سڑک پر فلاور شاپ کے سامنے برستی بارش میں بھگتا ہوا۔

بارش جو خوشبو برساتی تھی

بہت سے پھولوں میں اک ادھ کھلا گلاب

میری معصوم و پاکیزہ محبت کی علامت

مگر ہوا کیا؟

آسمان کی کوکھ بنجر ہو گئی

ادھ کھلا گلاب' میرے ہی قدموں تلے آ کر روند آ گیا۔

میں نے پانی آنکھوں سے اس فلاور شاپ کو بھڑ بھڑ جلتے دیکھا کیونکہ آج میں نے اسے تیسری بار اپنے گھر میں دیکھا۔

اور کس روپ میں دیکھا۔

ایک پل کو میرا دل چاہا میں خودکشی کر لوں۔

مگر میں اب بھی زندہ ہوں۔

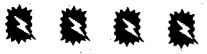

وہ بے حد خوش تھی۔ اسے لگا زمین و آسمان اس کی دسترس میں آ گئے ہیں۔ اس نے پہلی بار خوشی' خالص خوشی کے احساس کو چھو کر محسوس کیا تھا' وہ وہاں سے کبھی واپس نہ آتی' مگر بابا نے کہا۔ وہ رات یہاں رک گئی تو ممی پریشان ہوں گی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ ممی پریشان نہیں ہوتیں۔ انہیں تو خبر بھی نہ ہو گی کہ اریج گھر لوٹی تھی یا نہیں۔ مگر وہ خاموش ہو کر لوٹ آئی تھی۔ ساری رات مارے خوشی کے اسے نیند نہ آئی۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ ایک ایک کو پکڑ کر بتائے کہ اسے اس کے اپنے مل گئے ہیں۔ اب اگر وہ یہاں سے بے دخل بھی کر دی جائے تو وہ

اکیلی نہیں ہوگی۔ بہت سے لوگ ہوں گے اسے سہارا دینے کو۔۔۔ اس کے اپنے لوگ۔۔۔ اس کا باپ اس کی بہنیں' اس کا بھائی' حالانکہ ارمغان کا رویہ خاصا حوصلہ شکن تھا۔ جبکہ وہ خود خوشی سے اچھل ہی تو پڑی تھی۔ جب اس نے ارمغان کو وہاں دیکھا۔ مگر وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا۔

اور جب خوش بخت آپی نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

"بہن۔۔۔" اس نے آپی کا سوال گویا سنا ہی نہیں۔ بس زیر لب دہرایا تھا۔

"بچپن میں بابا نے اسے کسی بے اولاد جوڑے کو دے دیا تھا۔" انہوں نے بے حد آہستگی سے بتایا۔ تو جہاں عینی نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ واپس ٹیبل پر رکھی تھی وہیں وہ ایک دم مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

اس نے گھبرا کر خوش بخت کی سمت دیکھا۔

وہ گڑبڑا سی گئی تھیں۔

"اچانک انکشاف ہوا ہے نا' بعد میں آئے گا تو تم سے ٹھیک طرح سے ملے گا۔ تم لو یہ۔" انہوں نے بات بدل دی تھی۔ مگر وہ شام ڈھلے تک نہیں لوٹا تھا۔ بعد میں بابا بھی آگئے۔ عینی اچھی خوش مزاج لڑکی تھی۔ اریج کو لگا اس کی عینی کے ساتھ دوستی ہو جائے گی۔ نور سے ابھی وہ ملی نہیں تھی اور وہ ارمغان۔۔۔

"دوستوں کی طرف نکل گیا ہوگا۔" اس کے پوچھنے پر بابا نے اطمینان سے جواب دیا۔

❖ ❖ ❖ ❖

اگلی صبح اس نے اپنا وارڈروب کھولا۔ اس کے پاس چند ہی شلوار سوٹ تھے۔ اس نے گرے سوٹ نکال کر پہن لیا۔ بالوں کو سمیٹ کر کلپ کیا اور بنا میک اپ کے نکل آئی۔ جہاں وہ جا رہی تھی وہاں ان مصنوعی لوازمات کی ضرورت نہ تھی۔

دروازہ خوش بخت نے کھولا تھا' اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

"بابا کو یقین تھا کہ تم صبح ہی آجاؤ گی۔ اور وہ بھی بنا ناشتہ کیے۔"

"اچھا۔۔۔" وہ ہنس دی' پھر بیٹھک کے بند دروازے کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کہاں ہیں بابا؟"

"اسکول گئے ہیں۔ حالانکہ جب سے ارمغان کی جاب ہوئی ہے' وہ یہی کہتا ہے کہ ریٹائرمنٹ لے لیں۔ مگر بابا بضد ہیں کہ قبل از وقت ریٹائرمنٹ نہیں لیں گے۔"

"عینی اور نومی؟"

"چلے گئے یونیورسٹی اور اسکول۔" وہ اسے لے کر کچن میں چلی آئیں۔

"کیا لو گی تم ناشتے میں۔ پراٹھا یا ڈبل روٹی؟" انہوں نے فریج کھولتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی دے دیں۔ پراٹھا بنا دیں۔" اس نے فرمائش کی' انہوں نے فریج سے آٹا نکال کر باہر رکھا۔

"پہلے میں ارمغان کو دلیہ دے آؤں۔" انہوں نے ایک پیالے میں دلیہ نکالتے ہوئے کہا تو وہ چونک گئی۔

"ارمغان گھر پر ہے؟"

"ہاں۔۔۔ اسے بخار ہے۔" خوش بخت نے بتایا' پھر قدرے جھنجلا کر بولیں۔ "ایک دم احمق ہے۔ کل ساری رات بارش میں بھیگتا رہا۔"

"میں بھی اسے دیکھ لوں۔" اریج قدرے پریشان سی ہو کر ان کے ساتھ ارمغان کے کمرے میں آئی' وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ آہٹ پر آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا۔ اریج کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی سرخی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

"کیسے ہو ارمغان؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "بیمار ہو گئے۔" وہ اس کے قریب آئی اور دوسرے پل اس کا ہاتھ ارمغان کی پیشانی پر تھا۔

ارمغان کو لگا اس کی پیشانی پر جلتے ہوئے انگارے آپڑے ہیں۔ اس نے اریج کی کلائی کو جھٹکا دے کر ہاتھ ہٹایا اور تیزی سے کروٹ بدل لی۔

اریج ششدر سی رہ گئی۔

خوش بخت دم بخود۔۔۔ پھر ایک دم سنبھل کر بولیں۔

"بیماری میں یونہی چڑچڑا اور بدمزاج ہو جاتا ہے۔" انہوں نے تنبیہی نگاہوں سے ارمغان کو گھورتے ہوئے اریج کو وضاحت دی۔ جس کا چہرہ ایک دم فق ہو گیا تھا۔

"اٹھو ارمغان! دلیہ کھالو۔"

"مجھے نہیں کھانا۔" اس کا لہجہ سخت بے زار تھا۔ "فضول باتیں نہیں' ایک تو اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے ہو اور پھر نخرے بھی' کس نے مشورہ دیا تھا ساری رات بارش میں نہانے کا۔ مجھے تو عینی نے صبح بتایا ورنہ اسی وقت پٹائی لگاتی۔"

"رکھ دیں آپی! کھالوں گا۔" پتا نہیں وہ ہمیشہ اتنی شرافت سے ان کی ڈانٹ کھا لیتا تھا' یا اریج کے سامنے ہی خاموش تھا۔

خوش بخت نے پیالہ میز پر رکھ دیا۔

"ضرور کھالینا۔ میں ابھی آتی ہوں' آؤ اریج! تمہیں ناشتہ بنا دوں۔"

وہ کچھ خاموش سی ان کے ساتھ چلی آئی۔ خوش بخت نے فریج سے دہی کا پیالہ اور جیم نکال کر ٹیبل پر رکھا۔

"پہلے ہم لوگ دسترخوان پر ہی ناشتہ کرتے تھے۔ ارمغان کو پے ملی تو سب سے پہلے یہ ناشتے کی ٹیبل خرید لایا۔" انہوں نے پیڑا بناتے ہوئے کہا۔

اریج خاموش ہی رہی۔

انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ پھر اسے یونہی دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کچھ سوچتے پایا تو کہنے لگیں۔

"کھڑی کیوں ہو اریج! بیٹھو نا۔"

وہ خاموشی سے آکر بیٹھ گئی۔ حالانکہ اس کا دل اب ناشتہ کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا' اتنے لوگوں کی محبت کے درمیان اس ایک شخص کی بے اعتنائی نے اسے افسردہ کر دیا تھا جو اس کا اکلوتا بھائی تھا۔

آپی نے پراٹھا اور گرم سالن اس کے سامنے رکھا تو وہ بے اختیار پوچھنے لگی۔

"ارمغان کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا نا؟" خوش بخت نے نیلی آنکھوں کی صاف سطح پر غم کی لکیریں دیکھیں۔

"پاگل! اچھا کیوں نہیں لگے گا۔ لیکن میں نے تمہیں بتایا نا' بیماری میں وہ یونہی بدمزاج ہو جاتا ہے۔ اگر بابا کو پتا چلا تو دیکھنا کیسے کان کھینچیں گے۔"

"ارے نہیں آپی! بابا کو مت بتایئے گا۔ اس طرح تو وہ مجھ سے اور بھی چڑ جائے گا۔" وہ فوراً بول اٹھی تو خوش بخت ہنس پڑیں۔

"آپ کی ہنسی بہت خوبصورت ہے آپی۔"

"خوبصورتی کا لفظ تو تم پر ختم ہوتا ہے میری جان۔" خوش بخت نے اس کی ٹھوڑی چھو کر محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

"لیکن اب تم پراٹھا ٹھنڈا کر رہی ہو۔ کہو تو آملیٹ بنا دوں۔"

"نہیں آپی! یہ کافی ہے۔ آملیٹ تو میں یوں بھی نہیں کھاتی۔"

"اچھا' میں دیکھتی ہوں کہ ارمغان نے دلیہ کھایا یا نہیں' اگر میں نہ ہوں تو یہ لڑکا تو بس۔"

"آپ کا گھر کہاں ہے آپی؟"

"میرا گھر..." وہ ایک دم چپ ہوئیں' پھر مسکرا کر پوچھنے لگیں۔

"کیوں یہ میرا گھر نہیں ہے؟"

"میرا مطلب ہے۔"

"میرے شوہر کا گھر۔" انہوں نے بات قطع کی۔

"آپ ہی کا ہوا۔"

"ہاں... شاید..." ان کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔ پھر لہجہ بدلتے ہوئے بولیں۔ "اسی شہر میں ہے۔"

"آپ کتنے دنوں کے لیے آئی ہیں۔" اسے خوش بخت میں ماں جیسی محبت و شفقت محسوس ہوئی تھی۔

"پتا نہیں۔" ان کا چہرہ تاریک سا ہو گیا۔

"کیا مطلب؟"

"طارق اپنے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہیں۔ میں یہاں آگئی۔"

"آپ کے سسرال میں کوئی اور نہیں ہے۔"

"نہیں۔" وہ جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ "میں ارمغان کو دیکھ لوں۔"

"یوں لگتا ہے' خوش بخت آپی اپنے گھر میں خوش نہیں ہیں۔" اریج کو یہ سوچ کر ہی دکھ ہوا تھا۔

❖ ❖ ❖ ❖

اسے اچانک احساس ہوا تھا کہ ممی ناشتہ کرنے کے بجائے مسلسل اسے دیکھ رہی ہیں' اس نے بنا ان کی طرف دیکھے چائے کا مگ لبوں سے لگا لیا۔ کچھ لمحوں کے بعد اسے الجھن سی محسوس ہونے لگی۔

"کیا ہوا ممی؟" کپ واپس رکھ کر اس نے ممی کو دیکھا۔

"تم صلاح کے گھر گئی تھیں۔" انہوں نے اچانک پوچھا تھا۔ ایک پل کو وہ گڑبڑا گئی' پھر گویا تسلیم کرتے ہوئے بولی تھی۔

"آئی ایم ساری ممی۔"

"میں نے تمہیں منع کیا تھا۔" ممی کو غصہ آگیا۔

"میں خود کو روک نہیں سکی۔"

"اریج! میری بات غور سے سنو! اب تم وہاں نہیں جاؤ گی۔" انہوں نے گویا حتمی انداز میں اس پر پابندی عائد کی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"اریج! میری بات کا جواب دو۔"

"آپ کی بات کا کیا جواب دوں ممی! آپ مجھے ایسے شخص سے ملنے سے روک رہی ہیں جو میرے فادر ہیں۔" ممی کچھ لمحے اسے دیکھتی رہیں۔

"تیمور کب واپس آرہا ہے؟"

"مجھے کیا معلوم۔"

"بیگم زمان اپنے بیٹے کا پرپوزل لے کر آئی ہیں۔" ممی نے بتایا۔ تو کپ اٹھاتے ہوئے اس نے بیگم زمان کے بیٹے کے بارے میں سوچا' تب اسے رضا زمان یاد آگیا۔

"فار گاڈ سیک ممی! مجھے اس سے شادی نہیں کرنا۔"

"تیمور بھی تم میں انٹرسٹڈ ہے۔" انہوں نے اگلا پرپوزل پیش کیا۔

"بٹ آئی ایم ناٹ انٹرسٹڈ۔"

"تو پھر تم کس میں انٹرسٹڈ ہو؟" ممی کو شدید قسم کے غصے نے گھیر لیا۔

"مجھے کسی سے شادی نہیں کرنا ہے۔" وہ حتمی لہجے میں کہہ کر اٹھ گئی۔ ممی شدید غصے میں بڑبڑاتی رہ گئی تھیں۔

❖ ❖ ❖ ❖

اسے گھر سے نکل کر ظاہر ہے وہیں آنا تھا' چھٹی کا دن تھا۔ برآمدے میں بابا بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ عینی نے واشنگ مشین لگا رکھی تھی۔ نور اور نومی کتابیں کھولے بیٹھے تھے۔ پاس ہی خوش بخت عینی کی قمیص کی کٹائی کر رہی تھیں' ارمغان پنجرے کے پاس کھڑا پرندوں کو دانہ ڈال رہا تھا۔

"آخر پکڑ ہی لیا نا میں نے تمہیں۔" وہ ارمغان کو دیکھ کر ہنس دی۔ جبکہ اس کے چہرے پر تناؤ سا چھا گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا دانہ ایک ساتھ پنجرے میں ڈال دیا۔ اس سے قبل کہ وہاں سے چلا جاتا اریج نے اس کا بازو تھام لیا۔

"نہیں بھائی! آج میں صرف تمہارے لیے آئی ہوں کہ تم چھٹی کے دن گھر پر ہو گے۔" وہ ملتجی لہجے میں گویا ہوئی۔

"ارمغان۔" بابا کی آواز میں تنبیہہ تھی۔ وہ بادل ناخواستہ اس کے ساتھ چلتا ہوا برآمدے تک آیا۔

"کیسی ہو اریج بیٹا۔" بابا نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"بالکل ٹھیک ہوں' تم لوگ کیا پڑھ رہے ہو۔" اس نے بابا کے پاس بیٹھتے ہوئے نور اور نومی سے پوچھا تو نور قدرے منہ بنا کر بولی۔

"بابا نے ابھی سے انگلش پڑھانا شروع کر دی ہے۔" بابا ہنس دیے۔

"ٹھیک ہے' تمہاری آپی کے آنے کی خوشی میں چھٹی کر دیتے ہیں۔"

نور العین نے تیزی سے کتابیں سمیٹ کر رکھ دیں۔ وہ چند دن قبل ہی نور سے ملی تھی' نور تو خوشی سے اچھل ہی پڑی تھی کہ اتنی پیاری لڑکی اس کی آپی تھی' بابا اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ ارمغان ستون سے لپٹی بیل کے سبز پتے نوچ نوچ کر نیچے پھینکتا رہا۔ عینی نے مشین بند کی اور فرش دھونے لگی تھی' تھوڑی دیر میں بابا اٹھ گئے۔

"سچ آپی! میرا دل چاہتا ہے میں یہیں آجاؤں۔"

"تو آجاؤ نا۔" عینی نے مڑ کر کہا۔ تب ہی ارمغان پر نظر پڑی تو چیخ اٹھی۔

"ارمغان! کیا کر رہے ہو۔ ساری بیل کا ستیاناس کر دیا ہے۔" ارمغان کے قریب پتوں کی ڈھیری سی لگ گئی تھی۔

اریج نے شاکی نظروں سے ارمغان کو دیکھا۔

"صرف ارمغان کی وجہ سے نہیں آتی۔ اس نے ابھی تک مجھے اپنی بہن تسلیم نہیں کیا۔"

ارمغان نے اس سختی سے اپنا ہونٹ کاٹا کہ اس سے خون چھلکنے لگا۔ اک اذیت سی رگ و پے میں سرائیت کر گئی۔ تب ہی تند و تلخ اور رکھائی لیے لہجے میں گویا ہوا۔

"آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تو پھر میں آجاؤں؟" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔ اس کے وجود سے پھوٹتی خوشبو نے اسے بے

چین سا کر دیا۔

"تو پھر آجاؤں بھائی۔" اریج نے دوبارہ پوچھا۔

ہر بار اک کوڑا سا اس کے وجود پر پڑتا تھا۔

"آپ کی مرضی ہے۔" اس کا لہجہ ہنوز وہی تھا۔

"خوش بخت آپی۔" اریج نے غصہ میں کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ ارمغان کے کندھوں پر رکھے' ارمغان کو لگا' اک پہاڑ سا بوجھ اس کے دونوں کندھوں پر آگرا ہے۔

"ارمغان مجھ سے چھوٹا ہے یا بڑا۔"

"بڑا ہی ہو گا۔" خوش بخت کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس سچویشن کو کیسے سلجھائیں۔ ارمغان کو کتنا سمجھایا تھا بابا نے اور خود انہوں نے بھی۔

"ہو گا کیا مطلب' ٹھیک ٹھیک بتائیں نا۔"

"بڑا ہی ہے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"تو پھر یہ مجھے آپ۔۔۔ آپ کیوں کہہ رہا ہے۔" اس نے ہاتھ ہٹائے۔ ارمغان کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"اس کی تو تم بات ہی چھوڑو۔" عینی کام ختم کر کے ادھر ہی چلی آئی۔ "نجانے کیا ہو گیا ہے اس کو' ہر وقت صم بکم بیٹھا رہتا ہے۔ سوال کچھ کرو' جواب کچھ اور ملتا ہے۔"

"بھائی تو اب آئس کریم کھلانے بھی نہیں لے جاتے۔" نور نے بھی شکایت کی۔

"پتا ہے آپی!" اریج مڑ کر ان کے پاس بیٹھی۔ "کچھ عرصے پہلے میں اک فلاور شاپ پر کام کرتی تھی۔"

"تم کام کرتی تھیں۔" عینی نے بے حد حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں' وہ میرے یونیورسٹی فیلو کی شاپ تھی۔ میں نے یونہی جسٹ فار انجوائے منٹ کام کیا تھا تھوڑا عرصہ۔"

"بڑے عیش تھے تمہارے۔ انجوائے منٹ کے نام پر کیا کیا کرتی تھیں۔" عینی نے کہا۔

"عیش کہاں یار۔۔۔ وقت بھی تو کاٹنا تھا۔"

ارمغان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "آپی! میں باسط کی طرف جا رہا ہوں۔"

"ارے۔۔۔ ارے بھاگے کہاں جا رہے ہو بھائی!" اریج چلائی۔ "آپی! پہلے ان سے پوچھیں۔ یہ ہر روز وہاں سے پھول کس کے لیے خریدا کرتے تھے۔"

"کیا۔۔۔؟" عینی اور نور چیخیں۔ ارمغان نے بیل کی اک پوری شاخ نوچ ڈالی۔

"اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ ہمیشہ وہ پھول وہیں شاپ پر چھوڑ آتے تھے۔"

"شٹ اپ۔۔۔" ارمغان ایک دم اس کی سمت گھوما۔ "ول یو شٹ اپ پلیز۔" اس کی آنکھیں سرخ

ہو کر جلنے لگی تھیں۔

خوش بخت نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر ارمغان کو دیکھا' پھر ہکا بکا کھڑی اریج کو ارمغان کچھ لمحے اپنی سرخ نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑے کھڑا رہا۔ پھر جھٹکے سے مڑ کر باہر نکل گیا۔ سب جہاں تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔

ارمغان کا رویہ اسے اپ سیٹ کر گیا تھا۔

"ایسا کیا کہہ دیا تھا میں نے۔" اس نے نم آنکھوں سے کئی بار خوش بخت سے سوال کیا تھا۔ وہ خاموش بس اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ عینی نے کئی بار اسے تسلی دی تھی۔

"یار! وہ ایسا ہے۔ تم دل پر مت لو۔"

"پہلے تو ایسے نہیں تھے۔" نور نے بھی کئی بار یہی بات کہی تھی۔

"تمہیں ارمغان کے رویے پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بابا کا گھر ہے اور ہم تمہاری بہنیں۔" خوش بخت نے مستحکم لہجے میں کہا تھا۔ اور پیاسے صحرا کو چند بوندیں ہی بہت تھیں۔ وہ کب سے آنکھیں موندے یہی سب سوچ رہی تھی۔

"لو اریج! جلدی سے پکڑو' ٹھنڈا ٹھار فالسے کا شربت۔" عینی نے آکر اسے چونکا دیا۔ شربت سے بھرا جگہ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"شربت تو میں پی لوں گی۔ پہلے تم یہ بتاؤ' یہ آذر کون ہے؟" اریج نے پوچھا تو عینی نے چونک کر نور کو دیکھا' وہ پوری دلجمعی سے جامنیں کھانے لگی۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"ابھی ابھی موصوف کا فون آیا تھا۔" اریج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ارے تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہ روانی میں بولی۔

"کیونکہ وہ تم سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔" اریج ہنوز اسی لہجے میں بولی تھی۔

"کیا مطلب؟" دوسرے پل اسے سمجھ میں آیا کہ فون وون سب بکواس ہے یہ ساری شرارت نور کی ہے۔

کیونکہ اس نے اریج کے سامنے پڑے کارڈز دیکھ لیے تھے۔

"نور کی بچی۔" وہ اسے گھورتے ہوئے لپکی۔ تو وہ جامنیں چھوڑ چھاڑ باہر کی طرف بھاگی تھی۔ اریج نے مسکراتے ہوئے شربت کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔ عینی نور کی ٹھیک ٹھاک کھنچائی کر کے ہی لوٹی تھی۔

"اچھا یہ تو بتاؤ' شادی کب تک متوقع ہے۔"

"یہ تو آذر کے حالات پر منحصر ہے۔" اس نے اریج کے سامنے پڑے آذر کے بھیجے کارڈز اکٹھے کرنے شروع کیے۔ نجانے کب چابی نور کے ہاتھ لگ گئی تھی۔

"مطلب۔۔۔؟"

"آذر کی ابھی جاب نہیں ہوئی اریج! اور خالو کے مرنے کے بعد ساری ذمہ داری آذر کے کندھوں پر ہے۔ آذر کی تین بہنیں غیر شادی شدہ ہیں۔ جب تک وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو جاتا شادی نہیں کر سکتا۔"

"اور تم تب تک کیا کرو گی؟" اریج نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ظاہر ہے انتظار' جو گزشتہ دو سال سے کر رہی ہوں۔" اس نے سب کچھ سمیٹ کر الماری کے نچلے خانے میں سنبھال کر رکھ کر لاک کر دیا۔ "میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہی اس لیے لیا ہے کہ مجھے کوئی شادی کے لیے فورس نہ کر سکے۔"

"لیکن عینی! کب تک' ارے وہ اگلے پانچ برسوں تک ان ذمہ داریوں سے۔۔۔"

"پانچ برس۔۔۔ میں نے تو ساری عمر اس کے نام لکھ دی ہے۔" وہ ہولے سے ہنسی۔ اریج بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اور آذر۔۔۔ وہ کیا کہتا ہے۔"

"اس کو کیا کہنا ہے' جب بھی کبھی ملاقات ہوتی ہے لڑائی پر ہی ختم ہوتی ہے۔ موصوف اپنا سارا ڈپریشن مجھ پر ہی نکالتے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔ تب ہی خوش بخت اندر آئیں۔

"عینی! ذرا آٹا تو گوندھ دو۔"

"جی آپی۔" وہ فوراً" ہی اٹھ گئی۔

"آپی! آپ کے پاس امی کی تصویریں ہیں۔" اریج نے پوچھا۔

"ہاں دکھاؤں۔" انہوں نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ البم نکال لائیں نور بھی آ گئی۔

"امی زندہ ہوتیں تو یقیناً" مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتیں۔" اس نے ماں کی تصویر پر نظریں جما کر پوچھا۔

"یقیناً"۔ "خوش بخت کھو سی گئیں۔ ماں سے سب سے زیادہ قریب وہی تو تھیں۔

"امی بالکل آپ جیسی تھیں آپی۔" اس نے سر اٹھا کر خوش بخت کو دیکھا۔

"ہاں' سب یہی کہتے ہیں۔"

"میرے لیے تو آپی ہی سب کچھ ہیں' امی تو مجھے یاد بھی نہیں۔" نور نے پیار سے خوش بخت کے گلے میں بانہیں ڈال دیں' تو وہ مسکرا دیں۔

"اور ارمغان بالکل بابا پر گیا ہے۔"

"آپی! میں کس پر چلی گئی آپ میں سے تو کسی کی آنکھیں نیلی نہیں ہیں۔" اریج نے پوچھا تو نور بول اٹھی۔

"آپ کی آنکھیں بابا پر گئی ہیں۔ ان کی آنکھوں کا رنگ عجیب سا ہے، کبھی نیلا لگتا ہے تو کبھی سبز۔"
یونہی البم دیکھتے مغرب کی اذان ہونے لگی۔ خوش بخت نے ایک بار سوچا کہ اسے گھر جانے کو کہیں۔ پھر خاموش ہو گئیں۔ سب ہی مغرب کی نماز پڑھنے لگے۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔
نماز کے بعد خوش بخت نے روٹی پکائی، عینی اور نور نے دسترخوان بچھا کر برتن چن دیے۔ بابا اور ارمغان اکٹھے مسجد سے واپس آئے تھے۔ اسے وہیں موجود دیکھ کر ٹھٹک سے گئے۔ بابا نے بے اختیار پوچھا تھا۔
"ابھی تک گھر نہیں گئیں اریج بیٹا۔"
"یہ میرا گھر نہیں ہے بابا؟"
"وہ تو ٹھیک ہے، پھر بھی جلدی گھر چلی جایا کرو، ماں انتظار کرتی ہوگی۔ بیٹیوں کو یوں شام ڈھلے گھر سے باہر نہیں رہنا چاہیے۔"
"بابا! ممی میرا کبھی انتظار نہیں کرتیں۔" اریج نے لاپروائی سے کہا تو وہ کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے دسترخوان پر بیٹھ گئے۔
خوش بخت نے مٹر پلاؤ بنایا تھا، دہی کا رائتہ اور سلاد، بابا کے لیے روٹی اور انڈوں کا سالن تھا۔ ٹی وی آن تھا۔ صحن میں ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ مگر جامن کے پتوں پر اندھیرا پر پھیلائے اونگھ رہا تھا۔ پرندوں کے پنجرے میں بالکل خاموشی تھی۔ ارمغان خاموشی سے نوالے لے رہا تھا۔ جبکہ سب ہی خوش گپیوں اور ہلکی پھلکی باتوں کے ساتھ کھانے میں مگن تھے۔
اسے یوں سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا بہت اچھا لگا۔ لیکن یہ سارا مزا تب کرکرا ہوا جب کھانے کے بعد بابا نے ارمغان سے کہا کہ وہ اریج کو گھر چھوڑ آئے۔
"کون... میں...؟" ارمغان کا "میں" خاصا تعجب خیز تھا۔
"نہیں، میں لے جاتی ہوں بائیک پر۔" عینی سرگوشی کر کے ہنسنے لگی، ارمغان نے اسے بری طرح گھورا۔
"ہاں... تم... رات ہونے والی ہے۔" وہ حتمی انداز میں کہہ کر اٹھ گئے اور صحن کے کونے میں لگے واش بیسن پر جا کر کلی کرنے لگے۔
"چلو۔" ارمغان نے بنا اس کی طرف دیکھے روکھے سے لہجے میں کہا تھا۔ اریج کا اٹھنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر مجبوراً "اٹھنا پڑا" ارمغان نے موٹر سائیکل باہر نکالی تو وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔
ارمغان نے بائیک اسٹارٹ کی۔
"سنبھل کر بیٹھو..."
ارمغان دکھ کی منزل عبور کر کے وہاں کھڑا تھا۔ جہاں شدید غصے کی حد شروع ہوتی تھی۔
"دھیان سے چلانا ارمغان! میں کبھی بائیک پر نہیں بیٹھی۔"

ارمغان نے بائیک چلائی نہیں اڑائی تھی۔ وہ اس کی شرٹ دبوچے چیختی رہی کہ آہستہ چلاؤ، مگر اس نے بس گھر کا پتا پوچھا تھا۔ اور گیٹ کے سامنے جب بائیک رکی تو اریج کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔
"ارمغان! کون سی دشمنی نکال رہے ہو مجھ سے۔" وہ خفگی سے گویا ہوئی۔
"چلتا ہوں اب۔"
"اندر تو آؤ ارمغان۔" اس نے محبت سے اصرار کیا۔
"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ رکا ہی نہیں۔
"پتا نہیں، یہ مجھ سے اتنا خفا کیوں ہے؟"
وہ یہی سوچتی ہوئی اندر آئی تو لان میں تیمور کو دیکھ کر اس کی طرف آ گئی۔ تیمور شاید واپس جانے کے ارادے سے اٹھا تھا۔
"ہائے تیمور۔" اس کی نیلگوں آنکھوں میں کسی دیرینہ دوست کے ملنے کی خوشی جگمگائی تھی۔
"تم جاپان سے کب لوٹے تیمور؟"
"کل رات۔" وہ مسکرا دیا۔ "میں اب واپس جانے ہی والا تھا۔"
"تھینک گاڈ! میں وقت پر آ گئی۔" وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔
"سب لوگ کیسے ہیں؟"
"ٹھیک ٹھاک۔"
"فواد واپس چلا گیا؟"
"معلوم نہیں، تم کیا لوگے ٹھنڈا یا۔"
"میں جوس لے چکا ہوں۔"
"تمہارا کام ہو گیا؟"
"ہاں تقریباً۔" تیمور نے مختصراً جواب دیا اور بغور اسے دیکھنے لگا۔
"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" وہ کچھ پزل سی ہو گئی۔
"اریج۔" وہ ذرا سا آگے جھکا۔ "تم بہت خوش ہو۔"
اریج نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر مسکرا دی۔
"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"
"یہ جو تمہارا چہرہ ہے نا کھلی کتاب کی طرح، ایسی کھلی کتاب جس کی تحریر ہر کوئی نہیں پڑھ سکتا، سوائے تیمور آفندی کے۔"
"اوہو... اتنا کانفیڈنس ہے خود پر۔"
"نہیں ہونا چاہیے؟"

"ہاں، تم کہہ سکتے ہو۔" اس نے آرام سے اعتراف کیا۔ تیمور ذرا سا چونک گیا۔
"اس خوشی کا سبب صرف میں تو نہیں ہو سکتا، اصل وجہ بتانا پسند کریں گی آپ۔"
"تیمور..." اس نے کچھ لمحے سوچا پھر اسے لگا وہ تیمور سے کچھ نہیں چھپا سکتی۔
"تیمور! تمہیں پتا ہے، میں سیٹھ عثمان کی بیٹی نہیں ہوں۔"
"واٹ ڈو یو مین۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔
اریج ایک طویل سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔ گویا تیمور بھی اس حقیقت سے سب کی طرح لاعلم تھا۔
"آؤ تیمور... تھوڑی واک کرتے ہیں۔"
تیمور کچھ الجھ کر اس کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل گیا۔ سکوت کا پنچھی اس اداس سی شام میں پر پھیلائے اونگھ رہا تھا، طویل سڑک کے گرد یوکلپٹس کے درختوں کی شاخوں سے خاموشی لپٹی تھی۔
"بہت عرصے سے تمہارا موبائل ہمیں ڈسٹرب نہیں کرتا۔"
تیمور نے گردن موڑ کر ساتھ چلتی لڑکی کو دیکھا، کیا یہ نہیں جانتی کہ جس لمحے اس نے خالص لمحے کی خواہش کی تھی، وہ سب کچھ گاڑی میں بھول آتا تھا۔
"تم کیا کہنا چاہ رہی تھیں؟" تیمور نے اس کا سوال یکسر نظرانداز کر دیا۔ اسے لگتا تھا محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ اس کا اظہار تو رویوں سے ہوتا ہے۔

"(اور یہ کیوں نہیں جان لیتی کہ کل جس پل میں نے ایرپورٹ سے باہر قدم رکھا تھا، سب سے پہلے اسے دیکھنے کی چاہ نے میرے دل کا ہاتھ تھاما تھا، اسی چاہ کا ہاتھ تھام کر آیا تو تم وہاں نہیں تھیں۔)
"تیمور! میں ممی کی اصلی اولاد نہیں ہوں، انہوں نے مجھے گود لیا تھا۔" اریج نے سنجیدہ سے لہجے میں جواب دیا۔
تیمور کے چلتے قدم ایک دم زنجیر ہو گئے۔ اریج نے اس کی نگاہوں کی بے یقینی دیکھی اور یوکلپٹس کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔
"یہی سچ ہے۔" اس سے قبل کہ وہ کوئی سوال کرتا اس نے گویا تصدیق کی تھی۔
تیمور خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں کی بے یقین کیفیت ختم ہو گئی تھی اور اس سے آگے نگاہوں کی زبان اریج کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
"میں نے انہیں ڈھونڈ لیا ہے تیمور..." اس نے سر اٹھا کر شاخوں سے پرے اڑتے پرندے کو دیکھا پھر دوبارہ تیمور کو۔

"وہ بالکل ویسے ہی ہیں تیمور... جیسا میں نے سوچا تھا۔ محبت کرنے والے، محبتوں کا اظہار کرنے والے، ان کے پاس ایک دوسرے کے لیے وقت ہوتا ہے۔ بنا کہے ایک دوسرے کا دکھ جان لینے والے۔"
"تو تم اس لیے خوش تھیں۔" تیمور نے تنے پر ہاتھ ٹکا کر اس کے چہرے پر چھلکتے بے پایاں خوشی کے

احساس کو جانچا۔
"کیا یہ خوشی کی بات نہیں؟" اس نے جواباً پوچھا۔
"یقیناً ہے۔" تیمور کا لہجہ نارمل سا تھا۔
"تمہیں حیرت نہیں ہوئی تیمور! کہ میں اک معمولی اسکول ماسٹر کی بیٹی ہوں۔"
"آئی ایم شاکڈ..." اس نے ایمانداری سے اعتراف کیا۔
"اس شاک کے بعد تم مجھ سے ملنا گوارا نہیں کرو گے، ہے نا؟" اریج نے کس سفاکی اور یقین کے ساتھ سوال کیا تھا۔ حقیقتاً وہ شاکڈ پہلے نہیں اب ہوا تھا۔
"اریج..." اس کے لہجے اور آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔
"کیونکہ تم جس طبقے سے تعلق رکھتے ہو، وہاں ملنے سے پہلے اسٹیٹس دیکھا جاتا ہے۔ آج اگر میں رباب، فوادیا جمشید کو یہ سب بتاتی تو وہ بھی یہی کرتے۔"
تیمور کا دل چاہا سامنے کھڑی لڑکی کا خوبصورت چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دے، اسے ان سارے لمحوں کے رائیگاں جانے کا افسوس ہوا جو اس نے اس لڑکی کی جھولی میں ڈالے مگر لگتا تھا وہ جب اس سے الگ ہوتی تھی تو اس لمحے کو وہیں کہیں بھول جاتی تھی۔

کسی سڑک کے کنارے
کسی درخت کی کھوہ میں
کسی ریستوران کی میز پر

تیمور کو لگا وہ سارے لمحے سڑک کے کنارے پڑے خالی ڈسٹ بن میں ڈال آئی ہے، ورنہ کوئی ایک لمحہ تو اس کا دامن پکڑتا، اسے یہ بات کہنے سے روکتا۔ اریج نجانے کیا کہہ رہی تھی، تیمور دو قدم پیچھے ہٹا۔
(تو ہوا یہ اریج عثمان! کہ تم بدگمان کی بدگمان ہی رہیں۔ شاید میری محبت میں کوئی کمی تھی۔ شاید تیمور آفندی تمہیں محبت کرنا آیا ہی نہیں لیکن اریج... زندگی میں کبھی ایسا لمحہ بھی آئے گا جو تمہیں تمہارے الفاظ کی بدصورتی کا احساس دلائے گا، مجھے اسی لمحے کا انتظار رہے گا۔)
اریج نے ایک دم خاموش ہو کر دور جاتے شخص کو دیکھا۔
"اور میں نے سوچا تھا کہ یہ شخص... یہ شخص تیمور آفندی سب سے مختلف ہو گا، حالانکہ میں جانتی تھی یہ اسٹیٹس کمپلیکسز میں مبتلا دولت کے پجاری، محبت و خلوص اور وفا کو پرانی قدریں سمجھنے والے جب بھی میرے بارے میں جانیں گے تو ان کا ردعمل یہی ہو گا۔ مگر یونہی اک گمان سا تھا کہ یہ شخص... مگر تیمور آفندی! تم بھی وہی نکلے۔ اریج عثمان! تم جانتی تھیں کہ یہی ہو گا مگر پھر بھی یہ دل کے اندر خالی پن سا کیوں بڑھنے لگا ہے۔ ایسا کیوں لگتا ہے کہ تمہارے وجود کا ایک حصہ گم ہو گیا ہے۔"
یوکلپٹس کے درختوں کے سائے میں کھڑی نجانے کب تک وہ یہی سوچتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ اندھیرے نے پوری کائنات کو نگل لیا۔

بہت سے دن آگے پیچھے کھسک گئے۔ تیمور پھر نہیں آیا۔ ممی نے اسے اس کے حال پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ بوکھلائی سی پھر رہی تھی۔ اسے اپنی کیفیت خود ہی سمجھ میں نہ آتی۔

"کیا یہ تیمور کی بے اعتنائی کی وجہ سے ہے۔"

وہ اکثر بے حد خاموشی سے سوچا کرتی۔

"لیکن ایسا کیوں ہوا' میں تو اس میں انٹرسٹڈ نہ تھی پھر یہ دکھ کیسا؟"

ان ہی دنوں بہت اچھی خبر یہ ملی کہ آذر کو جاب مل گئی تھی۔ عینی نے اسی خوشی میں سب کو گلاب جامن بنا کر کھلائے۔ آذر بھی مٹھائی لے کر آیا مگر اریج کے آنے سے قبل وہ جا چکا تھا۔ جاب پرائیویٹ تھی مگر کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا۔ اس کی امی نے فوراً" بڑی بیٹی کے لیے رشتہ ڈھونڈنا شروع کر دیا لیکن اس سارے ہنگامے میں وہ ایک دم چپ کر جاتی یا بات کرتے کرتے کہیں کھو جاتی۔

"کوئی پرابلم ہے اریج.....؟" ایک دن خوش بخت نے پوچھا تو وہ چپ سی ہو گئی مگر اسے لگا اسے کسی رازداں کی ضرورت ہے۔

"آپی! لوگ بدل کیوں جاتے ہیں؟"

"کون بدل گیا گڑیا؟" انہوں نے محبت سے پوچھا۔ اور وہ تیمور کا نام لیتے لیتے رک سی گئی۔

"کوئی نہیں۔"

"اریج! تمہاری ممی نے تمہاری شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" انہوں نے دال چنتے ہوئے پوچھا۔

"ممی نے کیا سوچنا ہے' سوچنا تو مجھے ہے۔" وہ ذرا سی ہنسی۔

"آپی بھول جاتی ہیں کہ تمہارا تعلق اپر کلاس سے ہے۔" عینی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی۔ مسکرا کر کہنے لگی۔

"میرا تعلق تو تم لوگوں سے ہے۔" اریج سنجیدہ ہو گئی۔ "اور ہماری کلاس میں کچھ نہیں رہا۔ نہ رشتوں میں خلوص' نہ آنکھ میں مروت' وہ لوگ ہاتھ ملانے سے پہلے اسٹیٹس دیکھتے ہیں۔ دولت کے پجاری' اقتدار کے رسیا' غرض کے بندے۔"

"یہ صرف اپر کلاس کا المیہ نہیں ہے اریج! یہ تو عمومی رویہ بنتا جا رہا ہے۔ ہر کوئی اس کی لپیٹ میں آ رہا ہے۔"

"لیکن تم لوگ بھی تو ہو۔ محبت کرنا اور برتنا جانتے ہو۔ تم لوگوں کے پاس وقت ہے ایک دوسرے کی خوشیاں شیئر کرنے کا۔ میں تو ترس جایا کرتی تھی۔ کبھی ممی کے پاس بھی اتنا وقت ہو کہ میں ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ سکوں' کبھی انہیں بھی میری برتھ ڈے یاد ہو' کبھی وہ بھی میرے ساتھ بارش انجوائے کر سکیں۔"

"ہر کسی کا کیئر کرنے کا اپنا انداز ہوتا ہے اریج! محبت کرنے اور اس کے اظہار کے اپنے طریقے۔ اگر وہ اپنی مصروفیات کی بنا پر یہ سب نہیں کر سکتیں تو تم ان پر محبت نہ کرنے کا الزام نہیں دھر سکتیں۔" خوش بخت نے رسانیت سے سمجھایا تھا۔

"محبت تو ہم سے روٹھ ہی گئی ہے۔" اس کی آنکھیں ایک دم نم سی ہو گئیں۔ "ایسا نہ ہوتا تو عدن ایک بار تو آنکھیں کھول کر دیکھتا مگر وہ جانتا تھا اب ماؤں کے سینے میں ممتا نہیں جاگتی۔ ہمارے ہاں لوگوں کو ٹشو پیپر یا کریڈٹ کارڈ کی طرح یوز کیا جاتا ہے' استعمال کیا اور پھینک دیا۔"

اس کی نگاہوں میں شائستہ کا سجا بنا وجود آ گیا۔

"ہمارے ہاں محبت کا نام دیتے ہیں' محض وقت گزاری کے کھیل۔"

کسی نے اس کے گال کو دھیرے سے چھو کر کہا تھا۔

"تم کتنی خوبصورت ہو اریج! یوں لگتا ہے مجھے تم سے محبت ہو جائے گی۔"

وہ اک جھرجھری لے کر رہ گئی' بہت عرصے کے بعد اس پر وہی کیفیت طاری ہوئی تھی۔ وہی اضطراب' وہی خالی پن' بائیں ہاتھ سے دایاں بازو ہولے ہولے دباتے ہوئے وہ مسلسل بول رہی تھی۔ خوش بخت نے بے اختیار اس کا کندھا ہلایا۔

"اریج! کیا ہو گیا....." وہ ایک دم ان کی گود میں سر رکھ کر رو دی۔

"آپ لوگ اچھے ہو آپی! ہمارے ہاں کسی کو کسی کی مجبوری سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے ہاں کوئی کسی کا انتظار نہیں کرتا' سب چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ بھی جو سب سے مختلف نظر آتے ہیں۔ تیمور بھی مجھے چھوڑ گیا خوش بخت آپی..... وہ بھی مجھے چھوڑ گیا اور میں اسی دن سے ڈرتی تھی' تب ہی اس کی محبت کا جواب محبت سے نہ دے پائی۔ مگر میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا جب وہ مجھے چھوڑ جائے گا تو میں زندہ کیسے رہوں گی۔ میں جو اس سے واقعی محبت کرنے لگی تھی۔"

ہاتھ میں شرٹ پکڑے اندر آتا ارمغان جہاں تھا' وہیں کھڑا رہ گیا۔ خوش بخت نے سر اٹھا کر ارمغان کے فق چہرے کو دیکھا اور سر جھکا کر اریج کو خاموش کروانے لگیں۔

صورتحال بتا رہی تھی کہ ابھی ابھی کچھ خاص مہمانوں کو رخصت کیا گیا ہے۔ میز پر ابھی تک ادھ کھایا کیک' بچے ہوئے سموسے اور پیٹیز موجود تھے۔ عینی برتن سمیٹ رہی تھی۔

"کیا کوئی خاص مہمان آئے تھے۔" اس نے شولڈر بیگ کرسی پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"خاص تو نہیں۔ میری یونیورسٹی فیلو ہے ثوبیہ' اس کے امی۔ ابو....."

"عینی آپی کا رشتہ لے کر آئے تھے۔" نور ٹپک پڑی۔

"ارے... تمہاری کلاس فیلو کو پتا نہیں تھا کہ تم پہلے سے انگیج ہو۔" اریج نے حیرت سے دریافت کیا۔

"اب باقاعدہ انگیجمنٹ ہوتی تو میں اسے بتا بھی دیتی۔ بچپن میں خالہ اور امی کے درمیان بات ہوئی تھی۔" وہ چیزیں اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

"مگر تمہارا اور آذر کا تعلق تو بہت مضبوط ہے۔" وہ اس کے پیچھے چلی آئی اور دروازے میں کھڑے ہو کر پوچھنے لگی۔

"ظاہر ہے' وہ تو ہے..." عینی بچے ہوئے کیک کے پیس بنانے لگی۔

"تمہیں پتا تھا کہ یہ لوگ آئیں گے۔"

"پتا ہوتا تو وہیں منع کر دیتی۔" اس نے پلیٹ میں کیک کا بڑا سا ٹکڑا رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔ اریج نے پلیٹ تھام لی تو وہ لیٹر پیک میں بچی ہوئی پیپسی گلاس میں ڈالنے لگی۔

"سچ اریج آپی! اتنے امیر لوگ ہیں' اتنی بڑی گاڑی میں ڈھیر سارا پھل اور مٹھائی لے کر آئے تھے۔ عینی آپی! میں تو کہتی ہوں' چھوڑیں آذر بھائی کو' کچھ بھی نہیں ہے ان کے پاس' عیش ہو جائیں گے آپ کے' سنا ہے ان کی دو کنال پر کوٹھی ہے۔" نور بے حد متاثر ہوئی تھی۔

"نور بی بی! آپ یہ کیک کھائیں۔" وہ کیک کا ٹکڑا اس کے منہ میں ٹھونس کر اریج کو ساتھ لے کر باہر نکل گئی۔ ارمغان ابھی ابھی آفس سے لوٹا تھا' بائیک کھڑی کر کے واش بیسن پر ہاتھ منہ دھونے لگا۔

"عینی! کھانا نکال دو میرے لیے۔" اس نے اریج کو یکسر نظر انداز کر کے عینی سے کہا تھا۔

"ہیلو ارمغان..." اریج بھی ایک ڈھیٹ تھی' اس کی تمام تر بے اعتنائی کے باوجود اس سے بات کرنا نہیں چھوڑتی تھی۔

"ہیلو..." اس کے لہجے میں رکھائی کی جگہ سنجیدگی آ گئی تھی۔ تولیے سے منہ صاف کرتا بیٹھک میں چلا گیا۔

اریج ہنسنے لگی۔

"تم دیکھنا' ایک دن یہ بھی مجھے اپنی جان تسلیم کر لے گا۔"

"پتا نہیں ہو کیا گیا ہے اس کو۔ پہلے تو ہر بات مجھ سے شیئر کرتا تھا' اب پوچھو تو کہہ دیتا ہے' آفس کی پرابلم ہے۔" عینی قدرے تشویش سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے' اسی پھول والی کا چکر ہے۔" اریج نے خیال آرائی کی۔

"ایسا کچھ ہے تو بتائے بھی۔ جہاں شادی کا نام لو' وہاں ہتھے سے اکھڑ جاتا ہے۔" عینی نے گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

"میں کھانا دے دوں۔"

"اریج اور نومی کہاں ہیں؟"

"نومی تو کھیلنے نکلا ہے۔ آپی بیٹھک میں بابا کے پاس ہیں۔" عینی کہہ کر کچن میں چلی گئی' کچھ لمحوں کے بعد خوش بخت آ گئیں۔

"اریج آئی ہے۔"

"آپی! بابا نے کیا کہا؟" عینی ان کے پیچھے ہی اندر آئی تھی۔

"رشتہ بہت اچھا ہے۔"

"آپی..." وہ احتجاجاً چلائی۔

"بابا نے کیا کہنا ہے' یہی کہا ہے کہ عینی سے پوچھ لو۔"

"لو مجھ سے کیا پوچھنا ہے انکار کر دیں بس... آپی! کہیں بابا یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ یہ لوگ میری ایماء پر..." اسے ایک دم خیال آیا تھا۔

"بھئی... وہ جو بھی سوچتے ہیں' تم اپنا فیصلہ دو۔"

"میں نے تو..." اس کا جملہ ارمغان کے آنے پر ادھورا رہ گیا۔ اس نے ایک نظر سب کو دیکھا پھر خوش بخت سے کہنے لگا۔

"آپی! طارق بھائی آئے ہیں۔"

"طارق..." وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہوئیں۔ "کہاں ہیں؟"

"بابا کے پاس۔"

"تو میں کیا کروں۔" وہ جھنجلا کر واپس بیٹھیں۔ اریج نے قدرے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"اور اب وہ کیا لینے آئے ہیں؟" عینی کو غصہ آ گیا۔

"بابا آپ کو بلا رہے ہیں۔" ارمغان نے کہا۔ "بات کر لیں ان سے۔"

"میں... میں کیا کروں گی ان سے باتیں کر کے۔" انہوں نے بے بسی سے بھائی کو دیکھا۔ ارمغان نے آگے بڑھ کر اپنا مضبوط بازو خوش بخت کے کندھے پر پھیلایا۔

"آپی! بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں' آپ کا بھائی آپ کے ساتھ ہے۔"

خوش بخت کچھ لمحے سوچتی رہیں' پھر اثبات میں سر ہلا کر ارمغان کے ساتھ باہر نکل گئیں۔

"کولڈ رنک اور ساتھ میں کچھ بھجوا دو۔" ارمغان نے دروازے سے پلٹ کر عینی سے کہا تھا۔

"زہر نہ بھجوا دوں۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"عینی۔" اریج نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" وہ اضطراری انداز میں ہونٹ کاٹنے لگی۔

"آپی کا طارق بھائی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے۔" اریج نے پوچھا تو وہ ایک دم چیخ گئی۔
"کوئی جھگڑا....."
"آنی..... آنی..... آپ نے دیکھا' میرے ابو آئے ہیں۔" نومی خوشی سے جگمگاتا چہرہ لیے اندر آیا تھا۔
"دفع ہو یہاں سے ابو کا چیتا۔"
"عینی! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" اریج چکرا گئی تھی۔
"دوسری شادی کر چکے ہیں موصوف' گزشتہ ایک سال سے نومی اور آپی یہاں ہیں اور انہیں خیال نہیں آیا اور اب....."
"عینی....." اریج لڑکھڑا سی گئی۔
عینی اسے تفصیل بتانے لگی تھی۔ اس کا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔ خوش بخت کا مطمئن اور مسکراتا چہرہ دیکھ کر کون جان سکتا تھا کہ وہ اس کرب سے گزر رہی ہیں۔ وہ بے دم سی ہو کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور بے یقینی سے ساری تفصیل سننے لگی۔

سارا گھر خاموش ہو گیا تھا۔ ہر کوئی اپنی ہی سوچ میں گم' اریج کو اپنا وجود ان سب کے درمیان اضافی سا لگتا' ارمغان اور خوش بخت بابا کے ساتھ مل کر نجانے کن گتھیوں کو سلجھاتے رہتے تھے۔ طارق اس دن کے بعد کئی بار آئے تھے۔ وہ خوش بخت کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ اپنی غلطی کا احساس بخوبی ہو گیا تھا انہیں۔ بعض مجبوریوں کی بنا پر وہ دوسری بیوی کو طلاق نہیں دے سکتے تھے۔ مگر خوش بخت کو علیحدہ گھر لے کر دینے کو تیار تھے۔ بابا نے فیصلہ خوش بخت پر چھوڑا تھا اور وہ کوئی فیصلہ بھی نہ کر پاتی تھیں۔
دوسرے عدیل کے گھر والے بار بار چکر لگا رہے تھے۔ ان کے بیٹے نے عینی کو یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔ اور اب وہ اسی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

"تم اگر اس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو صاف انکار کر دو۔"
اریج جھنجلا گئی۔
"کیا ہے' تمہارا کیا خیال ہے' میں خاموش بیٹھی ہوں۔" وہ اس سے زیادہ جھنجلائی تھی۔ آج کل اس کا مزاج یونہی بگڑا ہوا تھا۔
نجانے کیوں اریج کو لگا' وہ اپنے مسئلے اس سے بالا ہی بالا طے کرنا چاہتے ہیں' حالانکہ کسی نے کچھ نہ کہا تھا۔ مگر اریج کے آنے پر وہ سب ایک دم خاموش ہو جاتے تھے۔
"میں چاہوں بھی تو ان میں پوری طرح شامل نہیں ہو سکتی۔"

وہ برگشتہ ہو گئی' اور چاہنے کے باوجود اگلے دو دن تک وہاں نہ گئی۔

دو دن اس نے یونہی گزارے تھے' یا پھر اپنے کمرے میں گھس کر کتابیں دیکھتی یا اکتا جاتی تو گاڑی لے کر سڑکیں ناپنے لگتی۔ اس وقت بھی وہ بددلی سے "شہر وفا میں دھوپ" کی ورق گردانی کر رہی تھی' جب ملازمہ نے آ کر پیغام دیا۔
"آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔"
"کہاں ہیں؟"
"اپنے کمرے میں....."
اس نے کتاب بند کر کے ریک میں رکھی اور اٹھ کر ممی کے کمرے میں آ گئی۔
وہ حسب معمول کسی فائل کے مطالعے میں منہمک تھیں۔ جب سے عامر فارینہ کے ساتھ اس کی فرمائش پر سوئٹزرلینڈ گیا تھا سارا بوجھ ممی پر تھا۔ ممی نے اسے دیکھ کر فائل بند کر دی۔
"آؤ بیٹھو۔" ممی کے سنجیدگی سے کہنے پر وہ ان کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"تم دو دن سے وہاں گئیں نہیں۔"
"جی۔" اسے ممی کی باخبری پر حیرت ہوئی۔
"کیوں؟" انہوں نے اگلا سوال کیا۔
"یونہی۔"
"اچھی بات ہے' میں چاہتی بھی نہیں کہ تم وہاں جاؤ۔" ممی نے پہلی بار اتنے واضح انداز میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

"میں وہاں نہیں گئی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں جاؤں گی بھی نہیں۔" وہ قدرے بدتمیزی سے گویا ہوئی۔ ممی نے اس کی بات کو یکسر نظرانداز کیا۔
"میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تیمور نے تمہارے لیے باقاعدہ پرپوزل بھجوایا ہے۔"
"واٹ....." وہ اچھل ہی تو پڑی۔ "یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"
"اس کی ممی کا کل امریکہ سے فون آیا تھا' اگلے ہفتے وہ لوگ واپس پاکستان شفٹ ہو رہے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں' اسی وقت منگنی بھی ہو جائے۔ یوں بھی تیمور کا گھر مکمل ہو گیا ہے اور وہ وہاں شفٹ بھی کر گیا ہے۔"
"آئی کانٹ بلیو دس۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ پھر ممی سے پوچھنے لگی۔
"کیا انہوں نے تیمور سے پوچھا ہے؟"
"کیا وہ تیمور کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ کر سکتی ہیں۔" انہوں نے الٹا سوال کیا۔ وہ بس الجھ کر انہیں

دیکھنے لگی۔

"میں نے انہیں ہاں کردی ہے؟" ممی نے اطمینان سے بتایا تو وہ متحیر سی انہیں دیکھنے لگی۔

"تمہاری پرابلم یہ ہے کہ اریج! کہ تم نے اعتبار کرنا نہیں سیکھا۔ ورنہ تیمور ایسا لڑکا نہیں کہ جس کے لیے اتنا سوچنا پڑے۔"

"وہ کیسا ہے' میں جانتی ہوں۔ لیکن آپ میری زندگی کے بارے میں اس طرح فیصلہ نہیں کرسکتیں۔" ابھی کچھ دن پہلے اسی تیمور کے لیے وہ خوش بخت کی گود میں سر رکھ کر روئی تھی۔

"تمہاری شادی تیمور سے ہی ہوگی۔"

"میری شادی کس سے ہوگی' یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے۔" وہ تیز لہجے میں گویا ہوئی' ممی نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا۔

"ٹھیک ہے' میں تین دن کے لیے اسلام آباد جارہی ہوں۔ واپس آؤں تو فیصلہ بتادینا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا' فیصلہ تیمور کے حق میں ہونا چاہیے۔" ان کا لہجہ بے لچک تھا۔ وہ کچھ لمحے لب کاٹتی رہی' پھر سر اٹھا کر کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے' میں بابا سے مشورہ کرکے۔"

"بابا۔۔۔" مما نے تند و تیز لہجے میں اس کی بات کاٹی۔ "وہ کون ہوتا ہے تمہیں مشورہ دینے والا۔ تمہیں کچھ ڈسکس کرنا ہے تو مجھ سے کرو۔"

"مما! ہی از مائی فادر۔" وہ احتجاجاً چلائی۔

"ہرگز نہیں' نہ وہ تمہارا باپ ہے اور نہ وہ لڑکیاں تمہاری بہنیں۔ کوئی رشتہ نہیں تمہارا اس گھر کے ساتھ۔" مما گویا ضبط کھو بیٹھی تھیں۔

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔" وہ بلند آواز میں چیخی۔

"جھوٹ میں نہیں' جھوٹ ان لوگوں نے بولا ہے' تمہارے ساتھ' تمہارا اصلی باپ مرچکا ہے۔" انہوں نے گویا بم پھوڑا تھا۔

وہ ششدر سی رہ گئی۔

"نہیں۔۔۔ ممی یہ جھوٹ ہے۔"

"یہی سچ ہے۔ صلاح الدین مرچکا ہے۔" مما کا لہجہ پست ہوا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ وہ پہلے اسی گھر میں رہتا تھا۔ لیکن اب وہ گھر اس کے دوست ماسٹر شجاع کے پاس ہے' جس کو تم اپنا باپ سمجھتی رہی ہو وہ تمہارے باپ کا دوست ہے۔ انہوں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔ میں گئی تھی وہاں ان سے ملی بھی تھی۔ اچھے لوگ ہیں۔ تم بہت خوش تھیں' میں خاموش ہوگئی' مگر کب تک ایک نہ ایک دن تمہیں اس حقیقت کا سامنا کرنا ہی تھا اس لیے۔"

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گئی۔ گویا ہفت آسمان گھوم رہے تھے۔

وہ جنہیں اس نے اپنا سمجھا اس کے نہیں تھے۔

اپنے بیڈ پر گر کر وہ چیخ چیخ کر روئی تھی۔

"کیا اس کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ وہ جس کو اپنا سمجھے' وہی اس کا نہ رہے۔"

❖ ❖ ❖ ❖

بہت گھنا جنگل' مہیب تاریکی' کھل کر برستا آسمان اور کڑکتی بجلیاں۔

وہ رستے کی تلاش میں لمبی گھاس میں ادھر ادھر چکرا رہی تھی۔ مگر وہ لمبی گھاس بار بار اس کے قدموں سے لپٹ کر رستہ روک لیتی تھی۔

"کوئی ہے۔۔۔ کوئی ہے۔۔۔" وہ بند لبوں سے چیخ رہی تھی' ہاتھ پھیلا پھیلا کر کوئی سہارا تلاشتی تھی۔ بادل بہت زور سے گرجے اور وہ بے دم ہو کر گھٹنوں کے بل گر گئی اور اونچا اونچا رونے لگی۔

تب ہی بہت دور سے اسے وائلن کی آواز سنائی دی۔ وہ دیوانہ وار اس کے تعاقب میں دوڑ رہی تھی اور لمبی گھاس' نوکیلی شاخیں' گھنی تاریکی' کانٹوں کا سفر جب اسے لگا کہ بس اس کا سانس اکھڑ جائے گا' وہی فرانسیسی طرز کے دریچوں والا گھر اس کے سامنے آگیا۔ تیز بارش کے ساتھ وہ سفید پھول اس پر برسنے لگے۔

ماربل کی سیڑھیاں اس کے سامنے تھیں۔ اسے لگا' وہ یہ سیڑھیاں کبھی عبور نہ کرپائے گی۔ مگر اوپر سے اٹھتی مانوس سی دھن نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ مگر تیسری سیڑھی پر ہی وہ ساری سیڑھیاں یکلخت غائب ہوگئیں۔ اس سے قبل کہ وہ پشت کے بل نیچے گرتی' کسی نے اسے سنبھال لیا تھا۔

"سنبھل کر۔۔۔" وہ سرگوشی۔

دوسرے پل اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا پورا وجود پسینے پسینے ہو رہا تھا' اسے لگا وہ واقعی کسی جنگل سے بھاگتی آتی ہے اور لمبی گھاس اس کے قدموں سے اب بھی لپٹی ہے۔ اس نے گھبرا کر پاؤں کھینچ لیے۔

"اریج بی بی! کھانا کھالیں۔" ملازمہ اسے پکار رہی تھی۔ اسے اپنی آنکھ کھل جانے کا سبب معلوم ہوا تو ملازمہ پر ہی الٹ پڑی۔

"کیا تکلیف ہے؟"

"وہ بی بی! میں تو۔۔۔"

"گیٹ لاسٹ۔۔۔" ملازمہ نے غائب ہونے میں زیادہ دیر نہیں کی۔

اریج سائیڈ ٹیبل سے گلاس اٹھا کر غٹاغٹ پانی چڑھا گئی۔ پھر اٹھ کر گلاس ڈور کھولا۔ مما کو اسلام آباد گئے آج دوسرا دن تھا اور تب سے اب تک وہ اسی کمرے میں بند تھی۔ اور اس ڈیڑھ دو دن میں وہ اتنا سوچ چکی تھی کہ مزید کچھ بھی سوچنے کی قابل نہ رہی تھی۔

لیکن ایک چیز کی وہ قائل ہو گئی تھی۔
ان کی محبت اور فراخ دلی کی۔
ورنہ کون اک اجنبی لڑکی کو یوں اپنے درمیان جگہ دے کر محبتوں سے نوازتا ہے۔ اسے خوش بخت میں ماں کی ممتا محسوس ہوئی تھی۔
عینی کی دوستی' بابا کی شفقت' نور کی شوخیاں۔
"میں نے کہا تھا متوسط طبقے کے لوگ محبت کرنا جانتے ہیں۔"
نجانے کیوں اب وہ دکھ کی کیفیت محسوس نہ ہو رہی تھی۔
شاید اس نے حقیقت کو قبول کر لیا تھا۔
شاید حقیقت قبول کرنا ہی اس کی مجبوری تھی۔
لیکن اب اس کے دل میں ان لوگوں کی محبت اور قدر کچھ اور بڑھ گئی تھی۔
اب اس کی سمجھ میں آیا تھا' ارمغان اس سے اتنا دور کیوں بھاگتا تھا۔
اسے ارمغان کی بے اعتنائی' رکھائی اور پھر سنجیدگی یاد آنے لگی۔
اسے لگا۔۔۔ وہ اب یہ سوال حل کر سکتی ہے۔ وہ ہر روز پھول خرید کر وہیں کیوں چھوڑ آتا تھا۔
اس کے وہاں آنے پر خاموشیاں کیوں ارمغان کے ہونٹوں پر ڈیرہ ڈال گئی تھیں۔ شادی کے نام سے کیوں بھاگنے لگا تھا۔
اس کے چہرے کے وہ تاثرات' اس کی آنکھوں کی کیفیت اس پر اپنے بھید کھولنے لگی۔
کیا اس کے ساتھ ایسا ہونا چاہیے تھا؟
اک ہلکے سے دکھ کا سایہ اس کے دل کو گھیرنے لگا۔

❋ ❋ ❋ ❋

آسمان پر تیزی سے اکٹھی ہوتی کالی بدلیوں نے شام کو کچھ اور گہرا کر دیا تھا۔ وہی آم والا' وہی دوڑتے بھاگتے بچے۔ بیٹھک کا کھلا دروازہ' اس میں سے ابھرتے اداس گیت۔

ساون بھادوں ساٹھ ہی دن ہیں
پھر وہ رت کی بات کہاں

وہ گلی میں مڑ گئی۔ وہ نیم کا درخت اور نیچے رکھی لوہے کی کرسی کبھی وہ آتی تو ارمغان یہاں بیٹھ کر کتاب پڑھا کرتا تھا۔ لیکن پہلے دن کی طرح آج بھی یہ کرسی خالی تھی۔ وہ کھلے دروازے سے اندر چلی آئی۔ بیٹھک کا دروازہ بند تھا۔ برآمدے اور صحن کی لائٹ جل رہی تھی۔ برآمدے میں ٹی وی چل رہا تھا اور پاس ہی کرسی پر آنکھیں موندے ارمغان غزل سن رہا تھا۔

عجب رت مہکی ہے اب کے برس
چاند روشن ستارے مدھم ہیں

وہ آہستگی سے چلتی ہوئی برآمدے میں آ گئی۔ اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔
اک دیا سا جلا تھا بہتے پانیوں میں۔
تب سے اب تک بھنور مدھم ہیں۔
"ارمغان!" اس نے آہستگی سے پکارا۔
اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔
"تم۔۔۔"
"ہم نے تیرے وصل کے سب خواب بن لیے۔" ارمغان نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا۔
"بہت دنوں کے بعد آئیں اریج۔" اس کا لہجہ مدھم' مگر ہر قسم کے تاثر سے عاری تھا۔
"چار دن ہی تو ہوئے ہیں۔"
"ہاں۔۔۔" وہ قصداً مسکرایا۔
"سب لوگ کہاں ہیں؟"
"بابا مسجد میں گئے ہیں' عینی اور نور کچن میں ہوں گی۔"
"ارمغان! تم لوگوں نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" اس نے گویا ارمغان کی بات ہی نہ سنی' بس سوال کیا تھا۔
ارمغان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر آہستگی سے گویا ہوا۔
"بابا کہتے تھے اگر میں اس دن انکار کر دیتا کہ وہ ماسٹر صلاح الدین نہیں تو یہ لڑکی خودکشی کر لیتی۔"
"ہاں' یہ ان کا مجھ پر احسان ہے۔"
"احسان۔۔۔ وہ تمہیں اب بھی اپنی بیٹی سمجھتے ہیں۔"
"اور تم۔۔۔؟" اریج نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا' وہ کچھ لمحے ٹھٹک کر اسے دیکھتا رہا۔
اسے لگا اس کی پوسٹ کی ہوئی شام آج اریج کو ملی ہے۔ اسے افسوس سا ہوا۔
کاش آج بھی ایسا نہ ہوتا۔
اس نے اس لڑکی کو واقعی چاہا تھا۔ مگر بابا نے اس سے کہا تھا۔
"تمہارا اس لڑکی سے کوئی رشتہ نہیں۔ مگر تمہاری اس کی سمت اٹھنے والی نگاہ وہی ہونی چاہیے جو عینی اور نور کی طرف اٹھتی ہے۔"
ضبط کی کن کڑی منزلوں سے گزرا تھا وہ۔

پل پل جینے اور مرنے کی کرب آمیز کیفیت ماں جیسی بہن سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ خوش بخت نے اس سے پوچھا۔

"ارمغان! وہ لڑکی جس کے لیے تم پھول خریدا کرتے تھے اریج ہے نا۔"

اس کا دل چاہا' وہ ان کی گود میں سر رکھ کر اپنا سارا دکھ کہہ دے۔ مگر مرد تھا نا۔ خاموشی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

پھر دکھ اور کرب کی اس کیفیت پر غصہ غالب آنے لگا۔

وہ اس کے سامنے آتی تو اس کا دل چاہتا' اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر دل کی ہر کیفیت اس پر آشکار کر دے۔ مگر خوش بخت نے کہا۔

"وہ پہلے ہی رشتوں سے بدگمان ہے ارمغان' اور جو رشتہ وہ تم سے باندھ بیٹھی ہے' اس کے بعد اگر تم نے اس سے کچھ کہا تو وہ بالکل ہی بے اعتبار ہو جائے گی۔ ٹوٹ جائے گی۔"

وہ شاید خوش بخت کی بات کبھی نہ مانتا۔ اگر اریج کے لبوں پر تیمور کا نام نہ سن لیتا۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ تو پانی پر گھر بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ نادان چاند چھونے کی تمنا کر رہا تھا۔

"ارمغان!" نجانے وہ کہاں گم ہو گیا تھا۔ اریج نے پکارا تو چونک گیا' پھر طویل سانس لے کر پوچھنے لگا۔

"تیمور کیسا ہے؟"

"تیمور..." اریج کی آنکھوں میں تحیر امڈ آیا۔ "تم اسے کیسے جانتے ہو؟" وہ مبہم سا مسکرایا۔

"میں نے اس کا نام تمہارے لبوں سے سنا تھا۔ اور مجھے لگتا ہے اریج! تم اس سے اور وہ تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔ محبتوں میں بدگمانی نہیں ہونی چاہیے۔ محبت کی ہے تو اعتبار بھی کرنا سیکھو۔ اگر وہ خفا ہے تو منالو کہ محبت ہمیشہ اسی مان کے ساتھ روٹھتی ہے کہ اسے منالیا جائے گا۔"

"ارمغان تم..." وہ اس سے آگے کچھ بھی نہ کہہ پائی۔ ارمغان نے خاموش ہو کر ٹی وی آن کر دیا۔

"بابا نے کہا تھا۔ وہ ہمارے پاس امانت ہے۔ میں نے اس کی ماں سے وعدہ کیا ہے کہ اس کی امانت ویسے ہی واپس لوٹا دوں گا۔" اور وہ امانت دار باپ کا دیانت دار بیٹا تھا۔

اریج کھڑی ہو گئی۔

عینی کچن میں تھی' کسی کارڈ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلاتی ہوئی۔ اریج نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے باقی کارڈ چھین لیے۔

"یہ کیا کر رہی ہو عینی...؟" عینی خاموش کھڑی رہی۔

"آذر کے سارے کارڈ کیوں جلا رہی ہو۔"

"کیونکہ میں نے..." وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی' پھر سنبھل کر بولی۔

"میں نے دانیال سے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"واٹ؟ آر یو میڈ۔" اریج چیخ اٹھی۔ "تم اس سے محبت کرتی تھیں عینی۔"

"خالی پیٹ تو محبت بھی اچھی نہیں لگتی اریج۔"

"نان سنس... یہ سب تمہیں پہلے بھی معلوم تھا عینی۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میرے لیے دانیال کا پرپوزل آجائے گا۔" عینی نے اطمینان سے کہا اور اس کے ہاتھ سے کارڈز لے لیے۔

"عینی تم۔" وہ ششدر سی کھڑی رہ گئی۔

"اریج! میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے' میں اپنی آدھی زندگی انتظار میں نہیں گزار سکتی۔ اس کے بعد بھی کیا گارنٹی ہے کہ وہ مجھے ایک اچھی زندگی دے پائے گا۔ دانیال کے پاس پہلے سے سب کچھ موجود ہے۔ مجھے معمولی معمولی چیزوں کے لیے ترسنا تو نہیں پڑے گا۔ محبت وحبت سب فضول باتیں ہیں۔" وہ کس قدر سفاکی سے کہہ رہی تھی۔

اریج ہل بھی نہ سکی۔ اسے لگا سامنے کھڑی لڑکی عینی نہیں رباب ہے۔ وہ خاموش کھڑی اپنے سامنے کسی کے جلتے خواب دیکھتی رہی۔

"طارق بھائی نے بھی آپی سے محبت کی تھی اور آپی نے انہیں دیوتا سمجھ کر پوجا تھا' کیا صلہ ملا ان کی محبت کا۔"

"آپی کہاں ہیں؟" اس نے پست آواز میں پوچھا۔

"چلی گئیں۔"

"کہاں؟"

"اپنے شوہر کے گھر' طارق بھائی نے انہیں الگ گھر لے دیا ہے۔ مجبوری تھی' اپنے بیٹے کی خاطر جانا تو تھا ہی۔" وہ سپاٹ سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "ماں ٹوٹ جائیں تو کیا محبت' کیا نفرت' بس سمجھوتہ رہ جاتا ہے اور انہوں نے بھی اولاد کی خاطر سمجھوتہ کر لیا ہے۔"

وہ اس گھر سے نکلی تو قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ یہ چند لمحے اس کی سوچ کو نئی سمت لے گئے۔

"آؤ... میں تمہیں چھوڑ آؤں۔" بادل برس پڑے تھے۔ ارمغان اس کے قریب آکر کہہ رہا تھا۔

"نہیں... میں گاڑی میں آئی تھی۔"

وہ اسے گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا اور اس برستی بارش میں وہ نجانے کہاں کہاں بھٹکی تھی۔ اور کہاں جا کر اس کے پاؤں بریک پر ٹھہرے تھے۔

ہاں... وہ تابندہ اور ظہیر تھے۔

اور ان کی گود میں دو سال کا بچہ۔

ابھی چند ہفتے قبل وہ ان سے ملی تھی تو تابندہ نے کہا تھا۔

"دیکھیں ہم دونوں میں سے کس کی محبت جیتتی ہے۔"
خوش و خرم ہنستے مسکراتے وہ دونوں اک مکمل فیملی۔
گاڑی زن کر کے پاس سے گزر گئی تھی۔
اور آج اس کی سمجھ میں تیمور کی بات آئی تھی۔ اس نے کہا تھا۔
"محبت کسی طبقے کی میراث نہیں اریج عثمان! محبت کرنے کے لیے ایک خالص، سچا اور کھرا دل چاہیے ہوتا ہے جو کسی کے پاس بھی ہو سکتا ہے۔"
"ہر کسی کا کیئر کرنے کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ محبت کرنے اور اس کے اظہار کے اپنے طریقے اگر کوئی اپنی مصروفیات کی بنا پر یہ سب نہیں کر سکتا تو تم اس پر محبت نہ کرنے کا الزام نہیں دھر سکتیں۔"

اسے ممی یاد آگئیں۔ اپنی سگی اولاد سے اس کی خاطر جھگڑتی ہوئی۔
اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اسے لگا وہ گھنے جنگل میں اپنے لیے رستہ بنا رہی ہے۔
"محبت ہمیشہ اس مان کے ساتھ روٹھتی ہے کہ اسے منا لیا جائے گا۔"
تیمور کو خفا اسی نے کیا ہے۔
گاڑی اس کے نئے گھر کے سامنے جا رکی۔
گیٹ کھلا تھا۔
وہ بھاگتی ہوئی اندر چلی آئی۔
بارش نے پل بھر میں اسے پورے کا پورا بھگو ڈالا تھا۔
اپنی آنکھوں سے پانی صاف کرتے ہوئے اس نے بمشکل نگاہ اٹھائی تو ساکت رہ گئی، جہاں تھی وہیں ٹھٹک گئی۔

فرانسیسی طرز کا خوبصورت دریچہ اس کے سامنے تھا۔ اس سے لپٹی سبز بیل فراخ دلی سے اپنے سفید پھول اس پر برسانے لگی۔
اور بارش کی جلترنگ میں اٹھتی وائلن کی دھن۔
وہی دھن..... جو کئی برسوں سے اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔
اس دھن میں اک عجیب سا اسرار تھا۔
اک نامعلوم سا دکھ۔
اک ہلکی سی چبھن۔
اک تڑپ، اک پکار۔
"کون ہے؟" اس کا دل بار بار پکار رہا تھا۔
تب ہی وائلن کے سر خاموش ہو گئے۔

وہ کچھ لمحے منتظر رہی۔ پھر بے چین ہو گئی۔
ماربل کی سفید سیڑھیاں اس کے سامنے تھیں۔
ایک پل کو گرنے کا خوف دامن گیر ہوا۔
دوسرے پل اسے لگا، اگر وہ یہ سیڑھیاں عبور کر گئی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بے چینی حد سے بڑھی تو وہ دیوانہ وار ان کی طرف بھاگی۔
"اریج....." کسی نے اچانک اسے پکارا۔ اس نے تیزی سے پلٹنا چاہا کہ پاؤں رپٹ گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ مگر دو مضبوط بازوؤں نے اسے سہولت سے سنبھال لیا۔ وہ تڑپ کر پلٹی، پھر ساکت رہ گئی۔
"سنبھل کر، چوٹ تو نہیں آئی۔" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔
"تم نے گرنے ہی کہاں دیا۔" وہ بے اختیار بولی۔
"مجھے معلوم تھا، تم آؤ گی۔" اس کے لہجے میں اپنی محبت کا یقین بولتا تھا۔
"تیمور میں!"
"ہش....." تیمور نے کچھ کہنے ہی نہ دیا۔ پھر سہارا دے کر کھڑا کرتے ہوئے بولا۔
"آؤ اوپر چلیں....."
"تیمور! وہ دھن....."
"تمہارے لیے کمپوز کی ہے۔"
بارش ہوا کی تال پر دیوانہ وار رقص کر رہی تھی۔
سبز بیل، سفید پھول برسا رہی تھی۔
تیمور کا ہاتھ تھام کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ مسکرا دی۔ وہ تیمور کو یہ نہ بتا سکی کہ اس نے یہ دھن آج تخلیق نہیں کی۔

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○